قصیدہ بُردہ شریف

حضرت شیخ امام محمد شرف الدین البوصیری رحمۃ اللہ علیہ

فارسی ترجمہ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اُردو ترجمہ

محمد فیاض الدین نظامی (دکن)

شرح فارسی

حضرت مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ اُردو (شرح فارسی)

مولانا حافظ محمد افضل منیر صاحب

فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

الفاروق بک فاؤنڈیشن لاہور

قصیدہ بُردہ شریف

حضرت شیخ امام محمد شرف الدین البوصیری رحمۃ اللہ علیہ

فارسی ترجمہ

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ

اُردو ترجمہ

محمد فیاض الدین نظامی (دکن)

شرح فارسی

حضرت مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ اُردو (شرح فارسی)

مولانا حافظ محمد افضل منیر صاحب

فاضل دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف

الفاروق بُک فاؤنڈیشن لاہور

نام کتاب ------ قصیدہ بردہ شریف (الزبدہ)

مصنف ------ امام محمد شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ

ناشر ------ الفاروق بک فاؤنڈیشن

تعداد ------ ایک ہزار

سال اشاعت ------ مئی 1997ء

طابع ------ حامد جمیل پرنٹرز، لاہور

قیمت ------ /72

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور۔ فون: 7221953

۹۔ الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور۔ فون: 7225085-7247350

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مترجم

الحمد اللہ کہ اللہ پاک نے میری دیرینہ دلی تمنا کو پورا کیا اور اس مبارک قصیدہ کا منظوم ترجمہ مکمل ہوا۔ نہ میں شاعر ہوں نہ زبان عربی کا ماہر البتہ نعتوں سے والہانہ عقیدت اور رسول کریم ﷺ کے اس پسندیدہ قصیدہ کی محبت نے بہ طفیل غلام غلامان آل محمد ﷺ یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔

عربی ادب کی حیثیت سے یہ قصیدہ فصاحت و بلاغت کا بہترین نمونہ ہے۔ جس کا سمجھنا ہر کس و ناکس کے لئے قدرے دشوار ہے۔ اس لئے میں نے اکثر دوست احباب کی خواہش پر مولانا جامی علیہ الرحمتہ کی تقلید میں مصنف کے مضامین اور خیالات کو اسی قافیہ میں اور حتی الوسع اسی ترتیب کے ساتھ زبان اردو میں منتقل کرنے کی کاوش کی ہے تاکہ عوام اس سے استفادہ کر سکیں اور عربی مولود شریف کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ بھی اسی طرز میں پڑھا جائے تاکہ ہر شخص بہ آسانی اس قصیدہ شریف کے معانی اور مطالب کو سمجھ سکے اور اس نعت عظمٰی سے مستفید اور لطف اندوز ہو۔ میرے اردو ترجمہ کے ساتھ عاشق رسول اکرم ﷺ حضرت مولانا محمد عبدالرحمٰن جامی علیہ الرحمتہ کا ترجمہ بھی بطور تبرک شریک کر دیا گیا ہے تاکہ وہ بھی جو فی زمانہ مفقود ہوتا جا رہا ہے محفوظ ہو جائے اور قارئین کو عربی کے ساتھ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں لطف اٹھانے کا موقع ملے۔

مجھے یقین کامل ہے کہ یہ ہدیہ تبریک ہندوستان، پاکستان اور ایران کے علاوہ دوسرے اسلامی ممالک میں مقبول خاص و عام ہو گا۔

عربی قصیدوں کی خصوصیت ہے کہ ان کی ابتداء عشقیہ مضامین سے ہوتی ہے اور رفتہ رفتہ اصل مضمون کی طرف گریز کرتی ہے۔ جس میں عموماً عاشق اپنے ہجر کی داستان کو بیان کرتا ہے اس کا دل و دماغ محبوب کے تصور میں اس کی بستی اور بارگاہ کے اردگرد گھومتا رہتا ہے کہ

میرا معشوق اسی مقام پر رہتا بستا ہوگا۔ یہیں اس کا رین بسیرا ہوگا۔ وہ یہاں کی گلی کوچوں میں چلتا پھرتا ہوگا۔ اپنا بچپن اور جوانی یہیں گزاری ہوگی۔ بقول حضرت جگر مراد آبادی :۔

وہ کب کے آئے بھی اور گئے بھی نظر میں اب تک سما رہے ہیں
یہ چل رہے وہ پھر رہے ہیں یہ آ رہے ہیں وہ جا رہے ہیں

وہاں کا ذرہ ذرہ اس کے سامنے ایک حسین منظر پیش کرتا ہے، وہاں کی خاک اس کیلئے صندل دردِ سر اور سرمہ بینائی کا کام دیتی ہے۔ وہ اسی کشمکش میں آہیں بھرتا اور گریہ وزاری کرتا ہے اور اپنے حسین مرض کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اس کی اس کیفیت کو دیکھ کر اس کے دوست احباب تاڑ جاتے ہیں کہ یہ مریض عشق ہے وہ ہر طرح اس کو سمجھاتے اور دلاسا دیتے ہیں جس کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ آخرش وہ ان سب نصیحتوں کی بجائے ان سے التجا کرتا ہے کہ وہ بہ عجز واحترام اس کا سلام شوق اور اس کی بے بسی اور درد دل کا حال محبوب تک پہنچادیں۔ بقول حضرت جامی علیہ الرحمتہ :۔

زخستہ عاجز و مسکین وناتواں جامی رساں بہ حضرت اوا ے خدا سلام علیک

اسی طرح اس قصیدہ کے مصنف علیہ الرحمتہ اپنے محبوب کا اور محبت کا اظہار کئے بغیر اپنے عالم خیال اور دیوانگی میں "مدینہ منورہ" کے اطراف واکناف کی پہاڑیوں اور کھنڈروں کوہ اظم اور موضع ذی سلم میں گھومتے رہتے ہیں۔ اندھیری رات میں بجلی کی چمک کے سہارے ان کو دیار حبیب ﷺ کے آثار نظر آجاتے ہیں اور وہ بے تاب ہو جاتے ہیں۔ اب وہ اپنے معشوق کی یاد میں جو دونوں جہاں کا محبوب ہے اپنے آپ کو نہایت حقیر سمجھ کر اپنے نفس کا جائزہ لیتے ہیں اور اس کو تزکیہ نفس اور آخرت کیلئے کار خیر اور عبادت الٰہی کی دعوت دیتے ہیں تاکہ سردار دوعالم ﷺ کی سچی محبت کرنے کا حوصلہ پیدا کرے اس لئے کہ ان کو اس پاک نبی علیہ السلام کی ریاضت اور عبادت کا خیال آجاتا ہے اور فرماتے ہیں کہ میں نے اس ذات اقدس کا جن کی محبت کا دم بھرتا ہوں ان کے راست طریقہ کو فراموش کر کے بڑا ظلم کیا ہے۔ جو تمام رات یاد الٰہی میں مشغول رہتے حتیٰ کہ پائے مبارک ورم کر جاتے اور فاقوں کے سبب سردار دو

جہاں اپنے شکم مبارک پر پتھر باندھ لیتے :۔

ظَلَمْتُ سُنَّۃَ مَنْ اَحْیَی الظَّلَامَ اِلٰی　اَنِ اشْتَکَتْ قَدَمَاہُ الضُّرَّ مِنْ وَّرَمِ

وَشَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَآءَہٗ وَطَوٰی　تَحْتَ الْحِجَارَۃِ کَشْحًا مُّتْرَفَ الْاَدَمِ

وَرَاوَدَتْہُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَھَبٍ　عَنْ نَّفْسِہٖ فَاَرَاھَا اَیَّمَا شَمَمِ

حالانکہ بحکم خدا پہاڑ سونے کے بن کر آپ کے پاس حاضر ہوئے کہ آپ ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کریں۔ لیکن آپ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں فرمائی۔ اب یہاں سے مصنف کیف عشق احمدی ﷺ میں ڈوب کر رسول اکرم ﷺ کے شمائل اور اخلاق حمیدہ کے سانچے موتی پرونے لگتے ہیں اور پھر میلاد مبارک و معراج شریف اور معجزات نبویہ کا ذکر نہایت خوبصورتی اور فصاحت سے بیان فرماتے ہیں خصوصاً قرآن کریم جو بجائے خود ایک عالی شان معجزہ ہے اس کی تعریف و توصیف کے بعد غزوات و جہاد اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایثار، وفا، اور بہادری کے بیان کے بعد طلب مغفرت اور نہایت موثر مناجات اور درود وسلام پر قصیدہ کو ختم فرماتے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ قصیدہ بحر بسیط میں ہے۔

مجھے پہلی مرتبہ اس قصیدۂ شریف کو اپنے بچپن میں محترمی حبیب الکاف مرحوم و مغفور کی جماعت سے مولوی قاری نظام الدین صاحب کے پاس جو میرے رشتے کے دادا ہوتے تھے، سننے کا اتفاق ہوا تھا۔ حضرت حبیب الکاف مرحوم کے پڑھنے کا ایسا موثر اور خاص انداز تھا جیسے ایک عاشق رسول ﷺ ہی کا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اسی وقت سے مجھے اس مبارک قصیدے سے دلی محبت ہوگئی۔ اور الحمد للہ آج تک باقی ہے۔ آج کل ان کے چھوٹے صاحبزادے مولوی حبیب جعفر صاحب بھی اپنی جماعت کے ساتھ بالکل اپنے والد ماجد کے ہی انداز میں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ حیدر آباد دکن میں ان کی جماعت نہایت مقبول ہے۔ علاوہ ہندوستان کے یہ قصیدہ تمام ممالک اسلامیہ میں بڑے احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اس کے پڑھنے اور حفظ کرنے کو باعث برکت تصور کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس قصیدے کے بزرگ مصنف حضرت امام ابو عبداللہ شرف الدین محمد بن سعید بن حماد بن محسن البوصدی

الدلاصی رحمتہ اللہ علیہ نے بڑی عقیدت اور محبت کے ساتھ حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں گزرانا تھااور شرف قبولیت حاصل کی تھی اس لئے انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک یہ اسی احترام اور خلوص سے پڑھا اور سنا جائے گا۔ اور عاشقان رسول اقدس ﷺ اس سے اپنی روح کی تسکین حاصل کرتے رہیں گے۔

اس قصیدہ کے مصنف حضرت امام شرف الدین محمد البوصیری ساتویں صدی ہجری (عہد مغولی) کے ایک نہایت مشہور بلند پایہ عرب شاعر رہ چکے ہیں آپ بمقام ابوصیر (بوصیر) بتاریخ یکم شوال ۶۰۸ مطابق ۷ رمارچ ۱۲۱۳ء پیدا ہوئے اور اسی نسبت سے آپ کو البوصیری کہا جاتا ہے۔ حضرت امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق آپ بمقام دلاص پیدا ہوئے اور بدیں وجہ "الدلاصی" بھی کہتے ہیں۔ البوصیری اور الدلاصی کہلائے جانے کے متعلق ایک دوسری روایت یہ بھی ہے کہ آپ کے والدین میں سے ایک کا تعلق بوصیر سے اور دوسرے کا دلاص سے تھا۔ اسی وجہ سے آپ کو البوصیری اور الدلاصی دونوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ آپ کی زندگی کے واقعات تاریکی میں ہیں۔ اس سلسلہ میں بہت کم معلومات حال ہو سکیں۔ اگر آپ قصیدۂ بردہ شریف کے مصنف نہ ہوتے تو شاید بالکل گمنام ہو جاتے۔ بہر حال بیان کیا جاتا ہے کہ آپ نے اوائل عمر کے تقریباً دس سال بیت المقدس میں گزارے اور پھر مدینہ منورہ میں سکونت اختیار کی۔ اس کے بعد تقریباً (۱۳) سال بحیثیت معلم قرآن کریم مکہ معظمہ میں بسر کئے۔ بعد ازاں سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں بلبیس میں مقیم ہوئے اور بالآخر حاجی خلیفہ کی روایت کے مطابق ۶۹۴ھ میں اور امام سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق ۶۹۵ھ اور مقریزی اور ابن شاکر کی روایت کے مطابق ۶۹۶ھ میں بمقام اسکندریہ آپ نے وفات پائی اور بمقام فسطاط حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے مزار کے قریب مدفون ہوئے۔ آپ فن خطاطی کے بڑے ماہر تھے، کتابوں کی نقل کر کے اپنی روزی پیدا کیا کرتے تھے۔ شعر وادب میں بلند مرتبہ حاصل کیا۔ آپ کے بلند پایہ دیوان کا نام "دیوان بوصیری" ہے جو قاہرہ سے طبع ہوا جس میں کئی قصاید اور نظمیں شامل

ہیں ان سب میں قصیدہ حمزہ کے علاوہ زیادہ مشہور اور مقبول قصیدہ :۔اَلْکَوَاکِبُ الدَّرِیَّۃُ فِیْ مَدْحِ خَیْرُ الْبَرِیَّہ۔ ہے جو قصیدہ بردہ شریف کے نام گرامی سے موسوم و مشہور ہے۔ جس کی متعدد شرحیں عربی، فارسی، اردو، لاطینی اور فرانسیسی زبانوں میں لکھی جاچکی ہیں جس کا لاطینی ترجمہ :۔ .Carmen Mysticum Borda Dictum ڈاکٹر محمد راحت اللہ خاں مرحوم مہتمم کتب خانہ آصفیہ (اسٹیٹ لائبریری) نے ازراہ مہربانی مجھے دکھایا تھا۔ یہ قصیدہ نہ صرف ہندوستان بلکہ عرب ممالک میں بھی بہت مشہور ہے۔ اس قصیدہ کو میں نے ۱۹۵۶ء میں مسجد نبوی کی چھت کے گنبدوں میں نہایت خوشخط لکھا ہوا دیکھا ہے۔ اس سے قصیدہ کی مقبولیت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ قصیدہ اپنی ادبی لطافتوں اور نزاکتوں اور سلاست و روانی کے قطع نظر اعلیٰ خصوصیات اور بڑے ہی فیوض و برکات کا حامل ہے جن حالات میں یہ قصیدہ شریف لکھا گیا اس کی وجہ سے اس کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ آپ مشہور صوفی وقت ابو العباس احمد المرسی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہوئے اور آپ ان کے درس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ فن حدیث میں کافی عبور تھا اور زبردست ماہر سمجھے جاتے تھے۔

اس قصیدے کی وجہ تصنیف کے متعلق خود حضرت امام بوصیری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھ پر فالج کا شدید حملہ ہوا۔ میرا نصف جسم بالکل بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ بہت کچھ علاج کروایا لیکن کسی علاج سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ انتہائی مایوسی کی حالت میں میں نے ارادہ کیا کہ نبی کریم ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھوں اور اس کے توسط سے بارگاہ رب العزت میں صحت کے لئے دعا کروں۔ اللہ جل شانہ نے میرے اس ارادے کو پورا فرمایا اور میری دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ میں نے قصیدہ لکھنا شروع کیا۔ قصیدے کے ختم پر مجھے نیند آ گئی۔ خواب میں دیکھتا ہوں کہ نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنے دست مبارک کو میرے جسم پر پھیرا اور اپنی چادر ڈال دی۔ معاً مجھے صحت ہو گئی۔ میں نیند سے چونکا اور اپنے آپ کو کھڑے ہونے اور حرکت کرنے کے قابل پایا۔ صبح جب باہر نکلا تو میری ایک درویش سے ملاقات ہوئی جو میرے لئے اجنبی تھا۔ اور اس نے مجھ سے وہ قصیدہ سنانے کی

خواہش لی جس میں میں نے نبی کریم ﷺ کی مدح کی ہے۔ حالانکہ میرے اس قصیدہ کا ابھی کسی کو علم نہیں ہوا تھا۔ میں نے اس بزرگ درویش سے دریافت کیا کونسا مدحیہ قصیدہ سننا چاہتے ہو۔ کہنے لگا وہ قصیدہ جس کی ابتداء :-

اَمِنْ تَذَکُّرِ جِیْرَانٍ بِذِیْ سَلَمٍ

سے ہوتی ہے۔ پھر وہ کہنے لگا بخدا کل شب میں نے تمہیں اس قصیدے کو رسول انور ﷺ کے دربار میں پڑھتے سنا ہے۔ میں نے یہ قصیدہ اس کے حوالے کر دیا لوگوں میں اس واقعہ کا بڑا چرچا ہوا۔ حتی کہ وزیر وقت الصاحب بہاء الدین کو بھی اس کی اطلاع ملی۔ وہ اس واقعہ سے اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے اس قصیدے کو نقل کروایا اور یہ عہد کیا کہ وہ ہمیشہ اس قصیدہ کو اس حالت میں سنے گا کہ وہ کھڑا ہوا ہو، پیر برہنہ ہو اور سر ڈھکا ہوا ہو۔ چنانچہ وہ اس قصیدہ کو اسی حالت میں بکثرت سنا کرتا تھا۔ وہ اور اس کا خاندان ہمیشہ اس قصیدہ کی بدولت دینی اور دنیوی فیوض و برکات سے مستفید ہوتے رہے۔

اگر اس مبارک قصیدہ کو بہ آدب و احترام تلاوت کریں تو انشاء اللہ تعالیٰ ہر شخص اس کے لاجواب فیوض و برکات سے مستفید ہوگا۔ لہٰذا باطہارت ہونا۔ صحت الفاظ و اعراب کو ملحوظ رکھنا اور معنی پر توجہ مبذول رکھنا نہایت ضروری ہے۔ قصیدہ شروع کرنے سے قبل ان اشعار کا پڑھنا احسن ہے :-

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مُنْشِی الْخَلْقِ مِنْ عَدَمٍ ثُمَّ الصَّلٰوۃُ عَلَی الْمُخْتَارِ فِی الْقِدَمِ

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

خصوصا دوسری بیت کے متعلق روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے قصیدہ کو سننے کے بعد خود یہ بیت ارشاد فرمائی۔ اسی لئے قصیدہ کے درمیان وقفہ وقفہ سے اس کا دہرانا باعث برکت ہے۔ بلکہ بعض بزرگان کرام اور عاشقان رسول ﷺ نے تو حضرت سعدی علیہ الرحمتہ کے مشہور نعتیہ اشعار :- بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِهٖ...... کے ورد کی بھی سفارش کی ہے۔

۱۹۶۰ء میں دوسری مرتبہ جب کہ میں حرمین الشریفین میں حج وزیارت کی غرض سے حاضر ہوا تھا تو الحمد للہ مجھے بھی اپنے اردو ترجمے کو بارگاہ نبوی ﷺ میں شروع سے آخر تک گزراننے کی سعادت نصیب ہوئی۔ خدا کرے کہ میرے اس ترجمے کو سرکار ﷺ کے دربار سے شرف قبولیت عطا ہو اور یہ بھی عربی اور فارسی کی طرح برکتوں کا حامل ہو جائے۔

جزاکم اللہ خیرا۔ فقط

محمد فیاض الدین نظامی
الحمراء۔ بنجارہ ہل، حیدر آباد دکن
ربیع الاول ۱۳۸۹ھ مطابق مئی ۱۹۶۹ء

نوٹ

قصیدۂ بردہ شریف کے اختتام پر حضرت امام البوصیری رحمتہ اللہ علیہ کا دوسرا مبارک قصیدہ جس کو مصنف علیہ الرحمتہ نے اسم گرامی ﷺ سے موسوم فرمایا ہے تبرکاً درج کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ اس قصیدہ کو حضرت امام نے بردہ شریف کے بعد ہی بطور شکریہ شرف یابی و صحت یابی حضور اقدس ﷺ میں پیش فرمایا جس کا ہر مصرعہ اسم مبارک (محمد ﷺ) سے شروع ہوتا ہے جو عشق محمدی ﷺ کا ذوق رکھنے والوں پر ایک خاص کیفیت پیدا کرتا ہے۔

اس قصیدہ کے خصوصیات و برکات

بزرگان دین اور عاشقان رسول اکرم ﷺ جو اس قصیدہ سے مانوس تھے اس کے ہر ہر شعر کے اثرات اور برکات سے واقف تھے فرمایا ہے کہ جس مکان میں یہ قصیدہ موجود ہو گا وہ ہر بلا سے محفوظ رہے گا اور اس کا پڑھنا قضائے حاجات اور حل مشکلات کے لئے بیحد نافع و مجرب ہے بشرط حسن عقیدت اس کو پڑھ کر جو دعا کی جائے وہ انشاء اللہ مقبول ہو گی۔

حضرت شیخ ابراہیم باجوری رحمتہ اللہ علیہ نے اس قصیدہ کی شرح میں بعض ابیات کے جو فوائد و تاثیرات کو بیان فرمایا ہے ان کا اردو ترجمہ مختصراً درج ذیل ہے انشاء اللہ ان اعمال کی برکت سے ہر شخص اپنی مراد کو پہنچے گا۔

آٹھواں شعر جو نَعَمْ سَرٰی سے شروع ہوتا ہے بعد نماز عشا سونے سے قبل پڑھتے رہیں یہاں تک کہ نیند کا غلبہ ہو جائے تو انشاء اللہ تعالیٰ خواب میں رسول اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہو گی۔

۳۴ اور ۳۶۔ اشعار جو مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ اور ھُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ سے شروع ہوتے ہیں ہر نماز کے بعد جو چند مرتبہ ورد کرے گا وہ جملہ مصائب سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر مصیبتوں میں مبتلا ہو چکا ہے تو پچھلی شب بعد نماز تہجد ان کا ورد کریں اور بہ توسل سرکار دو عالم ﷺ دعا مانگیں تو انشاء اللہ مصائب دفع ہو جائیں گے۔

۸۵ اور ۸۶۔ اشعار جو تَبَارَكَ اللّٰهُ اور کَمْ اَبْرَأَتْ سے شروع ہوتے ہیں مرض مرگی، فالج اور دیگر مہلک امراض کے لئے نہایت مجرب ہیں چنانچہ باطہارت چند دفع اس کو پڑھ کر مریض پر دم کرنے اور اس کو لکھ کر تعویذ گلے میں ڈالے تو انشاء اللہ تعالیٰ اس سے مرض جاتا رہے گا۔

۱۵۴ اور ۱۵۵ اشعار جو وَلَنْ یَّضِیْقَ اور فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ سے شروع ہوتے ہیں پڑھ کر جس مقصد کے لئے بہ توسل حضور مقبول ﷺ دعا کرے تو انشاء اللہ قبول ہو گی۔ یہ جاننا

چاہئے کہ جیسے آنحضرت سرکار دو عالم ﷺ کے حیات اقدس میں مدد مانگنا ثابت ہے اسی طرح آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد بھی آپ سے مدد طلب کرنا بالکل جائز ہے۔

اس کے علاوہ دیگر ابیات کے فوائد و برکات بھی ہیں۔ غرض کہ بحسن عقیدت باطہارت و بہ پاس آداب اس مقدس قصیدہ کا پڑھنا بے حد مفید و مقبول ہے۔ کیوں نہ ہو مدح رسول اللہ ﷺ میں شعرائے متقدمین کے تمام قصاید سے کہیں زیادہ یہ قصیدہ بے حد مقبول اور شہرۂ آفاق ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ اس قصیدہ کا آغاز ایسے شعر سے ہوا ہے جس کے ابتدائی حروف۔ا۔م۔ن۔ت (امنت) ہو جاتا ہے جو ایک فال مبارک ہے کہ اس قصیدہ کا مصنف اور قاریان انشاء اللہ ہر بلاو آفت سے محفوظ رہیں گے۔ فقط۔ آخر دعوانا

محمد فیاض الدین نظامی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش لفظ

یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا۔ اور اس ذات کریم جل شانہ کا تعارف جس طرح نبی اکرم سرور دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کرایا ہے۔ تاریخ عالم میں اس کی مثال نہیں ملتی، اور نبی اکرم رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ کی تعریف و توصیف جس طرح اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے۔ اس طرح مخلوق میں سے کوئی بھی نہیں کرسکتا۔

امام احمد رضا بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی
یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

حضرت حسان بن ثابت اور حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے لے کر آج تک کتنے خوش بختوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی ہے اور کتنے سعید انسانوں نے اللہ تعالےٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی بارگاہ میں نعتوں کا ہدیۂ فقیرانہ پیش کیا ہے؟ ان کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

ان خوش نصیب حضرات میں سے حضرت ابو عبد اللہ محمد بن سعید بوصیری رحمہ اللہ تعالیٰ ہیں جن کا شعر وسخن کے میدان میں بڑا چرچا اور مقام تھا، انھوں نے کئی قصیدے ارباب حکومت کی مدح میں لکھے اور انعامات حاصل کئے، پھر انھیں فالج نے آلیا۔ بہت علاج کیا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا، ظاہری وسائل کی طرف سے مایوسی کے عالم میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوئی اور دل میں امید کی ایک کرن پھوٹی کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن رحمت کا سہارا

لینا چاہیئے، چنانچہ ایک قصیدہ لکھا اور اس میں اپنا تمام درد و سوز سمو دیا۔ رات کو خود تو سو گئے لیکن قسمت جاگ اُٹھی۔ عالم رؤیا میں رحمتِ مجسم، پیکر لطف و کرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کی زیارت ہوئی اور اس جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور قصیدہ مبارکہ سنانے کی سعادت ملی، اللہ تعالےٰ کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کے جسم پر دستِ رحمت پھیرا اور چادر مبارک عنایت فرمائی، بیدار ہوئے تو پورا گھر خوشبو سے معطر تھا۔ انہوں نے جاگتی ہوئی آنکھوں سے دیکھا کہ چادر موجود ہے۔ اور فالج کا نام ونشان نہیں ہے۔ اس طرح اس قصیدہ کا نام قصیدۂ بردہ مشہور ہو گیا۔ یہ وہ قصیدہ ہے جو شہرت کی معراج حاصل کر چکا ہے

علماء نے اس قصیدہ کو اپنے درس میں شامل کر لیا، اس کی شرحیں لکھیں اور صوفیاء کرام نے اسے بطور ورد حرزِ جان بنا لیا، ان ہی شروح میں سے امام علامہ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شارح مشکوٰۃ کی عربی شرح الزبدۃ بھی ہے جو مختصر ہونے کے ساتھ جامع بھی ہے۔ اس میں حل لغات، ترکیب نحوی اور بیان مطلب کا اہتمام جس عمدگی سے کیا گیا ہے اس کا اندازہ شارح گرامی کے نام ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

فاضل علامہ مولانا ابو بلال محمد افضل منیر حفظہ اللہ تعالےٰ، فاضل دار العلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف نے حضرت علامہ پیر محمد کرم شاہ ازہری مدظلہ العلےٰ جسٹس وفاقی شرعی عدالت سپریم کورٹ پاکستان کے حکم پر اس کا ترجمہ کیا ہے، انہوں نے بڑی محنت اور دیدہ وری سے ترجمہ کیا ہے بے شک

وہ ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں، جناب محترم صاحبزادہ حفیظ البرکات شاہ مدظلہ العالی ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور اس کی اشاعت پر لائق صد ستائش ہیں

مولانا علامہ مفتی محمد رحیم قادری مدظلہ العالی شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ، پیر جوگوٹھ، سندھ کی کوشش سے یہ شرح عربی میں چھپ چکی ہے۔

۱۵ ر ذیقعد ۱۴۱۷ھ — محمد عبد الحکیم شرف قادری
۲۵ ر مارچ ۱۹۹۷ء

عرضِ مترجم

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ۔ اما بعد

اس بات سے تو کسی کو مجال انکار نہیں کہ فخرِ رسل سرورِ کائنات جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف ایک عظیم سعادت ہے اور اس طرح نعت گو اور شعراء حضرات کو جو بلند اور ارفع مقام نصیب ہوا ہے وہ صرف نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت گوئی کی وجہ سے۔ بقول شاعر ؎

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَقَالَتِیْ
وَلٰکِنْ مَدَحْتُ مَقَالَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

(یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں قصیدہ نظم کر کے حضور کی شان اقدس میں تو کچھ اضافہ نہ کر سکا (کیونکہ آپ پہلے ہی بڑی رفیع شان کے مالک ہیں) البتہ حضور کی شان اقدس میں کہے گئے کلمات اور قصیدے کو پذیرائی نصیب ہو گئی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ بڑے بڑے قادر الکلام شعراء و ادیب جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں لب کشائی کرتے ہیں اور پھر جب اپنے کلام اور حضور کے بلند مقام کو دیکھتے ہیں تو انھیں اپنی کم مائیگی کا احساس ہوتا ہے اور اس کا اعتراف کرتے ہوتے یوں گویا ہوتے ہیں۔

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقُّہٗ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور حضرت غالب اپنی بے بسی کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ داں محمدؐ است

زیرِ نظر کتاب (قصیدہ بردہ) حضورِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مدح میں نظم کیا گیا ایک نہایت ہی مشہور و معروف قصیدہ ہے۔ اس قصیدے کو جو پذیرائی نصیب ہوئی، وہ محتاجِ بیان نہیں ہے۔ اس کی متعدد شروح تحریر کی گئی ہیں۔ ان شروح میں سے ایک حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمائی۔ جو (الزبدہ) کے نام سے موسوم ہے۔ المرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اوّل (مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان) کی ابتداء میں حضرت ملا علی القاری کے حالاتِ زندگی کے سلسلے میں ایک طویل مقدمہ تحریر کیا گیا ہے اور اس کے آخر میں حضرت موصوف کی تقریباً ۱۱۵، ایسی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو غیر مطبوع ہیں۔ اور ان میں الزبدہ فی شرح قصیدۃ البردہ کو بھی شمار کیا گیا ہے۔

یہ ۲۰ رمارچ ۱۹۷۵ء کی بات ہے۔ میں ان دنوں جامعہ رضویہ انوار العلوم ۲۴/H واہ کینٹ میں بطور صدر مدرس کام دینی خدمات میں مصروف تھا۔ سیدیؒ مرشدی حضرت ضیاء الامت پیر محمدؐ کرم شاہ الازہری مدظلہ نے غریب خانہ کو قدوم میمنت لزوم سے عزت و زینت بخشی۔ آپ کا قیام دو تین ایام پر مشتمل تھا۔ اس دوران آپ نے گڑھی افغاناں میں پیر محمد اعظم شاہ صاحب سے ملاقات کرنے کا ارادہ فرمایا۔

گڑھی افغاناں میں حضرت پیر صاحب موصوف کے زیرِ انتظام ایک قدیم اور نادر الوجود کتابوں پر مشتمل لائبریری ہے۔ حضرت ضیاء الامت کو چونکہ کتب بینی

کا بے حد شوق ہے۔ لہذا اپنے ذوق کی تسکین کے لیے کتابوں کو دیکھنا شروع کیا تو اتفاق سے الزبدہ کا نسخہ بھی ہاتھ لگا۔ آپ نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور فرمانے لگے "اس نسخہ کو حاصل کرنے کے لیے میرے دل میں بڑی تمنا تھی۔ وہ اللہ تعالیٰ نے آج پوری کر دی"۔

حضرت ضیاء الامت نے حضرت پیر صاحب سے یہ نسخہ مستعار لیا اور مجھے حکم دیا کہ اس کو نقل کر دو۔

تعمیلِ ارشاد کی خاطر بندہ نے اس کو نقل کرنا شروع کیا۔ اب اس نسخے کی حالت یہ تھی کہ اس کے ورق نہایت بوسیدہ اور بعض بعض مقامات سے کرم خوردہ تھے اور بہت ہی قدیم ہونے کے سبب بعض مقامات سے اس کے الفاظ بھی دھندلے اور مدھم تھے کہ ان سے کچھ سمجھنا اور مطلب اخذ کرنا بہت دشوار تھا۔ توکلاً علی اللہ کام شروع کیا۔ جن مقامات پر الفاظ کی شناخت یا آگاہی نہ ہو سکی، وہاں سے مناسب جگہ خالی چھوڑ دی۔ خیال تھا کہ حضرت ضیاء الامت مدظلہ خود اپنی خداداد بصیرت کے مطابق ان خالی جگہوں کو مکمل فرمالیں گے اور اس طرح تقریباً چار ماہ کے عرصہ میں یہ کام مکمل کر کے بھیرہ شریف حاضری دی اور حضور غریب نواز کی خدمتِ عالیہ میں اپنی ناچیز سی خدمت پیش کی۔ آپ نے بڑی تحسین فرمائی اور فرمایا کہ اب ایک کام اور کر دو۔ اس کتاب کا ترجمہ کر دو تاکہ اس کو زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے عامۃ الناس کے فائدے کے لئے پیش کیا جا سکے۔

یہ کام ناچیز کے لیے انتہائی مشکل اور کٹھن تھا۔ پہلے تو کچھ لیت و لعل سے کام لیا۔ اور عرض کیا کہ حضور! میرے جیسے کم علم ناقص الفہم کے لیے ایسا کام کیسے ممکن ہے؟۔

آپ نے نہ صرف یہ کہ اصرار فرمایا بلکہ مجھ پر کمال شفقت فرماتے ہُوئے اظہارِ ناراضگی بھی فرمایا تو بقول فاضل بریلویؒ "ناچار اس راہ پڑا جانا" ؎

افتاں وخیزاں یہ کام شروع تو کر دیا مگر اس کے تسلسل میں بڑی رکاوٹ دہ مواقع تھے، جہاں کی عبارت نقل نہ ہو سکی ۔ چنانچہ آجا کر کچھ ماقبل اور مابعد عبارت کے مفہوم کا سہارا لے کر اپنے فہم ناقص کے مُطابق تسلسل اور روانی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے : تاکہ کم از کم عام قاری اس سے بھرپور استفادہ کر سکے ۔ اب علم و دانش سے درخواست ہے کہ اگر کسی صاحب کے پاس "الزبدۃ" کا نسخہ صحیح حالت میں ہو تو اَز راہ کرم عنایت فرمائیں تاکہ اس ترجمہ میں جو سقم رہ گیا ہے اس کو دور کیا جا سکے ۔ ان کی بڑی نوازش ہو گی ۔

میری اس کوشش اور کاوش میں اگر قارئین کو کچھ خوبی نظر آئے تو اس میں میرا کوئی کمال نہیں بلکہ یہ سب کچھ کرم اور فیض ہے میرے اس کریم اور شفیق آقا کا، جس کی ادب آموز نگاہوں اور حسن تربیت نے اس مشت خاک کو نوازا ۔

جمال ہم نشین در من اثر کرد
وگرنہ من ھماں خاکم کہ ہستم

یہاں مناسب معلوم ہو رہا ہے کہ کچھ مختصر سا ذکر حضرت ملا علی القاری کے حالات زندگی کے بارے میں ہو جاتے ۔

حضرت ملا علی القاری

حضرت علامہ ملا علی القاری خراسان کے ایک مشہور شہر ہرات میں پیدا ہُوئے ۔ آپ کے سِن ولادت کے بارے میں تاریخ خاموش ہے ۔ آپ کا

اسمِ گرامی علی اور والد کا نام سلطان محمدؒ ہے۔ آپ کی کنیت ابوالحسن اور لقب نورالدین ہے۔

آپ ہرات میں ہی پلے بڑھے۔ اور وہاں ہی ایک مشہور عالم معین الدین سے علمِ تجوید پڑھا اور قرآنِ پاک کو حفظ کیا اور درسی کتب اور علوم متداولہ کی تعلیم بھی وہاں کے ہی مشاہیر علماء کرام سے حاصل کی۔

جب سلطان اسماعیل بن حید رصفوی رافضی نے ہرات پر غلبہ حاصل کیا اور وہاں کے مُسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا تو آپ مکّہ معظمہ چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کرلی۔ مکّہ معظمہ میں علم قرآت میں اس قدر عمدگی اور پختگی حاصل کی کہ آپ "قاری" کے نام سے مشہور ہوگئے۔ پھر مکّہ معظمہ میں ہی وہاں کے جلیل القدر شیوخ سے سماع حدیث میں مشغول ہوگئے حتیٰ کہ اس فن میں بھی اپنا نام پیدا کیا اور اصول، حدیث، تفسیر، تصوف اور معقول وغیرہ میں امام بن گئے۔

آپ کی تالیفات کی تعداد تقریباً ۱۳۳ ہے۔ جن میں سے صرف اٹھارہ مطبوع ہوچکی ہیں۔ الذبدہ بھی غیر مطبوع تالیفات میں شامل ہے۔

آپ نے شوال ۱۰۱۴ھ میں وفات پائی اور مکّہ معظمہ میں معلاۃ کے مقام پر دفن ہوئے۔ ایک خلق کثیر نے آپ کے جنازہ میں شرکت کی۔

رَحِمَ اللّٰہ عَلَیْہِ رَحْمَۃً وَاسِعَۃً وببرکتہ علینا۔

میں مکرم و محترم جناب صاحبزادہ محمدؐ حفیظ البرکات شاہ صاحب مینجر ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور کا ممنون احسان ہوں کہ انھوں نے اس کو زیور طبع سے آراستہ کرنے کی ذمہ داری قبول فرمائی۔ اللہ تعالےٰ دُنیا و آخرت میں ان کو سرخرو فرمائے۔

اہلِ علم حضرات سے درخواست ہے کہ جہاں کہیں اصلاح کی گنجائش محسوس کریں۔ بندہ ناچیز کی راہنمائی فرمائیں۔

آخر میں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر سے دُعا ہے کہ یہ حقیر سی کوشش لوگوں کے لئے نفع کا باعث بنے اور بندہ کے لئے موجب مغفرت۔

قارئین کرام سے گذارش ہے کہ اس پُرخطا کو دُعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

منجانب :

ابوالبلال محمد افضل منیر عفی عنہ



اَمِنْ تَذَكُّرِ جِيْرَانٍ بِذِيْ سَلَمٍ
مَزَجْتَ دَمْعًا جَرٰى مِنْ مُّقْلَةٍ بِدَمِ

اے زیادِ صحبتِ یار انت اندر ذی سلم
اشکِ چشم آمیختی با خوں رواں گشتہ بہم

کیا تمھیں یاد آ گئے ہمسایگانِ ذی سلم
خون کے آنسو جو آنکھوں سے رواں ہیں دمبدم

ترجمہ: کیا تو نے ذی سلم کے پڑوسیوں کو یاد کرنے کی وجہ سے گوشۂ چشم سے بہنے والے آنسو کو خون سے ملا دیا؟

لفظی تشریح

یہاں پر ہمزۃ الاستفہام مضمون کو پختہ کرنے کے لیے ہے۔ اس کو صدارت کی وجہ سے مقدم کیا گیا۔ اور من تذکر (جار مجرور) فعل مزجت کے متعلق ہے اور اس کو حصر کے

واسطے مقدم کیا گیا ہے۔ تذکر مصدر ہے جو اپنے مفعول کی طرف مضاف ہو کر استعمال ہو رہا ہے۔ اور اس کا فاعل محذوف ہے۔ اصل میں ہے: تَذَکُّرُکَ جِیْرَانًا لفظ جیران جَارٌ کی یا مُجَاوِرٌ کی جمع ہے اور یہی اس مقام پر مناسب ہے۔ اور ذی سلم گاؤں میں درخت کا مالک۔ یہ جار مجرور کا متعلق محذوف ہے۔ (اصل میں مفہوم یہ ہے) یعنی وہ پڑوسی ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں یہ خاص قسم کا درخت ہے۔ (سلم) اس کے لام پر زبر پڑھی جاتی ہے اور زیر پڑھنا بھی مروی ہے۔ دمعا رونے کے سبب آنکھ سے نکلنے والے پانی کو دمع (آنسو) کہتے ہیں۔ یہ فعل مَزَجْتَ کا مفعول بہ ہے۔ اور جری (پورا جملہ ہو کر) دمعا کی صفت ہے۔ من مقلة یہ جار مجرور جری کے متعلق ہے۔ آنکھ کے اندرونی حصہ کو مقلہ کہتے ہیں۔ بدم یہ جار مجرور مزجت کے متعلق ہے۔

معنوی تشریح

شاعر مخاطب کو اپنے خیال میں جدا کرتے ہوئے اس سے سرگوشی کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اسے وہ شخص جو رونے میں اس قدر مبالغہ کر رہا ہے۔ ضرور بالضرور تیرے رونے کا کوئی نہ کوئی سبب ہے۔ پس (بتاؤ) کہ وہ کیا سبب ہے۔ آیا وہ فراق کی جلن اور اس کی مشقت ہے کہ تم کو ایسے دوستوں کے فراق میں مبتلا کیا گیا ہے جن کو پاکر تم خوش تھے اور اب تم ان کے ہجر میں (اپنی سابقہ خوشی سے غمی کی طرف لوٹ گئے ہو یا کوئی اور سبب ہے جس کا ذکر آنے والے شعر میں آرہا ہے:

۲ اَمْ هَبَّتِ الرِّيحُ مِنْ تِلْقَاءِ كَاظِمَةٍ
اَوْ اَوْمَضَ الْبَرْقُ فِي الظَّلْمَاءِ مِنْ اِضَمِ

یا مگر از کاظمہ بادے وزید از کوئے دوست
یا مگر در نیم شب برقے جہیدہ از اضم!

یا صبا لائی ہے سمتِ کاظمہ سے اِک پیام!
یا ہوا بجلی سے روشن رات میں کوہِ اضم!

ترجمہ: کیا کاظمہ کی جانب سے ہوا چلی ہے یا تاریک رات میں اضم پہاڑ سے بجلی چمکی ہے۔

لفظی تشریح

ام منقطعہ ہے۔ اور هَبَّتْ فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث غائب ہے۔ الریح: یہ مؤنث سماعی ہے هبت کا فاعل۔ تلقاء کا مطلب جہت، سمت، جانب۔ من تلقاً کاظمة، یہ سب فعل ہبّت کے متعلق ہے۔ کاظمہ ایک جگہ کا نام ہے۔ اور یہ ضرورت شعری کے سبب منصرف ہے۔ او مض بمعنی لمعَ چمکنا۔ یہ فعل ہبت پر معطوف ہے۔ البرق اومض کا فاعل ہے۔ فی الظلماء اس کا متعلق محذوف ہے۔ یہ فاعل (البرق) کا حال واقع ہو رہا ہے یعنی اس حال میں کہ بجلی تاریک رات میں واقع ہوئی۔

من اضم، ہمزہ کو زیر کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور یہ جار مجرور اومض کے متعلق ہے۔ اِضم مضاف الیہ ہو کر استعمال ہو رہا ہے۔ اور اس کا مضاف تلقا مقدر ہے۔ اصل میں ہے، من تلقاء اضم: یہ ایک پہاڑ ہے اور بجلی پہاڑ سے نہیں بلکہ اس کی سمت سے چمکتی ہے۔

کہا گیا ہے کہ ذی سلم، کاظمہ اور اضم مدینۃ الاسلام کے قریب کی جگہیں ہیں۔ یہی

بات اس جگہ زیادہ مناسب اور مقصودی معنی کے زیادہ قریب ہے۔

معنوی تشریح

تیرے رونے کا سبب یا تو وصال کی چمک ہے کہ تم نے وصال کی آرزو کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نسیم صبح ان پڑوسیوں کی خبریں اور راز تمھارے پاس لائی اور تم پر ان کے دیار و مساکن کے نشانات کے ظہور کی ابتدا ہوئی۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ان کا مسکن (پناہ گاہ) اس قدر دور ہے کہ صرف ہوا ہی وہاں پہنچ سکتی ہے۔ اور اس قدر اونچا ہے کہ صرف بادل ہی وہاں تک چڑھ سکتے ہیں۔ اس جگہ کی طرف قصد کرنے والا مسلسل محنت برداشت کرتا ہے اور لگاتار دکھ سہتا ہے۔

پھر بُعد مسافت، بعد مرتبہ کے لیے اور جگہ کی بلندی، قدر و منزلت کی بلندی کے لیے استعارہ ہے۔ شاعر نے فی الظلماء (تاریکی میں) اس لیے کہا کیونکہ تاریکی میں روشنی زیادہ واضح اور اونچے مقام سے زیادہ جلیل القدر ہوتی ہے۔

دونوں شعروں کا ماحصل یہ ہے۔ تیرا رونا یا تو زمانہ ماضی میں واقع ہونے والے وصال کو یاد کرنے کی وجہ سے ہے جس کا تجھے علم ہے یا زمانہ حال میں متوقع وصال کی طلب کے باعث ہے۔

ان معانی کو حقیقت پر مقدمہ کی تمہید کے ساتھ محمول کرنا ممکن ہے وہ یہ ہے کہ طلب گار اپنی ریاضت کے سبب ایسے مقام کو پہنچ جاتا ہے۔ یہاں نور حق سے آگاہ ہونے کے سبب اس پر لذت آگیں جذبات و خلسات عارض ہوتے ہیں۔ گویا کہ وہ بجلیاں ہیں جو (بار بار) اس کی طرف چمکتی ہیں پھر اس کے سامنے (آکر) بجھ جاتی ہیں۔ ان خلسات کو وقت کہا جاتا ہے

یہ (منزل مقصود کا) وجدان اور (اس کے) حصول کا پہلا درجہ ہے۔ اور طالب ہر وقت دو قسم کے غموں میں مبتلا ہوتا ہے۔ ایک غم مطلوب کے حصول میں تاخیر پر۔ اور دوسرا غم اور افسوس اس کے فوت ہونے پر۔

پس شاعر فرماتے ہیں کہ اے ریاضت کے ذریعے خدا کے طلب گار! کیا تیرے رونے کا سبب ان لذیذ جذبات کی یاد اور ان کے منقطع ہونے کے بعد ان کے حصول کا شوق ہے یا اس قسم کے ان سے اعلیٰ جذبات کی تلاش تیرے رونے کا سبب ہے تاکہ (منزل مقصود تک) رسائی ثابت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے رسول کے طفیل (منزل مراد کا) حصول دے۔

(جب شاعر نے اپنے مخاطب سے یہ سوالات پوچھے، تو گویا اس نے محبت سے انکار کیا۔ شاعر پھر اسے کہتے ہیں:

(۲) فَمَا لِعَيْنَيْكَ اِنْ قُلْتَ اكْفُفَا هَمَتَا
وَمَا لِقَلْبِكَ اِنْ قُلْتَ اسْتَفِقْ يَهِمِ

چیست چشمت را چہ گوئی خشک شو گریاں شود
چیست دل گوئی بہوش آشیفتہ گردد زغم

کیا ہوا آنکھوں کو تیری رو رہی ہیں زار زار
کیا ہوا دل کو ترے کیوں اس قدر کھاتا ہے غم

ترجمہ: تو پھر تیری آنکھوں کو کیا ہوا ہے کہ اگر تو ان کو رکنے کے لیے کہتا ہے تو یہ اور زیادہ آنسو بہاتی ہیں اور تیرے دل کو کیا ہوا ہے کہ تو اس کو افاقہ کرنے کو کہتا ہے تو مزید پریشان ہوتا ہے۔

لفظی تشریح

فا شرط محذوف کا جواب ہے۔ اس فا کا نام فصیحت (تغیریہ) ہے یعنی اگر تیرے رونے کے یہ دونوں سبب نہیں ہیں (تو پھر تیری آنکھوں اور دل کو کیا ہے؟)

یہاں دونوں جگہ ما استفہامیہ ہے اور مبتدا ہونے کے باعث محل رفع میں ہے۔ دونوں (مصرعوں) میں جار مجرور کا متعلق محذوف اور خبر ہونے کے باعث محل رفع میں ہے اس کی تقدیر یوں ہے۔ اے مخاطب! تیری آنکھوں کو کیا ہوا ہے۔ جب تو ان کو کہتا ہے کہ رونے سے باز آ جاؤ تو یہ آنسو بہاتی ہیں اور تیرے دل کو کیا حادثہ پیش آیا ہے کہ جب تو اس کو کہتا ہے کہ افاقہ کر اور (جسم میں تسلی و اطمینان کے ساتھ) حاضر رہ تو یہ مزید حیران و پریشان ہو جاتا ہے۔

حنیفی نے اپنی شرح قصیدہ میں فرمایا ہے: کُفَّا ادغام کے ساتھ اور اکففا بغیر ادغام دونوں جائز ہے۔ یہ ان کا اپنا ذاتی خیال ہے۔ حالانکہ صرفیوں نے کتب صرف میں ایسے ادغام کو واجب قرار دیا ہے۔ اور عصام الدین رحمۃ اللہ نے اپنی قصیدہ کی شرح میں فرمایا کہ یہاں پر فلٹ ادغام (ادغام نہ کرنا) ضرورت کے ماتحت ہے۔ ابوشامہ نے اپنی شرح میں فرمایا ہے کہ یہاں فلٹ ادغام خلافِ قیاس ہے۔

کہا گیا ہے کہ آنکھ کی گنتی (دونوں آنکھیں کہنا) صرف صورت کے اعتبار سے ہے البتہ معنیٔ مطلوب میں ایک ہی مراد ہے۔ اسی وجہ سے کبھی ایک چیز کو دو چیزیں خیال کیا جاتا ہے تو وحدتِ حقیقی میں تعدد صوری کو برا نہیں کہا جا سکتا ہے جیسا کہ بعض صوفیاء کا مذہب ہے جو وجودیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

پس لفظ اکففا حقیقت کے اعتبار سے مفرد ہے اگرچہ صورت تثنیہ کی ہے۔ اور یہ (بحث) محض تکلف ہے جیسے کہ تم دیکھ رہے ہو اور کہا گیا ہے کہ فلٹ ادغام مفرد خیال

کرتے ہوئے کہا گیا۔ اس لیے فصاحت کو مخل نہیں ہے جیسے کہ کسی کے قول الحمدللہ العلی الاجلل میں مخل ہے۔ پھر کہا۔ اور یہ کہنا بھی ممکن ہے کہ یہ اس بات کا احساس دلاتا ہے کہ قصیدہ گو نے یہ شعر زبانِ حیرت سے کہا ہے اور سبقت لسانی پر عیب چینی نہیں کی جاتی۔ طرز بیان میں اس قسم کی چیزیں بلغاء کی ظرافت شمار ہوتی ہیں۔

اگر تم انکار کرتے ہو کہ یہ رونا عشق و محبت کے آثار میں سے نہیں بلکہ دیگر اسباب کی بنا پر ہے تو پھر تم اپنی آنکھوں اور دل پر اختیار کیوں نہیں رکھتے، کیونکہ تم آہ و فغاں ترک کرنے کا ارادہ کرتے ہو تو آنکھیں آنسو بہاتی ہیں اور جب تم غم سے دل کو نجات کی سوچتے ہو تو یہ مزید حیران و سرگرداں ہوتا ہے۔ اس قسم کی گریہ زاری سوائے محبت کے اور کسی وجہ سے نہیں ہوسکتی اور اس قسم کی وارفتگی سوائے (محبوب کے) بُعد یا قرب کے نہیں ہوتی۔

پھر شاعر نے صیغۂ خطاب سے صیغۂ غائب کی طرف توجہ کرتے ہوئے کہا:

(۴) اَیَحْسَبُ الصَّبُّ اَنَّ الْحُبَّ مُنْکَتِمٌ
مَّا بَیْنَ مُنْسَجِمٍ مِّنْہُ وَمُضْطَرِمِ

اے تو پنداری کہ عشق عاشقاں پنہاں شود
باوجودِ آتشِ دل سوز و آب و چشمِ نم

ہے عبث تیرا گماں چھپتا نہیں ہے رازِ عشق
اس کو افشا کر رہے ہیں سوزِ دل اور چشمِ نم

ترجمہ: کیا عاشق خیال کرتا ہے کہ محبت چھپنے والی شے ہے۔
درمیان جوش سے بہنے والے (آنسو) اور زور سے آتشِ عشق میں سلگنے
والے (دل) کے۔

لفظی تشریح

شعر ہمزہ استفہام برائے تعجب یا انکار یا توبیخ کے ساتھ شروع کیا گیا ہے مفہوم یہ ہے کہ یوں گمان کرنا مناسب نہیں ہے۔ یَحْسَبُ سین پر زبر اور زیر دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ الصب: عاشق۔ اصل میں اس کا معنی انڈیلنا ہے۔ عاشق کے معنی پر اس کا اطلاق اس لیے غالب ہے کہ وہ بھی زیادہ تر آہ و فغاں اور اکثر خون کے آنسو روتا ہے۔ ما زائدہ ہے۔ بین۔ یہ منکتم کی ظرف ہے۔ اَلْاِنْسِجَام: پانی کا شدت کے ساتھ بہنا۔ اَلْاِضْطِرَام[1]: پوری قوت کے ساتھ (محبوب کے خیالات میں) مشغول ہونا۔ اس کی لفظی صورت یوں ہوگی۔ بین دمع منسجم و قلب مضطرم۔

منہ میں ضمیر الصب کی طرف راجع ہے۔ اس کو بالاشباع پڑھیں گے مضطرم کے بعد بھی منہ ہونا چاہیئے تھا، لیکن وہ حذف کیا گیا، کیونکہ پہلا منہ دوسرے (محذوف) پر دلالت کر رہا ہے۔

معنوی تشریح

محب کو یہ گمان کرنا نامناسب ہے کہ اس کی محبت لوگوں سے مخفی رہے گی جب کہ

---

[1]: اس کا معنی آگ کا شعلہ مار کر جلنا بھی ہے۔ اس میں اسی معنی کی رعایت کرتے ہوئے شعر کا ترجمہ کیا ہے۔

وہ دل کی بے قراری اور آنکھوں کی اشکباری سے خوب ظاہر ہو رہی ہے ۔ بے شک یہ دونوں (آنکھ اور دل) محب کی محبت پر گواہ ہیں اور اس بات کے بھی مخبر ہیں کہ یہ جزع فزع کب سے ہے پس محبت کے اخفاء کا گمان ان دونوں نے باطل کر دیا شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے : وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ . پھر شاعر نے اس کے محب ہونے پر استدلال کیا اور مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

(۵) لَوْلَا الْهَوٰى لَمْ تُرِقْ دَمْعًا عَلٰى طَلَلٍ
وَلَا اَرِقْتَ لِذِكْرِ الْبَانِ وَالْعَلَمِ

گر نہ بودے عشق اشکت بر طلل کے ریختی
کے بدے بے خواب چشمت از غمِ بان و علم

یوں نہ ویرانوں پہ رُوتا گر نہ ہوتا سوزِ عشق
مضطرب کرتے نہ تجھ کو قصۂ بان و علم

ترجمہ: "اگر محبت نہ ہوتی تو تم ٹیلوں پر آنسو نہ بہاتے ۔
اور نہ ہی بان کے درخت اور علم کے پہاڑ کو یاد کر کے راتوں کو جاگتے ۔"

لفظی تشریح

اَلْهَوٰى ، هَوِيَ کا مصدر ہے ۔ محبت کرنا ۔ الاراقۃ : بہانا ، انڈیلنا ۔ الطلل ، کچی اینٹوں اور پتھروں وغیرہ کے مٹے ہوئے نشان جہاں پہلے گھر بنایا گیا ہو ۔ اَرِقَ : رات کو جاگنا ، شب بیداری کرنا ۔ البان : ایک قسم کا درخت ہے ۔ قد و قامت کی طوالت ڈیل ڈول کی

خوشنمائی اور پاکیزہ خوشبو کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔

العلم اس سے مقصود یا تو علامت ہے یا پہاڑ۔ اس پر (اَلْ) الف لام یا جنس کا ہے یا عہد کا۔ الف لام عہدی ہو تو مطلب ہو گا: وہ علامات یا پہاڑ جو ان کی منازل کے پاس تھے۔

اسی طرح عَلیٰ طَلَلٍ میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے (تقدیر یہ ہے) علی طللھم اور ظاہر یہی ہے کہ مضاف کے مقدر ماننے کی وجہ تنوین ہو یعنی عَلیٰ تَذَکُّرِ طَلَلٍ اگر یہ صورت نہ مانیں تو پھر منزلِ محبوب تک رسائی اور مطلوب کے نشان پر آگاہی کا کوئی راستہ نہیں۔

کلمہ "لا" یا تو نفی پر عطف کرنے کے لیے زائد کیا گیا ہے۔ اس صورت میں تاویل یہ ہوگی۔ لم ترق ولا ارقت۔ کیونکہ حرف لَمْ ماضی پر داخل نہیں ہوتا۔ اور 'یا' نافیہ استعمال کیا گیا ہے، باوجود اس کے کہ "لا" ماضی پر بغیر تکرار کے داخل نہیں ہوتا۔ تاویل گزر گئی ہے۔

معنوی تشریح

قرب کی رسائی کے بغیر حصولِ محبت پر استدلال کیا جا رہا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اگر محبت کا بادشاہ تیرے مدینۂ قلب پر حکمران نہ ہوتا کہ اس کی خواہش پر تیرا معاملہ موقوف ہے (جو کچھ تیرا دل کہتا ہے وہی تو کرتا ہے) تو پھر تم کسی خبر کو سن کر یا کسی نشان کو دیکھ کر آنسو نہ بہاتے اور نہ ہی کسی پہاڑ یا درخت کی یاد میں رات بیداری میں گذار دیتے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ تمھارا آنسو بحرِ محبت کا قطرہ ہے اور تمھاری شب بیداری، آتش عشق (کی سوزش) ہی ہے۔ اس میں اس شعر کی طرف اشارہ ہے ؎

وما حب الدیار شغفن قلبی
ولکن حب من سکن الدیار

(شہروں کی محبت نے میرے دل کو مشغول نہیں کیا بلکہ ان لوگوں کی محبت نے (مشغول کیا ہے) جو ان شہروں میں رہتے ہیں۔

محبت ظاہر ہونے کے بعد بھی عاشق کے انکار سے شاعر متعجب ہوئے اور فرمایا:

(۶) فَكَيْفَ تُنْكِرُ حُبًّا بَعْدَ مَا شَهِدَتْ
بِهِ عَلَيْكَ عُدُولُ الدَّمْعِ وَالسَّقَمِ

جمع عادل بمعنی عادل

چوں کنی انکار عشقش چوں گواہی میدہند
بر تو اشکِ چشم دیگر زردیِ رُوئے سقم

عشق سے انکار کرنا تیرا ممکن ہی نہیں،
ہیں گواہِ معتبر صورت تری اور چشمِ نم

ترجمہ: تم محبت کا انکار کیسے کرتے ہو بعد اس کے کہ تیرے خلاف آنسو اور بیماری عشق نے گواہی دیدی ہے۔

لفظی تشریح: استفہام انکاری توبیخ کے لیے یا استبعاد (کسی بات کو محال سمجھنا) اور تعجب کے لیے ہے۔ فاء فصیحۃ (تفسیر) کی ہے۔ شرطِ محذوف کے جواب میں واقع ہوئی۔ وہ اس طرح ہے جب دلائل مطلوب پر دلالت کر رہے ہیں جو کہ محبوب کی محبت ہے تو پھر انکار ہے؟

حبًّا پر تنوین تعظیم کے لیے ہے۔ ما مصدریہ ہے۔ بہ میں ضمیر محبت کی طرف راجع ہے آنسو اور بیماری کو عدول کہنا۔ ایسا ہی جیسے اللہ تعالے کا فرمان فقد صغت قلوبکما

کہا گیا ہے کہ عدول سے مُراد دونوں آنکھوں کے آنسو بمعہ بیماری اور مختلف قسم کے آنسو اور بیماری کی قسمیں مراد ہیں۔ یہاں پر اضافت بیانیہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ ایسے آنسو اور بیماری جو محبت اور درد سے پیدا ہوتے ہیں۔

(٧) وَأَثْبَتَ الْوَجْدُ خَطَّيْ عَبْرَةٍ وَّضَنًى
مِّثْلَ الْبَهَارِ عَلٰى خَدَّيْكَ وَالْعَنَمِ

عشق ثابت کرد بر رو خطّ اشک و لاغری
چوں بہار روئے یار و سرخی شاخِ عنم

خطِ اشک اور لاغری نے عشق ثابت کر دیا
زرد رخساروں پہ گویا سرخیِ شاخِ عنم

ترجمہ: غم نے کمزوری اور آنسو کے دو خط (نشان) تیرے دونوں رخساروں پر مثل بہار اور عنم کے نقش کر دیتے ہیں۔

لفظی تشریح

اثبت کا عطف شہدت پر ہے۔ الوجد: محبت کے سبب غم اور دار الحکم کے کاتب کے معنوں میں بھی مستعمل ہے۔ الضنا کمزوری ضعف۔ عام طور پر چہرے کی زردی کے ساتھ لازم ہے۔ البھار: با پر زبر کے ساتھ۔ زرد گلاب کے پھول کی ایک قسم ہے۔ العنم: ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں سرخ اور نرم و نازک ہوتی ہیں انگلیوں کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے۔ ضنا یہ دُحیٰ کے وزن پر ہے۔ اس کا عطف

عَبْرَۃ پر ہے جو کہ فطوۃ کے وزن پر ہے۔

یعنی تیرے دونوں رخسار جو کہ بمنزلہ دو پتوں کے ہیں ان پر غم نے ایک نشان مثل عنم کے خون آلود آنسو کا اور ایک نشان مثل زرد گلاب کے پھول کے کمزوری کا گاڑ دیا۔ اس شعر میں نشر مشوش ہے (مرتب نہیں ہے یعنی عبرہ کا تعلق عنم سے اور ضنا کا تعلق بہار سے ہے۔)

کہا گیا ہے کہ خطین سے مراد دونوں رخساروں پر دونوں آنکھوں کے آنسو ہیں اور "ضنا" کا عطف خطی پر ہے۔ اور مثل البہار والعنم خطی کی صفت ہے لیکن اس صورت میں صفت اور موصوف کے درمیان اجنبی کے ذریعے سے فاصلہ ہو جاتا ہے جو کہ ضنا ہے۔ اولیٰ یہ ہے کہ ضنا کا خطی پر عطف کیا جائے اور مثل البہار والعنم کو معطوف معطوف علیہ کے مجموعہ کی صفت بنا دیا جائے۔

معنوی تشریح

دونوں شعروں کا معنی یہ ہے کہ تم ایسے دو عادل گواہوں کی گواہی کے بعد جن کے متعلق تم جرح کرنے پر قادر نہیں ہو اور ایسے قاضی کے فیصلے کے بعد جس کا حکم گواہوں کی موجودگی کے سبب توڑا نہیں جا سکتا، کیسے محبت کا انکار کر سکتے ہو۔ اور (دکھ اور غم کے قاضی نے دونوں رخساروں کی زردی پر منشورِ محبت دو سُرخ رنگ کے خطوط سے تحریر کر دیا یا ظہور اثر کے سبب قضیہ محبت کی دستاویز تیرے رخسار کے دونوں اوراق پر سُرخ اور زرد رنگ کے خط میں رقم کر دی۔ پس جو کوئی تمھیں دیکھتا ہے۔ تیرے چہرے سے نمودار ہونے والی محبت کی نشانی پڑھتا ہے اور تیرے رخسار پر واضح علامت کا مطالعہ کرتا ہے۔ پس رنگت کے انحراف سے انکار بالکل کوئی فائدہ نہیں دیتا۔

علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے سرخی اور زردی کو چہرے کی طرف منسوب کیا۔ اس لیے کہ وہ ہی، حیرانگی، بیقراری اور شب بیداری کے سبب دل کے حالات عارض ہونے کا سبب قریب ہے اور مرض محبت، آنسوؤں کی روانی و انقطاع، چہرے کی سرخی اور زردی بلا اختیار ہے۔

اول اور بالذات محبت غم کا سبب ہے۔ اس کے بعد ثانیاً بالعرض ان احوال کا سبب ہے جو محبت کے بعد لازم ہوتے ہیں۔ اور جب بیماری کا معاملہ چہرے کو زرد کرنے پر اور آنسوؤں کا معاملہ سرخی کے ساتھ رنگنے پر ختم ہوا، تو علامہ نے ان کو عدالت سے موصوف کیا، کیونکہ ان کو باطل کرنا یا متہم کرنا کسی کی مجال نہیں ہے۔ پس ضرور ہے کہ ظاہر اور باطن عشق اور محبت سے متاثر ہوئے ہیں اور محب نے اپنی ذات کو محبت میں فنا کر دیا۔ اللہ تعالےٰ رازوں کو خوب جانتا ہے۔

جب مخاطب کا محب ہونا ظاہر ہو گیا۔ اور حقیقتاً وہی متکلم تھا تو وہ غائب سے متکلم کی طرف لوٹ آیا اور محبت کا اعتراف کر کے کہا:

(۸) نَعَمْ سَرٰى طَيْفُ مَنْ اَهْوٰى فَاَرَّقَنِىْ
وَالْحُبُّ يَعْتَرِضُ اللَّذَّاتِ بِالْاَلَمِ

چوں خیالِ دلبرم آمد مرا بے خواب کرد
عشق آرد درمیانِ خرمی رنج و الم

ہاں خیالِ یار نے مجھ کو جگایا رات بھر
لذتوں کو کر دیا ہے عشق نے رنج و الم

ترجمہ: جی ہاں، مجھے اپنے محبوب کا خواب آیا جس نے میری نیند کو اچاٹ کر دیا محبت دکھ اور درد دے کر آرام کو زائل کر دیتی ہے۔

معنوی تشریح

یہ اس امر کی تصدیق ہے جو حالات کے قرائن، گواہی کے ثبوت اور قاضی کی محبت کے بارے میں فیصلے سے استدلال کے ساتھ ثابت کیا گیا تھا یعنی تو نے میرے خلاف محبت کا دعویٰ کیا۔ اور اس کو صحیح ثابت کیا۔ اس دعویٰ کے درست ہونے کو کمال حاصل ہے۔ بے شک میرے محبوب کے خیال نے مجھے رات کو بیدار رکھا۔ اور میرے مطلوب کے فراق نے مجھے سخت تکلیف دی یعنی مجھے رات کو جگا دیا۔ حالانکہ میں اس کے حال سے غافل ہو کر نیند کی لذت سے لطف اندوز ہو رہا تھا محبت اپنے محبوب کے دکھ کے سبب لذات سے منع کرتی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ محبت محبوب اور لذات دونوں کے درمیان خلل انداز ہوتی ہے۔

والحب یعترض.... الخ یہ جملہ حالیہ ہے یا جملہ معترضہ، لذت پسندیدہ چیز کے حصول کو کہتے ہیں۔ اور الم اس کا الٹ ہے۔ محبتِ مولا کے طریقہ میں مناسب یہ ہے کہ لذت کی تفسیر محبوب کے خیال کے ساتھ کی جاتے۔ اور الم کی تفسیر یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو محبوب کے ماسوا محب کے دل میں کھٹکے۔ پس معنی یہ ہوتے کہ مجھے لیلۃ القدر میں وصال کا خیال آیا۔ اور مجھے غفلت کی نیند سے بیدار کر دیا۔ مجھے ارباب کمال کی طرح اپنے ذکر اور فکر میں مشغول کر دیا۔ ظاہری لذتیں، باطنی درد و آلام میں تبدیل ہوئیں۔ اور محبت میں دکھ درد معنوی لحاظ سے لذتیں ہیں پس ان کے لیے کتنی سعادت کا مقام ہے۔

پھر شاعر نے زبانِ حال سے ملامت کرنے والے کو مخصوص ندا کے ساتھ پکارا اور

مخاطب کرتے ہوئے کہا:

۹ يَالَائِمِي فِي الْهَوَى الْعُذْرِيِّ مَعْذِرَةً
مِنِّي إِلَيْكَ وَلَوْ أَنْصَفْتَ لَمْ تَلُمِ

اے کہ در عشقم ملامت میکنی معذور دار
گر ترا انصاف باشد عذر آری از کرم

ناصحا تو عشق میں کر معذرت میری قبول
ہے اگر انصاف تجھ میں کر نہ مجھ پر یہ ستم

ترجمہ: بنی عذرا کی طرح محبت کرنے پر اے مجھے ملامت کرنے والے! میری طرف سے معذرت قبول کر۔ اور اگر تو انصاف کرتا تو مجھے ملامت نہ کرتا۔

لفظی تشریح

العذری: عین کلمہ پر پیش کے ساتھ۔ بنی عذرہ قبیلہ کی طرف منسوب ہے جو عرب کے علاقہ یمن میں آباد ہے جب وہ لوگ عشق کرتے، تو عشق میں مر جاتے، کیونکہ ان کی عورتیں خوب صورت پاکباز اور حیادار ہوتیں تھیں۔ اور ان کے نوجوان محبت میں جلدی گرفتار ہونے والے کم صبر والے اور زیادہ حیا والے ہوتے تھے۔

اور کہا گیا ہے کہ ھوی العذری سے مراد وہ حد سے بڑھنے والا ہے۔ جو ہر ایک کے نزدیک مقبول العذر ہو۔

معذرةً: اَقْبِلْ فعل مقدر کا مفعول بہ یا اَعْتَذِرُ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے۔ اور

مِنّی مُعْذِرَۃً کے متعلق ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ کسی محذوف کے متعلق ہے۔ الیك یہ حال واقع ہو رہا ہے۔ یا دونوں (معذرۃ و- الیك) حال واقع ہو رہے ہیں یعنی اس حال میں کہ معذرت میری طرف سے صادر ہو رہی ہے۔ جو کہ تیری طرف متوجہ ہے یا تیری طرف پہنچائی گئی ہے۔

معنوی تشریح

معنی یہ ہے کہ میں تیری خدمت میں عذر پیش کرتا ہوں، کیونکہ میں مذکورہ محبت میں مبتلا ہوں۔ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اور اگر تو انصاف کرے تو محبت کے بارے میں مجھے ملامت نہ کرے۔ اور ملامت کو ترک کر دے، کیونکہ تو جانتا ہے کہ یہ چیز اختیاری نہیں بلکہ عشق اضطراری ہوتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ معذرۃ سے مَحَضْتَنِیْ النُّصْحَ الخ کی طرف اشارہ ہے۔ اور والحب یعترض اللذات بالالم بھی ہو سکتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے۔ اے مجھے ملامت کرنے والے! اس حال میں کہ حد سے زیادہ مخمور محبت میری معذرت ہے۔ لہٰذا تو مجھے ملامت کر کے مجھ پر ظلم نہ کر بے شک محبت نے میرا گوشت پگھلا دیا ہے۔ میرا خون بہا دیا ہے۔ اور میری آنکھوں سے آنسو زائل کر دیے ہیں۔ میرے چہرے کی رنگت کو زرد رنگ میں رنگ دیا ہے۔ میرے قرار کو لوٹ لیا ہے۔ میرے اختیار کو میری الفت نے چھین لیا ہے۔ ملامت تو اس وقت مناسب معلوم ہوتی ہے جب کوئی کام اپنے اختیار سے کوئی آدمی کرے لیکن جب ایک کام جبلّی اور فطری طور پر ہو تو اس میں کوئی عیب نہیں۔

پس معذرت کا حال یہ ہے کہ میری محبت میرا دشمن ہے اور عذری کی محبت میرا عذر ہے۔

مولانا عصام الدین نے کہا ہے کہ لفظ عدتہ عذری کی نسبت سے تیز ہے اور عنی الیک کے متعلق ہے۔ یہ اسم فعل بمعنی ابعد ہے۔

(۱۰) عَدَتْكَ حَالِيَ لَا سِرِّي بِمُسْتَتِرٍ
عَنِ الْوُشَاةِ وَلَا دَائِي بِمُنْحَسِمِ

حالِ من وز تو گزشتہ سرِ من از دشمناں
نیست پنہاں دَردِ من زائل نہ گشتہ از دلم

اب تو واقف ہو چکے اغیار بھی تیرے سوا
دَرد میرا ہو نہیں سکتا کسی صورت سے کم

ترجمہ: میرا حال تجھ تک پہنچ گیا، میرا کوئی راز چغلخوروں سے پوشیدہ ہے اور نہ ہی میری کوئی بیماری ختم ہونے والی ہے۔

لفظی تشریح

عَدٰی عَنْہُ تجاوز کرنے کو کہتے ہیں۔ سَرٰی اِلَیْہِ سَرَایَۃً ہر تقدیر پر یہاں ایک محذوف حرف جر کا ہونا ضروری ہے۔ اور مشہور یہ ہے کہ الی حرف جار مقدر کیا جائے۔ تاکہ اس پر بددعا بن جائے۔ اس حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے کہ جو آدمی اپنے بھائی کو کسی گناہ پر عار دلاتا ہے۔ تو وہ اس وقت تک نہیں مرتا۔ جب تک کہ اللہ تعالٰے اسے گناہ میں مبتلا نہ کر دے۔

اَلْوُشَاۃُ: وَاشٍ کی جمع ہے یعنی وہ جھوٹے جو میرے اور میرے محبوب کے

درمیان فساد ڈالنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔

اَلْاِنسِجَامُ : انقطاع کو کہتے ہیں۔

معنوی تشریح

چاہیئے کہ تیرا حال میرے حال جیسا ہوجائے۔ تاکہ تو بھی میرا وبال اور میرے قلب وجگر کی سوزش کو چکھے۔ وہ یہ کہ میرا راز چغل خوروں اور ملامت کرنے والوں سے مخفی نہیں :: تاکہ میں دشمنوں کے طعنے اور ملامت سے خلاصی حاصل کروں' اور میرا مرض وصال کے ساتھ بھی ختم ہونے والا نہیں کہ میں سلامتی کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاؤں۔ کہا گیا ہے کہ اس کا معنی یوں ہے کہ میرا مال تجھ سے تجاوز کرکے چغل خوروں تک پہنچا اور ممارضین پر میرا راز فاش ہوگیا، دوستوں اور دشمنوں تک پھیل گیا۔ یہ بیماری ختم نہیں ہوتی۔ جب کہ دوستوں کے پاس اس کا کوئی علاج بھی نہیں۔ جب تو نے اس مقام پر میرا حال جان لیا۔ تو انصاف کر اور ملامت کو چھوڑ دے۔

ممکن ہے کہ یہاں پر عَنْ کو مقدر کیا جائے جو اسکے حال میں مبتلا نہ کرنے کی اس کے لیے دعا ہے۔ اور مرتبہ کمال تک پہنچنے سے محرومی کی اس کے لیے بد دُعا ہے۔

دونوں جگہ پر حرف (لَا) نفی جنس کے لیے ہے۔ یہاں پر (لَا) نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جمہور علماء کے نزدیک لا کا معرفہ پر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔

شاعر نے جب ملامت کرنے والے کی ملامت میں مبالغے کو دیکھا اور ظاہر ہوگیا کہ اس کا زخمی' سلامتی میں منحصر ہے اور اس نے اُس پر ظلم کرنے میں مبالغہ اور اعتزار اس بات کا ہے جو اس کی عدم موجودگی میں اس پر الزام دھرایا جارہا ہے۔

پھر جب اُس نے یقین کر لیا کہ اس کا عذر نفع مند نہیں ہے اور اس کی تدلیس فائدہ مند نہیں ہے تو اس نے انصاف کیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ قصور بہر حال میں اس کی اپنی جانب سے ہے تو شاعر نے اس مقام پر کہا۔

(۱۱) مَحَضْتَنِی النُّصْحَ لٰکِنْ لَّسْتُ اَسْمَعُہٗ
اِنَّ الْمُحِبَّ عَنِ الْعُذَّالِ فِیْ صَمَمِ

تو نصیحت میکنی نیکو و من می نشنوم
عاشقاں باشند دایم از ملامت در صمم

تھی نصیحت خوب لیکن اس کو سنتا کس طرح
ناصحا عاشق کے حق میں ہے، سماعت کالعدم

ترجمہ: اس نے تو مجھے خلوصِ دل سے نصیحت کی تھی لیکن میں نے اسکی نصیحت نہیں سنی (اور نہ ہی سُنوں گا) بے شک محبت کرنے والا ملامت گروں سے بہرہ ہوتا ہے۔

لفظی تشریح:۔

النّصیحتْ : دوسرے کے لیے بھلائی کا ارادہ کرنا۔

المحض :۔ خلوص اور صفائی قلب : یہاں پر اس سے عدمِ سماع مراد ہے۔

الصَمَم :۔ بہرہ پن :۔ یہاں اس سے مراد عدم توجہ اور عدم قبول ہے اور جواب نہ دینا۔

والعُذّال : جمع عاذل کی : ملامت کے ساتھ نصیحت کرنے والے۔

معنوی تشریح :

اے مخاطب ! تو نے اپنی نصیحت کو میرے لیے خالص کیا۔ اور

تو نے مجھے محبت کے سلسلہ میں ملامت کرنے میں اپنی نصیحت کو اغراض فاسدہ سے پاک و صاف کیا۔ یہ ملامت محبت کے اسباب کی وجہ سے تھی۔ جیسے ضروری باتوں کی طرف توجہ کرنا۔ ان پر آگاہی حاصل کرنا، ان کی خوبیوں کے متعلق سوچنا۔ اور اس محبت میں والہانہ طور پر شیدا ہونا، لیکن اے میرے مخاطب! (ان تمام چیزوں کے باوجود) میں تیری نصیحت کو قبول نہیں کروں گا، کیونکہ میں عشق کا قیدی ہوں اور تو عقل کا امین ہے۔ اور عقل کا حکم عشق کی سلطنت میں جاری نہیں ہو سکتا۔ عقل تعمیر کرتی ہے۔ اور عشق ان تعمیرات کو منہدم کرتا ہے۔ عقل تجارت میں کام آتی ہے اور عشق جنگل میں لے جاتا ہے۔

اس شعر میں ایک حدیث صحیح کی طرف تلمیح ہے۔ جو حضور نے ارشاد فرمایا: حُبُّكَ الشَّیْئَ یُعْمِیْ وَیُصِمُّ کسی شئ کی محبت انسان کو اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد اور بخاری نے اپنی تاریخ میں روایت کیا ہے۔

ملامت کرنے والوں کی بات کو نہ سننا ایک ایسی حالت ہے۔ جو تمام محبت کرنے والوں کو عام ہے۔ یہ عام حالت ذکر کرنے کے بعد شاعر نے اپنی رسوا کن حالت میں نصیحت قبول نہ کرنے کا ذکر کیا جو اس کے ساتھ ہی خاص ہے۔

(۱۲) اِنِّیْ اتَّھَمْتُ نَصِیْحَ الشَّیْبِ فِیْ عَذَلٍ
وَالشَّیْبُ اَبْعَدُ فِیْ نُصْحٍ عَنِ التُّھَمِ

شیب پندم داد و من بردم گمان بد برو
گرچہ شیب اندر نصیحت دور باشد از تہم

تھی ضعیفی کی نصیحت پھر بھی دل بدظن ہوا
گو نصیحت میں ضعیفی ہے بہت دور از تہم

ترجمہ: میں نے اپنی ملامت کے سلسلے میں بڑھاپے کی نصیحت پر تہمت لگائی۔ حالانکہ بڑھاپا نصیحت کرنے میں تہمت سے کہیں دور ہے۔

لفظی تشریح

نصیح بمعنی ناصح ہے۔ اور یہاں پر اضافت بیانیہ ہے۔ العذل بفتح ذال ہو تو اسم مصدر ہے۔ اور العذل بالسکون ہو تو مصدر ہے۔ عصام نے کہا ہے کہ دونوں صورتوں میں مصدر ہے۔ والشیب الخ جملہ اتھمت کے مفعول کا حال واقع ہو رہا ہے جو کہ الشیب ہے۔

معنوی تشریح

نصیحۃ الشیب سے شاعر کی مراد یہاں پر یہ ہے کہ وہ (بڑھاپا) بزبان حال بوڑھے سے کہہ رہا ہے کہ وہ (بوڑھا) (دنیا سے) کوچ کرنے کے قریب ہے۔ اب بدکاریوں سے منتقلی اور توبہ کا وقت آگیا ہے۔ عشق مجازی کو چھوڑنا ضروری ہوگیا اور عشق حقیقی کو اپنانا لازم ہوا۔ اور حالات کی عدم اصلاح اور تضیع اوقات میں جو نقصان ہوا اس کا تدارک کرے۔

اسی وجہ سے ابو یزید بسطامی قدس سرہ العزیز نے جب آئینہ دیکھا اور اس میں غور کیا تو چہرہ انور پر داڑھی شریف میں سفیدی نظر آئی۔ فرمایا: بڑھاپا ظاہر ہوگیا وہ کوئی عیب نہیں لے گیا (گناہ ختم نہیں ہوئے) اور میں نہیں جانتا کہ آئندہ کیا ہوگا۔

جب عاشق کا یہ حال ہے کہ وہ بڑھاپے کی نصیحت بھی قبول نہیں کرتا جو کہ عیب اور تہمت سے سراسر خالی ہے تو ملامت کرنے والوں کی بات کو بلا حیل وحجت بدرجہ اولیٰ

قبول نہیں کرے کا منیزہ کہا گیا ہے کہ اتہام شیب سے اس کا وقت سے قبل آنے پر محمول ہے تاکہ بڑھاپے کے زمانے میں جو ضروری چیزیں ہیں ان کو مستبعد نہ گردانے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اوباش لوگ محنتی لوگوں کی بہ نسبت جلدی بوڑھے ہونے والے ہیں۔ عربوں کا محاورہ ہے: الشیب نور الھموم۔

اس شعر کا معنی یہ ہے کہ میں نے لیسے ناصح پر تہمت لگائی جو ہر تہمت سے بری اور ہر ناصح سے سچا ہے اور وہ بڑھاپا ہے۔ وہ دل کے ٹوٹنے اور جسم کے گرنے (موت) پر دلیل ہے پس سعادت مند وہ ہے جو اس کے وعظ سے نصیحت حاصل کرے۔

کہا گیا ہے کہ ایک آدمی نے اپنے سر میں بڑھاپے کو دیکھا تو اس نے اپنی عورتوں کو اکٹھا کیا۔ کہا: اے میرے گھر والیو! میرا بعض حصہ مرگیا۔ اور یہ شعر کہا:

إذا ما مات بعضك فانك بعض

فبعض الشی من شيء قريب

ترجمہ: جب تیرا بعض حصہ مرگیا تو اب تو بعض ہے کسی چیز کا بعض کسی شئے (موت) کے قریب ہے۔

پھر شاعر نے بڑھاپا وقوع پذیر ہونے کے بعد اس کی تہمت کو علت بناتے ہوئے کہا:

(۱۳) فَاِنَّ اَمَّارَتِیْ بِالسُّوْءِ مَا اتَّعَظَتْ

مِنْ جَهْلِهَا بِنَذِيْرِ الشَّيْبِ وَالْهَرَمِ

نفس فرماں دہ بہ بدہا میکند نیم خراب

وز جہالت پند نہ پذیرد ز پیری و ہرم

نفسِ امارہ نے نادانی سے کچھ پروا نہ کی
یوں تو پیری کی نصیحت تھی نہایت محترم

ترجمہ: بے شک مجھے برائی کی طرف حکم دینے والے (نفس امارہ) نے اپنی جہالت کے سبب پیری اور معمری کے ڈرانے سے کوئی نصیحت حاصل نہ کی۔

لفظی اور معنوی تشریح

فا اس جگہ اِتَّهَمْتُ پر عطف کے لیے شیب کو فائدہ دے رہی ہے یعنی جب میں نے بڑھاپے جیسے ناصح پر تہمت لگائی تو یہ بات جہالت اور ڈرانے والے کی نصیحت سے عبرت حاصل نہ کرنے کا سبب بنی۔ حالانکہ موت کے پہنچنے کی خبر دینے والا ہے! اور وہ مکمل پیری اور معمری ہے۔ یہاں نذیر بمعنی مُنذر ہے۔

یہاں اضافت، صفت کو موصوف کی طرف مضاف کرنے کی قسم میں سے ہے۔

الھرم: بڑھاپے کی انتہا۔ المنذ ر موت کی قربت سے خوفزدہ کرنے والا جو تمام طاعات اور توبہ کو فوت کرنے والی ہے۔ و من جھل: یہ عدم اِتّعاظ کی علت ہے۔ کہا گیا ہے کہ نذیر بمعنی انذار جو اتعاظ یا جہل سے متعلق ہے۔

جاننا چاہیئے کہ نفس یعنی قوت حیوانیہ جو کہ قوتِ مدرکہ اور قوتِ محرکہ پر مشتمل ہے جب وہ قوتِ عاقلہ کی مطیع نہ ہو تو وہ بمنزلہ چوپائے کے ہے جو کہ قوت عاقلہ کی خواہش اور غضب کے مطابق نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی قوتِ عاقلہ اس سے خدمت لے سکے، تو ایسی صورتِ حال میں وہ قوت نفسِ امارہ ہوگی اور قوت عاقلہ اضطراری طور پر چار و ناچار تابع فرمان ہوتی ہے۔

ہاں! جب قوت عاقلہ اس کو اپنا تابع بنا لے اور اس کو ان مختلف اسباب سے

روکے تو اگر وہ اس کی خدمت میں کمربستہ ہو جاتے۔ اس کی اطاعت پر اس طرح کوشش سے عمل کرے کہ اس کے ہر حکم کی تعمیل کرے۔ اس کے روکنے سے باز رہے تو اس وقت عاقلہ نفس مطمئنہ ہوگی۔

اگر قوتِ حیوانیہ کبھی تو عاقلہ کی اطاعت کرے اور کبھی نافرمانی، تو جب وہ نافرمانی کرے تو وہ اس کی خواہش کی اتباع کرتی ہے۔ پھر نادم ہوتی ہے تو اپنے آپ کو ملامت کرتی ہے۔ وہ نفس لوّامہ ہوگا۔ قصہ مختصر یہ کہ امارہ نافرمانی کرنے والے کو، مطمئنہ تابع فرمان کو اور لوامہ ملے جلے خیالات کا ارادہ رکھنے والے نفس کو کہیں گے۔

پھر اس شعر کو سابقہ شعر ما اتعظت پر عطف کیا۔

(۱۴) وَلَا اَعَدَّتْ مِنَ الْفِعْلِ الْجَمِيْلِ قِرٰى
ضَيْفٍ اَلَمَّ بِرَأْسِىْ غَيْرَ مُحْتَشِمِ

ہم نہ کرد او کار نیکو بہر مہمانی او
بر سرم آمد فرود از من نگشتہ محتشم

نیکیوں سے میں نے اس مہمان کی خاطر نہ کی
آن پہنچی جب ضعیفی سر پہ میرے ایک دم

ترجمہ: اور نفس نے اس غیر محتشم مہمان کی میزبانی کے طور پر کسی اہتمام خاص کی تیاری نہیں جو میرے سر پہ اترا ہے۔ (یعنی بڑھاپا)

لفظی تشریح: فعل جمیل ہر وہ فعل ہے جس کو شرع یا طبع مستحسن گردانے۔

قِـریٰ ۔ زیر سے میزبانی۔ یہاں اس سے مراد توبہ اور دیگر نیک اعمال ہیں۔ اَلْاِلْمَامُ اترنا ۔ الاِحتشام ۔ بہ سبب احترام کے شرمانا۔ نفی احتشام کی قید بزرگوں کے نزدیک قرأت کی آسانی پیدا کرنے کے لیے ہے۔ سر کی تخصیص اس لیے کی کہ وہی پہلا مقام ہے جہاں بڑھاپا ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ بڑھاپا اس کے سر پر بحالت غفلت آیا ہے۔ کہا گیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ بڑھاپا نفس کے نزدیک غیر محتشم ہے، کیونکہ وہ اس کو ناپسند کرتا ہے۔ ولا اعدت برسبیل عطف الخاص علی العام اتعظت پر عطف ہے، کیونکہ اتعاظ زواجر سے اجتناب اور اوامر پر عمل کرنے سے ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اتعاظ سے اجتناب اور اعداد سے خوبیوں کو اپنانا مراد ہو۔

معنوی تشریح

پہلے شعر سے اپنے نفس کی طرف اشارہ ہے کہ وہ قوت عاقلہ کے منع کرنے کے باوجود (برائیوں سے) باز نہیں آیا۔ دوسرے شعر سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نفس نے قوتِ کاملہ (عاقلہ) کے حکم کی تعمیل نہیں کی جس سے ظاہر ہو گیا کہ وہ (نفس) نافرمانی میں حد کو پہنچ گیا اور سرکشی کا حکم کرنے میں بھی انتہا کر دی۔

غـیر ، اَلَـمَّ کی ضمیر سے بوجہ حال واقع ہونے کے منصوب ہے معنی یہ ہوا کہ نفس امارہ نے برائیوں سے اجتناب نہیں کیا اور طاعات پر عمل نہیں کیا، یہاں تک کہ اس نے معـزز مہمان کی مہمان نوازی نہیں کی۔ اس سے مراد وہ مختلف قسموں کے خیالات بھی ہو سکتے ہیں جو بغیر احتشام کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ مہمان کی عزت افزائی عقلاً و نقلاً ضروری ہے۔ بالخصوص جب بڑھاپا آجائے۔

اللہ تعالےٰ نے فرمایا: کیا تیرے پاس (حضرت) ابراہیم (علیہ السلام) کے

عزت والے مہمانوں کا قصہ نہیں پہنچا۔ اور حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو اللہ تعالےٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے (ضرور) چاہیئے کہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔ نیز فرمایا؛ بوڑھے مسلمان کی عزت کرنا۔ اللہ تعالےٰ کی عزت و تکریم میں داخل ہے۔

(۱۵) لَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ أَنِّيْ مَا أُوَقِّرُهُ
كَتَمْتُ سِرًّا بَدَا لِيْ مِنْهُ بِالْكَتَمِ

گر بدانستم کہ مہماں رانمیدارم عزیز
کردمی تغیر اسفیدی مویم از کتم

کاش ! میں پہچانتا توقیر اس مہمان کی
پس چھپا لیتا سفیدی سر کی از رنگِ کتم

ترجمہ ؛ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں اس کی توقیر نہیں کروں گا۔ تو جو راز اس کی وجہ سے نمودار ہوا ہے میں اس کو خضاب سے چھپا لیتا۔

لفظی تشریح

الکتم ایک نباتات ہے جسے وسمہ یا مہندی سے ملا کر خضاب لگایا جاتا ہے۔ السر اس سے مراد بڑھاپے کا غفلت سے ڈرانا اس کا موت کے قریب ہونے پر تنبیہ کرنا ہے۔

معنوی تشریح

مطلب یہ ہے کہ اس (بڑھاپے) کا ظہور میرے علاوہ کسی اور کے پاس ہوتا تو میں اس

کے رازوں اور بھیدوں کو خضاب سے چھپا لیتا جو کہ میرے سر اور کھوپڑی پر نمودار ہوتے ہیں۔ تاکہ میں رسوائی اور زبانِ حال کی نصیحت کے عدم سماع کی طرف منسوب نہ کیا جاتا، کیونکہ زبانِ حال باتوں سے زیادہ بلیغ ہوتی ہے۔

(۱۶) مَنْ لِّیْ بِرَدِّ جِمَاحٍ مِنْ غَوَایَتِہَا
كَمَا یُرَدُّ جِمَاحُ الْخَیْلِ بِاللُّجُمِ

نفسِ سرکش راز بے راہی کہ می آرد براہ
چوں لگامے اسپِ سرکش آورد از راہ ہم

کون ہے جو نفسِ سرکش کو مرے یوں پھیر دے
روکتے ہیں جیسے گھوڑوں کو لگاموں سے ہم

ترجمہ: کون ہے میرے لیے جو اس (نفس) کو سرکشی سے روکے۔ جس طرح کہ گھوڑے کی سرکشی کو لگام سے روکا جاتا ہے۔

لفظی تشریح

الجماح: جیم پر زیر۔ جموح کی جمع ہے۔ اخلاق ذمیمہ کو برے چوپایوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ الجماح مصدر ہے۔ الرد۔ نفس کو اس کی سرکشی سے دور کرنا۔ من غوایتھا جماح کی صفت ہے یعنی ایسی سرکشی جو اس کی گمراہی اور لاعلمی کی وجہ سے پیدا ہوتی۔ اس شعر میں استفہام برائے تضرع، استعانت بالغیر اور استعطاف برائے نفس خود ہے۔

معنوی تشریح

کون ہے جو مجھے مکار اور غدار نفسِ امارہ کے سبب واقع ہونے والے صفات اور بُرے اخلاق کے تبدیل ہونے اور احوالِ جمیلہ اور مقامات جلیلہ کی تحصیل کی ضمانت دے جیسا کہ غیر مہذب گھوڑوں کی ناپسندیدہ حرکات لگام سے تبدیل ہو جاتی ہیں۔ مواعظ حسنہ کو لگام سے تشبیہ دی گئی ہے۔ عصام الدّین نے فرمایا: نفس کو فرس سے تشبیہ دینا لسان شرع سے ماخوذ ہے۔ "نَفْسُكَ مَطِيَّتُكَ فَارْفُقْ بِهَا" تیرا نفس تیری سواری ہے، پس اس کے ساتھ نرمی اختیار کر۔ کہا گیا ہے (لگام سے) مقصود مرشد کامل ہے۔ جو عالم باعمل ہوتا ہے۔ پھر شاعر نے اپنے عیب کو محسوس کرتے ہوتے یوں کہا:

(۱۷) فَلَا تَرُمْ بِالْمَعَاصِيْ كَسْرَ شَهْوَتِهَا
اِنَّ الطَّعَامَ يُقَوِّيْ شَهْوَةَ النَّهِمِ

پس مجو بر فعلِ عصیاں کسر شہوتہائے نفس
زانکہ قوت میدہد شہوت طعام اندر شکم

نفس کی خواہش گناہوں سے نہیں ہوتی ہے دُور
جس طرح جُوع البقر میں پُر نہیں ہوتا شکم

ترجمہ: پس تو (نفس کی) خواہش توڑنے کے لیے معاصی (کے ارتکاب) کا قصد نہ کر۔ بے شک کھانا بسیار خوری کی خواہش اور پختہ کرتا ہے۔

لفظی تشریح: النھم۔ ہا پر زبر کے ساتھ۔ اور زیر کے ساتھ بھی ہے، کھانے

کی خواہش میں افراط بطور صفت واقع ہوا ہے۔

معنوی تشریح

جب تو گناہ سے خلاصی حاصل کرنے کے لیے سرکشی کو روکنے کا ارادہ کرے تو پھر مناہی کے ساتھ نفس کی خواہش کو توڑنا اور لہو ولعب کے سازو سامان کے ساتھ اس کی شہوت کو جڑ سے اکھیڑنے کی تدبیر نہ کر۔ یعنی یہ گمان نہ کر کہ جب تو اس کو اس کے مقاصد کے ساتھ پُر کر دے گا تو یہ مضرات سے باز آجائے گا۔ (ایسا ہرگز نہیں ہے) بے شک طلب مطلوبہ شئ کے پانے سے زیادہ ہوتی ہے اور طبیعت حسبِ مقتضا حاصل کر لینے سے قوت پکڑتی ہے۔ جیسے کوئی معدہ ناریہ یا جوع البقر میں مبتلا ہو۔ اس کی قوت مرضیہ چوپائیوں کی طرح کھانے سے بڑھتی ہے۔ مریض استسقاء کی پیاس مسلسل پانی پینے سے زیادہ ہوتی ہے۔ پس معاصی اس کی خواہش کو بڑھائیں گے۔ گھٹائیں گے نہیں بلکہ اس کو (مزید) خراب کریں گے۔ اس کی اصلاح نہیں کریں۔ روحانی طبیبوں کے درمیاں یہ بات مشہور ہے کہ نفس کا علاج تخلیہ اور تجلیہ سے ہوتا ہے۔ جیسا جسمانی طبیبوں کے ہاں یہ بات عام ہے کہ دوائی کا استعمال تقویت کے لیے ہوتا ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ نفس کے لیے سوائے پرہیز کے کوئی دوائی نہیں۔ مالوفات کی محبت میں اس کے لیے ابتلاء ہے اور شاعر کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے۔

(۱۸) وَالنَّفْسُ كَالطِّفْلِ اِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰى
حُبِّ الرَّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

نفس چوں طفل است گر شیرش دہی دائم خورد
ورنہ شیرش باز داری او نہ خواہد ہیچ دم

نفس کی ہیں عادتیں مانندِ طفلِ شیر خوار
دودھ پیتا جائے گا جب تک چھڑائیں گے نہ ہم

ترجمہ: نفس بچے کی مانند ہے۔ تو اگر اس کو مہلت دے تو یہ دودھ پینے کی عادت پر ہی جوان ہو جائے گا۔ اور اگر اس کا دودھ چھڑا دے تو خود بخود چھوڑ دے گا۔

لفظی تشریح

شب الصبی: بچہ جوانی کو پہنچ گیا۔ الرضاع: راء پر کسرہ اور فتحہ دونوں ہیں۔

معنوی تشریح

نفس، دودھ پیتے بچے کی مانند ہے، کیونکہ نفس مضرت رساں مرغوبات میں مصروف ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتے وقت اس کی طبع میں اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی، کیونکہ یہ دودھ پیتے بچے کی مانند ہے۔ بعینہٖ اسی طرح اگر تو بچے کو دودھ پینے کی عادت پر چھوڑ دے تو وہ مطابق طبیعت اسی عادت پر نشو و نما پائے گا۔ پھر وہ غیر ضروری حالات و اوقات میں بھی دودھ پینے پر بضد ہو گا۔ (جس سے) اس کا مزاج اخلاط ردّیہ سے اس وقت فاسد ہو جائے گا۔ اور اگر تو پھر بہ لطائف الحیل پستان سے نفرت دلانے اور محبت و شفقت سے کھانوں کی لذت سے مانوس کرنے سے اس کا دودھ چھڑا دے گا، تو وہ چھوڑ دے گا۔ اور بھلائی کی لڑی میں شامل ہو جائے گا۔

جس نے کہا، خوب کہا۔ (اس نفس (کو) اگر تو رغبت دلائے گا تو یہ رغبت کرنے والا ہے۔ اور اگر تو اس کو قلیل کی طرف لوٹائے گا تو (یہ اسی پہ) قانع ہو جائے گا۔

فرمایا:

(۱۹) فَاصْرِفْ هَوَاهَا وَحَاذِرْ اَنْ تُوَلِّيَهٗ
اِنَّ الْهَوٰى مَا تَوَلّٰى يُصْمِ اَوْ يَصِمِ

باز گیرش از ہوا بر خود ہوا حاکم مکن
چو ہوا حاکم شود دینت پسد یا گشت کم!

خواہشوں کو روک ہرگز نفس کا تابع نہ ہو
تا نہ کر دے ختم یا پھر عیب والا کم سے کم

ترجمہ: پس روک لے اس (نفس) کی خواہش کو۔ اور احتیاط کر، کہیں یہ تجھ پر غالب نہ ہو جائے، کیونکہ جب نفسانی خواہشات غالب ہو جاتی ہیں تو یہ یا تو ہلاک کر دیتی ہیں یا عیب ناک بنا دیتی ہیں۔

لفظی تشریح

الصرف، روکنا۔ کہا گیا ہے کہ کسی شئ کو اس کے غیر سے روک لینا۔ الھوی۔ ہدایت کی انگیخت کے علاوہ نفس کا ایسی چیز کی طرف میلان ہونا جس کو وہ لذیذ سمجھتا ہے۔ حاذر، اِحْذِر کا مبالغہ ہے، کیونکہ باب مفاعلہ جب تغلیب کے لیے نہ ہو تو وہ مبالغہ کے لیے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کہا گیا ہے۔ اس کا معنی ہے: اِحْذِرْ اِحْذِرْ یعنی بار بار بچ) وَلّاہ، کسی کو والی بنانا۔ ولایت کا قلادہ پہنچانا۔ تولی الاعمی۔ قلادہ پہن لینا۔ اور اس معاملہ

کولازم کرلینا۔کسی کام پر والی بن جانا۔ ما: شرطیہ زمانیہ ہے یا عمومیہ۔بعض نے کہا ہے کہ موصولہ ہے۔عصام نے اسی کو پختہ کہا ہے۔ اصمی الصید: شکار کو اسی جگہ قتل کر دینا جہاں وہ گرا ہو۔ وصم: عیب دار بنانا۔ یُصْمِ اور یَصِمِ کے درمیان تجنیس خطی ہے۔اور یہ صنعت بدیعیہ ہے۔

معنوی تشریح

جب تمہیں معلوم ہے کہ نفس بڑے بڑے مفاسد کا تابع ہے (اس کے باوجود) وہ عظیم چیزوں (نصیحتوں) کے سبب ان مفاسد کے قطع کرنے کے قابل ہے۔ (تو اس وجہ سے) اس کو اپنی خواہش سے باز رکھ اور اس کو اپنی چاہت سے متغیر کر۔ اور اس بات سے ہر طرح بچنے کی کوشش کر کہ تو ہوٰی کو اپنے دل کے قلعہ اور عقل کی مملکت پر امیر مقرر کرے۔ بے شک وہ گمراہی اور خیانت کا سبب ہے، حکومت اور امارت کی صلاحیت نہیں رکھتی۔اور ہوٰی (ہوس) جب والی بن کر مولیٰ کی مخالفت کرتی ہے تو انسان کو فوراً بد امیدوں کے سبب ہلاک کر دیتی ہے یا بد اعمالی کے باعث اس کو گمراہی میں خراب کر دیتی ہے۔

یہ معنی اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ماخوذ ہیں: وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ.....الخ

اور ہوٰی کا اتباع نہ کر (نہیں تو) وہ تمہیں اللہ کے راستے سے گمراہ کر دے گی۔بے شک جو اللہ کے راستے سے بھٹک جاتے ہیں۔ان کے لیے سخت عذاب ہے، کیونکہ وہ روزِ قیامت کو بھول گئے۔یوم قیامت کے نسیان سے مراد اس کی حقیقت پر عدم اعتقاد لیا گیا ہے۔پس یہ ضلالت اضافی ہے۔

جب علامہ بوصیری اس بیان سے فارغ ہوتے کہ نفس میں تربیت حاصل کرنے کی

قلبیت ہے تو تخلیہ کا بیان شروع کیا جو جلوت پر مقدم ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ نفس کی ریاضت سے مقصد، اس کو اپنی ہوس سے روکنا اور اپنے مولیٰ کی اطاعت پر مجبور کرنا ہے، اول زہد ہے اور ثانی عبادت ہے اور اسی وجہ سے فرمایا:

(۳۰) وَرَاعِهَا وَهِيَ فِي الْاَعْمَالِ سَائِمَةٌ
وَّاِنْ هِيَ اسْتَحْلَتِ الْمَرْعٰى فَلَا تُسِمِ

نفس را مقہور کن چوں در عمل جولاں کنی
در چریدن انس گیرد بازدارش از ستم

باز رکھ حسنِ عمل کو لذّتِ تشہیر سے
اس چراگاہِ ہوس سے دُور رکھ اپنا قدم

ترجمہ: اور تو اس کی (نفس کی) نگرانی کر اس حال میں کہ وہ اعمال کو چرنے میں مشغول ہے (لیکن) اگر وہ چراگاہ کو میٹھا گمان کرے تو پھر تم اس کو چراگاہ کی طرف نہ نکالو۔

لفظی تشریح

المراعات: نگرانی کرنا۔ سامت الماشیۃ: چوپائے کو اس وقت کہتے ہیں جب وہ چرنے لگے۔ الاسامہ: چوپائے کو چراگاہ کی طرف نکالنا۔ استحلیٰ: میٹھا شمار کرنا۔

علامہ بوصیری نے اعمال سے مراد اعمال صالحہ لیے ہیں بڑے اعمال چونکہ نفع سے

خالی ہوتے ہیں۔ اس لیے گویا وہ اعمال ہیں ہی نہیں۔ السوم: اس کا لغوی معنی تو چرنا ہے۔ اعمال میں چرنے سے علامہ نے اس میں مشغول ہونا مراد لیا ہے۔ المرعی: اس سے مراد نوافل ہیں۔ واجبات اور مستحبات نہیں، کیونکہ یہ دونوں استحلاء کے سبب ترک کا باعث نہیں بنتے۔

معنوی تشریح

نفس کی دیکھ بھال اور نگرانی کر جب کہ وہ اعمالِ صالحہ میں مشغول ہو قطع نظر اس سے کہ وہ باقی میں مشغول ہے یا کہ نہیں۔ اس کو جھڑک جب وہ خلوص نیت اور حضور قلب کے بغیر جو کہ عادتِ انسانیہ ہے۔ نوافل میں مصروف ہو، کیونکہ عبادت غیر عادت ہے۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ ارادہ ترکِ عادت ہے۔

کہا گیا ہے کہ معنی یہ ہے: عبادت کے دوران اپنے نفس کا خیال رکھ تاکہ اس کے ارکان، شرائط، سنن اور آداب کے ترک سے محض عادت کے قائم مقام نہ ہو جائے یا عبادت عجب، ریا، غرور، تکبر اور حصول دنیا کے مانند خارجی یا داخلی مفسدات کے سبب فاسد نہ ہو جائے اگر نفس ظاہری عبادت پر قناعت کر جائے اور عبادت کی معنوی اور صوری مفسدات کی پرواہ نہ کرے تو اس کو بہتری کی طرف لا، کیونکہ وہ عبادت نہیں ہے بلکہ محض عادت ہے۔ یہ معنی صاحب معادن کے قول کے مطابق ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس شعر کو ایک ایسے عارف کے لیے خطاب بنایا جائے جو معارف کو سمجھتا ہے تو کہا جائے گا۔ (اے عارف!) نیک عمل کر۔ اور اپنے عمل میں انتظار نہ کر تاکہ تو بادشاہ حقیقی (اللہ تعالیٰ) تک پہنچ جائے۔ اگر نفس اعمال کی زینت سے مزین ہونے کے سبب غرور کرے اور احوال کے زیور کے ساتھ آراستہ ہونے کے

سبب) خود پسندی کرنے لگے ہو تو اس کو جھڑک دو، کیونکہ انہی اعمال اور احوال (کے حصول کے بعد) وصولِ کمال ہوتا ہے۔ اور یہی وصال کی حقیقت ہے اللہ تعالٰے ہم کو بھی یہ مقام عطا فرمائے جو کہ حفاظت کرنے والا بلند و بالا ہے۔

(۲۱) كَمْ حَسَّنَتْ لَذَّةً لِلْمَرْءِ قَاتِلَةً
مِنْ حَيْثُ لَمْ يَدْرِ اَنَّ السَّمَّ فِي الدَّسَمِ

لذّتے کاں بامضرّت باشد آراید بخلق
آں چناں کو در نیابد ایں کہ زہر اندر دسم

لذّتیں چکنی غذا کی زہر قاتل تھیں مگر!
کھانے والے نے نہ جانا اس میں پوشیدہ ہے سم

ترجمہ: کتنی ہی ایسی حسین لذتیں ہیں جو انسان کو یوں قتل کر دیتی ہیں کہ وہ نہیں جانتا کہ اس مرغن (پر تکلف) کھانے میں زہر ہے۔

لفظی تشریح

یہ شعر فَلَا تُسِمْ کی علت بیان کر رہا ہے۔ کم خبریہ ہے یہ منصوب المحل بطور مصدر یا بطور ظرف ہے۔

اور یہ فعل حَسَّنَتْ کے متعلق ہے۔ یا علی سبیل التنازع لذۃ کے متعلق ہے یا قاتلۃ کے متعلق ہے۔ حیث، اصل میں تو مکان کے معنوں میں ہے۔ استعارۃً یہاں پر بمعنی جہت استعمال ہوا ہے۔ والسَّمّ سین پر تین حرکات ہیں،

لیکن مناسبت کے لیے یہاں پر فتحہ کی روایت ہے۔ حسنت کا معنی یہ ہے : کسی شی کو خوب صورت بنانا۔ اور حسن کی طرف منسوب کرنا۔ لِلمرءِ یہ لفظ قاتلۃ کا مفعول ہے۔ اس لام (حرف جار) متعدی بنانے کے لیے ہے۔

معنوی تشریح

نفس امارہ، غدار، مکار اور دھوکے باز ہے۔ کئی بار اس نے انسان کو دھوکہ دیا۔ وہ چیزیں انسان کی نظر میں حسین معلوم ہوئیں جنھوں نے اس کی فطرت کو خراب کر دیا۔ پس وہ اس طرح نفس کی بیہودہ باتوں سے دھوکہ کھا گیا اور اس کی چابک دستی سے ان ہلاکت کی چیزوں کو اچھا گمان کیا۔ پس وہ مقابلہ میں ہار گیا اور اس کے زہر کو تناول کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

پس اس نے اپنی بہتری کو نہ سمجھا اور ناگہاں اپنی ہلاکت میں جا گرا۔

اس شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف بھی اشارہ ہے : وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا۔ (وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اچھا کام کر رہے ہیں) اس شعر میں ایک لطیفہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ لفظ السم، الدسم میں مذکور ہے۔ جیسا کہ کسی کہنے والے کے اس قول میں ہے : السفر قطعۃ السقر۔ یعنی سفر میں ایک نقطہ زیادہ کر کے سقر بنا دیا۔ یا فا پر قاف بحساب جُمّل زیادہ کیا۔ اور اس کا معنی یہ ہے کہ سفر جہنم کے عذاب کی ایک قسم ہے۔ بے شک منجملہ اس کے عذاب کی تمام اقسام کے ایک قسم صعود ہے۔ وہ آگ کا ایک عظیم رسہ ہے۔ بشمول عذاب کی بقیہ اقسام کے جہنمی کو اس پر چڑھنے اور اترنے کی تکلیف دی جائے گی۔

یہ معانی ظاہر کرتے ہیں کہ شاعر کا تمسک اس قسم کا فائدہ نہیں دیتا۔ اگرچہ یہ تھوڑا مبالغے

کا فائدہ دینا ہے جو کہ بحسب عادت خارج کے غیر مطابق ہے۔ اس کی مثال یہ ہے :
العیادہ افضل من العبادۃ (بیمار پرسی عبادت سے بہتر ہے۔) واللہ اعلم۔

پھر شاعر نے بیان کیا کہ جس طرح نفس عبادات میں توجہ کرتا ہے اسی طرح ایسے مباحات میں بھی توجہ اور میلان کرتا ہے۔ جن سے سالک کو (مخصوص) حالات میں چھٹکارا نہیں ہے، تو اس نے کہا:

(۲۲) وَاخْشَ الدَّسَائِسَ مِنْ جُوْعٍ وَّمِنْ شِبَعٍ
فَرُبَّ مَخْمَصَةٍ شَرٌّ مِّنَ التُّخَمِ

تو بترس از حیلہ ہائے نفس چوں جوع و شبع
گاہ باشد گشنگی بدتر ز سیری و تخم

مکر سے کر خوف ان کے شکم سیری ہو کہ بھوک
آفتیں خالی شکم کی کچھ نہیں سیری سے کم

ترجمہ: تم بھوک اور سیر شکمی کی دسیسہ کاریوں سے ڈرو بسا اوقات فاقہ، سیر شکمی سے بدتر ہوتا ہے۔

معنوی تشریح

یعنی بھوک اور سیر شکمی سے حاصل ہونے والے خبیث مکروں اور حقیر ذالتوں سے بچ شب بیداری اور نیند، خاموشی اور گفتگو، میل جول اور گوشہ تنہائی، فقر اور غنی، کنوارپن اور شادی بھی ان ہی دونوں (بھوک اور سیر شکمی) کے معنی میں ہے۔ ان میں سے ہر ایک

میں منافع بھی ہیں اور نقصانات بھی۔ پس اکل و شرب میں زیادتی دنیا میں مصائب کا سبب بنتی ہے۔ اور آخرت میں عتاب کا۔ بے شک یہ ساری چیزیں جسد انسانی کی سیرابی کے لیے کوشاں ہیں جو کہ سالک کی روح کی سواری ہے۔ اور نفس کو ہلاکتوں میں گرانے اور اس کو جکڑنے کی طرف لے جاتی ہے اور انہی سے ایسے حالات پیدا ہوتے ہیں، جو سستی، تضییع عمر اور دل کی سختی، غفلت اور بہ سبب درازئ امید اس کی موت کے مقتضی ہوتے ہیں۔ کم خوری و کم نوشی حدت مزاج کا سبب بنتے ہیں اکتاہٹ اور تھکاوٹ تحصیل کمال میں ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ غذا میں میانہ روی رکھو، کیونکہ اطراف (افراط و تفریط) گھٹیا ہیں اور درمیانہ پن میں فضائل ہیں۔ یہ معنی اللہ تعالے کے اس قول سے ماخوذ ہے، کلوا واشربوا ولا تسرفوا (کھاؤ پیو اور فضول خرچی نہ کرو۔) جس نے یہ بات کہی بہت خوب کہی کہ اللہ تعالے نے اس آیت میں صوری اور معنوی طب جمع کر دی ہے۔

شاعر نے اس شعر میں فرمایا کہ بسا اوقات سخت بھوک تخم سے بدتر ہوتی ہے۔ تخم تخمۃ کی جمع ہے۔ تخمہ کہتے ہیں۔ طعام کا معدہ میں ہضم نہ ہونا، معدہ میں متعفن ہو جانا اور تکلیف دینا۔ مطلب یہ ہے کہ حد سے زیادہ پیٹ بھرنا۔ عرب اور دانا لوگ قلیل خورد و نوش پر مدح کرتے ہیں اور کثرت پر مذمت۔ دوسرا یہ کہ تھوڑا کھانا، قناعت، نفس پر کنٹرول اور خواہش کو ختم کرنے پر دلیل ہے۔ اور دل کی صفائی اور ذہن کی تیزی کا سبب ہے۔ بسیار خوری، حرص، شرارت، غلبۂ شہوت اور ان کے علاوہ جن کا بیان ابھی گزر چکا ہے، پر دلیل ہے۔ بادی الرای میں تو اس بات کا وہم ہوتا ہے کہ بھوک میں کوئی خرابی یا برائی نہیں۔ پھر جب دقتِ نظر سے دیکھیں تو معلوم ہو گا کہ اس میں ایک نہیں کئی برائیاں ہیں۔ پس اس طرح وہم دور ہو گیا اور حقیقت حال واضح ہو کر پختہ ہو گئی۔

رُبَّ تقلیل کے لیے ہوتا ہے اور کبھی تکثیر کے لیے بھی ہوتا ہے۔ پھر شاعر نے توبہ پر اکساتے ہوئے اور رجوع پر برانگیختہ کرتے ہوئے کہا:

٢٣ وَاسْتَفْرِغِ الدَّمْعَ مِنْ عَيْنٍ قَدِ امْتَلَأَتْ
مِنَ الْمَحَارِمِ وَالْزَمْ حِمْيَةَ النَّدَمِ

پس بہار از دیدگاں اشکت کہ چشمت پُر شدہ
از محارم پس ملازم شو بدرگاہِ ندم!

ان گناہوں کو جو آنکھوں میں بسے ہیں دُور کر
ہو پشیماں اور بہا اشکِ ندامت دم بدم

ترجمہ: پس فارغ کر آنسوؤں کو ایسی آنکھ سے جو بھر گئی ہے حرام چیزوں سے اور ندامت کی پرہیز کو لازم رکھ۔

لفظی تشریح

استفراغ علمِ طب میں پُرشکمی کا علاج بھی ہے۔ الحمیۃ پرہیز بمعنی اِحْتِمَاء جو کہ ندامت اور بعض نے کہا ہے: حمیۃ الندم کا معنی یوں ہے ایسی پرہیز جو ندامت سے حاصل ہو۔ والمحارم. محرمۃ کی جمع بمعنی حرام ہے۔ حمیۃ الندم میں اضافتِ بیانیہ ہے۔ آنکھ کا محارم سے امتلاء، کثرتِ مناہی کے ارتکاب اور شہوات اور کھیل کود کے سامان کے ساتھ التذاذ سے کنایہ ہے۔

معنوی تشریح: اگر تیرا معنوی معدہ فاسد اور ردّی اشیائے سے پُر ہو گیا ہے تو

تم امور منہیہ کے ارتکاب کے سبب ندامت کے ساتھ اپنی حسی آنکھ کے مدخل (معدہ) کو، خالی کرو۔ پھر پرہیز کو لازم رکھو جو کہ ندامت ہے، کیونکہ توبہ کرنے میں یہی اصل ہے اور (اللہ تعالیٰ کی طرف) رجوع کرنے میں اسی پہ دار و مدار ہے۔ اسی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: ندامت توبہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا: حج عرفہ ہے۔ اگرچہ ان دونوں (توبہ، حج) کے اور ارکان بھی ہیں۔ اور یہ دونوں (ندامت، عرفہ) ہر ایک (توبہ اور حج) کی حقیقت میں معتبر ہیں، کیونکہ ندامت جب آجاتی ہے تو توبہ کے باقی ارکان عموماً لازم ہو جاتے ہیں جیسے معصیت کا ختم ہو جانا، دوبارہ معصیت کی طرف عدم رجوع کا عزم کرنا، اور جو ان ارکان کے تابع ہوتے ہیں، وہ بھی لازم ہوتے ہیں، جیسے اللہ تعالیٰ کے حقوق اور حقوق العباد کا ادا کرنا۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ مسلسل آنسوؤں کا بہانا گناہوں کو گراتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے۔ شعر میں اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا۔ (ترجمہ: پس چاہیئے کہ وہ تھوڑا ہنسیں اور زیادہ روئیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے قول فیهما عینان تجریان کے متعلق کہا گیا ہے جس کی آنکھوں میں آج آنسو ہیں وہ بہیں گے۔ ارباب حال میں سے کسی نے کیا خوب کہا ہے

کیف ترى لیلى بعین ترى بها
سواها وما طهرتها بالمدامع

اور کسی اور نے کہا

طهر العین بالمدامع سبعا
من شهود السوى نزل كل علة

پھر شاعر نے مراتب مشاہدہ کی طرف پہنچانے والے مقام مجاہدہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ؎

(۲۴) وَخَالِفِ النَّفْسَ وَالشَّيْطَانَ وَاعْصِهِمَا
وَإِنْ هُمَا مَحَضَاكَ النُّصْحَ فَاتَّهِمِ

برخلافِ نفس و شیطان باش فرمانش مبر
در نصیحت میکنندت قولِ شاں دَاں متہم!

نفس و شیطان کا مخالف بن نہ مان ان کا کہا
ان کی اچھی بھی نصیحت جھوٹ سے کیا کچھ ہے کم

ترجمہ: (اے سالک!) تو نفس اور شیطان کی مخالفت کر۔ اور ان دونوں کی نافرمانی کر۔ اگر وہ تمھیں مخلصانہ نصیحت بھی کریں تو پھر بھی ان کو متہم کر۔

معنوی تشریح

(اے سالک!) تحقیق تو نفس کی وارفتگی اپنی خواہش پوری کرنے میں اور اس کی حرص اور مبالغہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے میں، پہچان چکا ہے۔ نفس کا ایک مددگار بھی ہے جو اس کے اپنے ارادے حاصل کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے۔ اور اس کے مقصودات کو اس کے لیے مزین کرتا ہے۔ وہ شیطان ہے جس کو توبہ نہ کرنے والے پر غلبہ حاصل ہے۔ پس یہ دونوں تمھیں جن باتوں کا حکم دیں یا جن سے منع کریں، تمھارے دشمن ہیں۔ تمھارا سب سے بڑا دشمن تمھارا نفس ہے جو کہ تمھارے پہلو کے درمیان ہے۔ داخلی چور ایک لاعلاج بیماری ہے

جس سے بچنا کسی صورت میں ممکن نہیں ہے، کیونکہ یہ دشمن محبوب ہے اور محبوب کا عیب مستور و محجوب ہوتا ہے۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ کسی شیٔ کی محبت تجھے اندھا اور بہرہ کر دیتی ہے۔ اور شعر ہے ؎

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ

کما ان عین السخط تبدی المساویا

(رضا کی آنکھ ہر عیب سے تھکی ہوئی ہے۔ جیسا کہ ناراضگی کی آنکھ برائیوں کو ظاہر کرتی ہے۔)

چونکہ وہ حصول امید کے مقام تک پہنچنے کے لیے سواری ہے۔ اس لیے تیرے لیے قوت اور سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کرنا ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کی موافقت ممکن ہے (بصورت موافقت) وہ تمہیں ہلاک کر دے گا۔ اس کا موٹاپا تمہیں کھا لے گا۔ اور اس کی بھوک تمہیں رسوا کر دے گی۔ پس تم پر اعتدال لازم ہے تاکہ وہ (اعتدال) تمہیں وصال کی منزل تک پہنچائے۔ البتہ شیطان تو تمہارا ایسا دشمن ہے جس کے ساتھ کسی قسم کی صلح نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ تیری عداوت پر فطری طور پر پیدا کیا گیا ہے اور تیری گمراہی (تجھے گمراہ کرنے) کے درپے ہے پس اس سے محفوظ رہنے کے لیے آستینیں چڑھا لے اور مخالفت کرنے میں کوشش کر۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے پس اس کو دشمن ہی سمجھو۔ وہ تو اپنے گروہ کو صرف اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ دوزخی ہو جائیں بعض نے کہا ہے کہ شیطان کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگ، کیونکہ وہ اس کے ہٹانے اور دور کرنے پر قادر ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اس کے ساتھ جنگ و جہاد کر۔ امام غزالیؒ نے فرمایا: ان دونوں چیزوں کو جمع کرو۔ پس اگر تم استعاذات (اللہ تعالیٰ

کی پناہ مانگنے) کے ذریعہ کامیاب ہو جاؤ تو بہتر۔ اور اگر تم پر غالب آجاتے تو پھر اللہ تعالے کی مدد سے جہاد کر۔

مقصد یہ کہ تو ان دونوں (نفس اور شیطان) کی مخالفت کر جب کہ وہ کسی بات کا حکم کریں، اور ان کی نافرمانی کر جب کہ یہ تمھیں کسی بات سے روکیں۔ اگر یہ دونوں بظاہر تمھیں پُرخلوص نصیحت کریں تو ان کو غدر و خیانت، اور مکر و حیلہ کی طرف منسوب کر۔ اللہ تعالے نے فرمایا: بے شک نفس برائی کی طرف بہت زیادہ حکم کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: شیطان تمھیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور غلط باتوں کا حکم دیتا ہے۔

میں یہاں پر دو لطیف حکایتیں سناتا ہوں۔ ان میں سے ایک مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مثنوی معنوی میں ذکر کی ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ ایک دفعہ صبح کے وقت سوئے ہوئے تھے، تو شیطان آیا اور حی علی الفلاح کہنے لگا۔ حضرت معاویہؓ نے اس طرح ظاہر ہو کر حکم کرنے میں اس کے مکر اور دھوکے کو بھانپ لیا۔ فرمایا: تم تو صرف گناہ کا ہی حکم دیتے ہو تو تم نے مجھے طاعت کا حکم کیسے دے دیا۔ اس نے بہت تعلیاں کیں لیکن آپ نے کوئی توجہ نہ دی اور عاقل کو ان تعلیوں کے ساتھ دھوکہ دینا بھی ناممکن ہے۔ حضرت امیر معاویہ نے فرمایا: تمھیں اس بات کا سبب ضرور ظاہر کرنا ہوگا۔ یہ بڑی اچنبھے کی بات ہے۔ شیطان بولا: ہاں۔ ایک روز آپ نیند کے غلبہ کی وجہ سے صبح کی نماز حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ادا نہ کر سکے۔ آپ اس کے فوت ہونے پر بڑے نادم ہوتے۔ اور اس کی ادائیگی میں حسرت ظاہر کی، تو جس قدر آپ نے طاعات کی تھیں اس سے کئی گنا آپ کے لیے ثواب عطا کیا گیا۔ اس لیے مجھے اندیشہ ہوا کہ دوبارہ آپ نماز سے رہ گئے تو دوبارہ آپ کو زیادہ ثواب حاصل ہوگا۔

دوسری حکایت کو امام غزالی نے منہاج العابدین میں ذکر کیا ہے ۔ ہمیں ایک نیک آدمی کی خبر پہنچی جس کو احمد بن ارقم بلخی کہا جاتا ہے ۔ انھوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے نفس نے جنگ کی طرف نکلنے کے لیے جھگڑا کیا ۔ میں بڑا حیران ہوا اور سبحان اللہ پڑھی کہ اللہ تعالیٰ تو کہتا ہے کہ نفس برائی کا حکم دیتا ہے ۔ اور یہ نفس مجھے نیکی کرنے کا حکم دے رہا ہے ۔ (ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ۔ دراصل یہ نفس تنہائی سے گھبرا گیا ہے اور لوگوں سے ملاقات کا خواہشمند ہے ۔

تاکہ ان سے راحت حاصل کرے ۔ لوگ اس کے بارے میں سنیں تو تعظیم و تکریم کے ساتھ اس کا استقبال کریں ۔ میں نے (نفس سے) کہا ۔ میں نہ تو تجھے آبادی میں اتاروں گا ۔ اور نہ ہی کسی جان پہچان والے کے پاس اتاروں گا ۔ تو اس نے میری بات کو قبول کر لیا ۔ میں نے اس کے ساتھ بدگمانی کی اور کہا اللہ تعالیٰ زیادہ سچا ہے ۔ میں نے اسے کہا : میں غیر مسلح ہو کر دشمن کے ساتھ جنگ کروں گا اور سب سے پہلا قتیل بنوں گا ، تو پھر بھی اس نے میری تمام بات کو قبول کر لیا ۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی ، اے میرے رب ! مجھے (اس نفس کے بارے میں) آگاہ کر دے ۔ میں تیری تصدیق کرنے والا ہوں اور اس کی تکذیب ۔ مجھے مکاشفہ ہوا گویا کہ وہ (نفس) کہہ رہا ہے ۔ اے احمد ! تم میری خواہشات سے باز رکھنے کے لیے ہر روز مجھے قتل کرتے ہو ۔ اور کوئی بھی اس کو محسوس نہیں کرتا ۔ (لیکن) اگر تم جنگ کرتے تو ایک ہی مرتبہ قتل ہو جاتے ۔ میں بھی تمھارے ساتھ نجات پا جاتا ۔ لوگ ایک دوسرے کو سناتے اور کہتے کہ احمد شہید ہو گیا ، تو میرا چرچا اور وقار ہوتا ۔ (احمد بن ارقم نے) کہا ۔ پھر میں بیٹھ گیا اور اس سال جہاد کی طرف نہ نکلا ۔

نفس کے دھوکے اور مکر کی طرف غور کرو تمہیں معلوم ہوگا کہ نفس موت کے بعد بھی کام کرنے سے باز نہیں آتا کسی نے بہت خوب کہا: اپنے نفس سے محتاط رہو اس کی سرکشی سے مامون نہ رہو نفس کا شر ستر شیطانوں سے زیادہ ہے۔

شاعر نے پھر سابقہ بات کی تاکید کی اور فرمایا:

(۲۵) وَلَا تُطِعْ مِنْهُمَا خَصْمًا وَّلَا حَكَمًا
فَأَنْتَ تَعْرِفُ كَيْدَ الْخَصْمِ وَالْحَكَمِ

ترک کن فرمانِ ایشاں خصم باشد یا حکم
زاں کہ میدانی تو مکرِ خصم وہم مکرِ حکم

تو نہ کر ان کی اطاعت ہوں یہ حاکم یا عدو
جانتا ہے خوب تو مکرِ عدو مکرِ حکم!

ترجمہ: بصورت حکم یا خصم ان دونوں (نفس اور شیطان) کی اطاعت نہ کر کیونکہ تم خصم اور حکم کے مکر کو جانتے ہو۔

لفظی تشریح

منھما مفعول سے حال واقع ہو رہا ہے۔ اور تثنیہ کی ضمیر نفس اور شیطان کی طرف راجع ہے۔ فاء علت بیان کرنے کے لیے ہے۔ ایک نسخہ میں بجائے فاء کے واو ہے۔ بعض علماء کے قول کے مطابق الف لام عہد خارجی کے لیے ہے، لیکن اظہر یہ ہے کہ یہاں الف لام تجنیس کے لیے ہے۔ الخصم وہ ہے جو اپنے آپ کو

ان دونوں کی طرف سے ہونا ظاہر کرے۔

الحکم وہ ہے جو یہ بات پوشیدہ رکھے۔ اور ہلاکتوں میں گرانے کے لیے وہ دھوکا دیتا رہے۔

معنوی تشریح

جس بات کے بارے میں معلوم ہو کہ وہ شیطان اور نفس کی طرف سے ہے جیسے ظاہری بدعتی لوگ یا چھپے ہوئے فاسق لوگ ہیں، تو ان میں سے کسی کی اطاعت نہ کر۔ کیونکہ (حکم وخصم میں سے) ہر ایک کی بات میں مکر اور تلبیس ہے اور ہر کام میں دھوکا اور تدلیس ہے۔ دشمن کے ساتھ محبت کرنے والا دشمن ہے اور دوست کو ناراض کرنے والا ابلیس ہے۔

تم میرے دشمن کے ساتھ پیار کرتے ہو پھر خیال کرتے ہو کہ میں تمھارا دوست ہوں یہ بات ناممکن ہے۔

شعر میں اللہ تعالےٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے : لا تطع منھم آثما او کفورا۔

یا نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے : لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق۔ (خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت واجب نہیں ہے۔ جب عاقل صادق، ناصح فاسق کو دیکھے کہ وہ مناہی کے ساتھ متلون ہے اور لہو ولعب کے ساتھ مشتبہ ہے۔ تو اللہ تعالےٰ کی طرف رجوع کرے اور توبہ کرے۔ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا:

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتَابَ

اَفَلاَ تَعْقِلُوْنَ (کیا تم لوگوں کو حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ کتاب (قرآن) بھی پڑھتے ہو۔ کیا تمھیں سمجھ نہیں آتی)

نیز فرمایا:

یا ایھا الذین اٰمنوا لم تقولون ما لا تفعلون۔ کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون (اے ایمان والو! تم کیوں ایسی بات کرتے ہو جو تم خود نہیں کرتے ہو بطور غصہ دلانے کے اللہ تعالے کے نزدیک سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تم ایسی بات کہو جو تم خود نہیں کرتے۔)

نیکی پر عمل نہ کرنے والے کا نیکی کا حکم دینا، اگرچہ اچھی بات ہے لیکن عرف ظاہری کے مطابق گناہ ہے۔

(۲٦) اَسْتَغْفِرُ اللہَ مِنْ قَوْلٍ بِلَا عَمَلٍ
لَقَدْ نَسَبْتُ بِہٖ نَسْلًا لِّذِیْ عُقُمٖ

میکنم استغفر اللہ از کلامِ بے عمل
بچہ میخواہم ازاں زن کو بود صاحب عقم

مجھ کو قولِ بے عمل سے توبہ کرنی چاہیئے
گویا بانجھ عورت سے امید نسل رکھتے ہیں ہم

ترجمہ: میں ایسی بات سے اللہ تعالے سے استغفار کرتا ہوں جس پر عمل نہ ہو۔ اس طرح سے میں نے بانجھ کے ساتھ اپنا نسب ملایا۔

لفظی تشریح

النسل اولاد، العقم بروزن فَرَسٌ وعُنُقٌ۔ اولاد کا نہ ہونا۔ بانجھ پن۔ شاعر کا خیال ہے کہ جس طرح بے اولاد شخص کی طرف بچے کو منسوب کرنا جھوٹ اور تہمت ہے۔ اسی طرح قول و عمل کی نسبت ایسے آدمی کی طرف کرنا جو ان کے اہل نہ ہو، بھی سراسر جھوٹ ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ حکم کنندہ کا حال ظاہری یہ ہے کہ وہ خود اس کو ماننے والا ہے۔ گویا کہ اس نے اپنی ذات کی طرف یہ منسوب کیا کہ وہ اس عمل سے متاثر ہے اور گویا کہ یہ حالت طریقہ کے مطابق اس کے لیے ثابت ہے لیکن حقیقت حال یہ ہے کہ اس کے افعال، اقوال کے مخالف ہیں۔ تو اس نے جس بات کا دعویٰ کیا ہے اس میں جھوٹا ہوگا۔ پھر شاعر نے بیان کیا کہ بغیر عمل کے بات کہنا اور دوسرے کو حکم دینا اسی کی نشان دہی کرتا ہے۔ اور فرمایا:

(۲۷) أَمَرْتُكَ الْخَيْرَ لٰكِنْ مَّا ائْتَمَرْتُ بِهٖ
وَمَا اسْتَقَمْتُ فَمَا قَوْلِيْ لَكَ اسْتَقِمِ

امر کردم من بہ خیرت خود نہ کردم ہیچ خیر
راستی در دیں نہ کردم پس چہ سود از گفتنم

کی نصیحت دوسروں کو اور ہیں خود بے عمل
ہو نصیحت کا اثر کیا بے عمل جب خود ہیں ہم

ترجمہ: میں نے تمہیں نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس پر عمل نہیں کیا۔ نہ ہی میں

خود سیدھے راستے پر ہوں تو تجھے میرا یہ کہنے کا کیا فائدہ کہ سیدھا راستہ اختیار کر۔

لفظی تشریح

پہلی دونوں جگہوں میں ما نافیہ ہے اور تیسری جگہ ما استفہامیہ ہے الخیر حرف جر نہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اکثر شارحین اسی بات کے قائل ہیں۔ اسی پر امام بیضاوی کا قول دلالت کرتا ہے؛ وامرت ان اکون من المومنین (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مومنین سے ہوں)۔ علامہ بیضاوی فرماتے ہیں یہاں پر اَن سے حرف جار حذف کیا گیا ہے اور جائز ہے کہ یہ حذف اَنْ کے ساتھ عام ہو۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ حذف اس کے علاوہ میں جائز ہو۔ جیسے تم کہو: امرتك الخير فافعل ما امرت به۔ (میں نے آپ کو نیکی کا حکم دیا۔ پس جو میں نے حکم دیا ہے، وہ کرو۔) محلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امر فعل دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے کبھی تو براہ راست اور کبھی باء کے ساتھ۔ اس شعر میں دونوں استعمال موجود ہیں۔ غالباً انھوں نے ظاہری استعمال کی طرف دیکھا ہے حقیقت حال تو اللہ تعالےٰ بہتر جانتا ہے ممکن ہے کہ کبھی تو باء کے ساتھ استعمال ہوتا ہو اور کبھی بغیر باء کے۔

معنوی تشریح

امر سے مراد امر اور نہی دونوں ہیں اور خیر سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا انجام اچھا ہو مستقل استقامت سے مراد طاعت اور بندگی پر قائم رہنا۔ احکام کی تعمیل اور برائیوں سے اجتناب کرنا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ میرے اس قول کی کوئی حقیقت نہیں ہے جب کہ وہ محض صورت ہی ہو۔ ایسی صورت میں کوئی اثر انگیزی اور بڑا نفع نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے، پہلے اپنے نفس کو نصیحت کرو اور وہ نصیحت قبول کرے تو پھر لوگوں کو نصیحت

کرو ورنہ حیا کرو کہا جائے گا کہ وہ ایسا طبیب ہے جو لوگوں کا علاج کرتا ہے حالانکہ وہ خود مریض ہے۔

(۲۸) وَلَا تَزَوَّدْتُّ قَبْلَ الْمَوْتِ نَافِلَةً
وَلَمْ اُصَلِّ سِوٰی فَرْضٍ وَّلَمْ اَصُمِ

توشۂ ہرگز نہ کردم بہرِ زادِ آخرت
وز نماز و روزہ جز فرضے نیامد در تنم

زادِ راہِ آخرت اک نفل کا بھی تو نہیں
جز نمازِ فرض و روزہ کچھ نہیں رکھتے ہیں ہم

ترجمہ: موت سے قبل نہ تو میں نے نوافل کا زادِ راہ بنایا اور نہ ہی سوائے فرضوں کے میں نے کوئی نماز پڑھی اور روزہ رکھا۔

لفظی تشریح

التزود طلبِ زاد اور اس کا آخری مرتبہ یہ ہے۔ مراد کی طرف توجہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وتزودوا فان خیر الزاد التقویٰ۔ (اپنے لیے زادِ راہ بناؤ بیشک بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے۔) اس میں اشارہ ہے کہ دنیا پل کی مانند ہے۔ لوگ اس پر سے گزرنے والے ہیں اور اکثر بغیر وعظ و نصیحت ہیں۔ لہٰذا سالک مرید کے لیے مراد تک پہنچنے کے واسطے زادِ راہ حاصل کرنا ضروری ہے۔ النافلۃ لغت میں مطلق زیادتی کو کہتے ہیں۔ اصطلاح میں وہ طاعات مراد ہیں جو فرائض اور سنن مؤکدہ پر

زائد ہوں، تو جس طرح سفر خرچ دنیاوی سفر میں قرب مقصد کی طرف وسیلہ ہے۔ ایسے ہی نفلی عبادات سیرِ معنوی میں مقصدِ اصلی کے ساتھ محبت کرنے کا ذریعہ ہیں۔ حدیث شریف ہے کہ بندہ نوافل کے سبب میرے قریب ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ میں اس کے ساتھ محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس کے ساتھ محبت کرتا ہوں تو میں اس کی قوتِ سماعت اور قوتِ بصارت بن جاتا ہوں۔

معنوی تشریح

میں نے موت سے قبل نوافل میں سے کسی شئی کو اپنا زادِ راہ نہیں بنایا۔ اور نہ میں مراتب کمال تک پہنچنے کے لیے فوت ہونے سے قبل تیار ہوا۔ اپنی کم ہمتی کے موجب فرض نماز، روزے پر اقتصار کیا۔ اور جیسا کہ عبودیت ادا کرنے کا حق تھا وہ راتوں کو جاگ کر کثرتِ نوافل سے ادا نہ کر سکا۔

یہاں سے علامہ بوصیری تشبیب سے مدحِ حبیب کی طرف منتقل ہوئے اور وصل لطیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بغیر وصل عطف کے فرمایا:

(۲۹) ظَلَمْتُ سُنَّةَ مَنْ اَحْيَى الظَّلَامَ اِلٰى
اَنِ اشْتَكَتْ قَدَمَاهُ الضُّرَّ مِنْ وَرَمٍ

من ستم کردم بسے بر سنّتِ خیر الرسل
آن کہ از احیائے شبہائے پائے وے کردے ورم

سنتِ بیداری شب پر کیا میں نے ستم
طاعتِ شب کے سبب تھا جن کے قدموں پر ورم

ترجمہ: میں نے اس کی سنت کو ترک کیا جس نے راتوں کو زندہ کیا یہاں تک
کہ ان کے قدم مبارک سوجن کے سبب تکلیف کی شکائت کرتے ۔

لفظی تشریح

الظلم کسی شئ کو غیر محل میں رکھنا، اس سے مراد ہے کہ میں نے ترک کا قصد کیا۔
السنۃ پسندیدہ طریقہ۔ والظلام اس سے مراد رات ہے۔ بطریق لازم ذکر کر کے ملزوم مراد لینا۔ الاحیاء کسی عبادت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نیند کو ترک کرنا کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اور بیداری زندگی کی مانند ہے۔ ایقاظ اور احیاء برابر ہیں۔ نفس کو نیند سے بیدار رکھنا اسے زندہ کرنے کے مترادف ہے۔ حدیث شریف میں ہے: الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا (حمد ہے اس ذات باری تعالٰی کی جس نے ہمیں موت کے بعد زندہ کیا)

قدمین شریفین کی شکایت سے مراد ان کا عوارض بشریہ اور امور حسیہ کے سبب پیدا ہونے والے درد پر دلالت کرنا ہے۔ البتہ روح تو راحت معنویہ سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ اور وہ انسانی قدسی مقامات اور حالات سے مطمئن ہے۔ ظاہری اعضاء کی بہ نسبت باطنی احوال کا اعتبار ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غنی (تونگری) کثرت مال سے نہیں بلکہ تونگری تو نفس کی تونگری ہے۔

الضرّ: فتح اور ضمہ دونوں کے ساتھ۔ یہ منصوب بحذف حرف جار ہے یعنی وہ تکلیف جو ورم کے سبب سے ہوتی ہے۔

معنوی تشریح: میں نے ان کی سنت کو ترک کیا جنھوں نے اللہ کے ذکر،

اس کی مناجات اور مختلف قسم کی طاعات میں اس قدر راتوں کو زندہ کیا کہ ان کے قدمین شریفین پر درم ہو گیا، لیکن اپنے مولیٰ کی عبادت کو ترک نہیں کیا۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ آپ اس قدر اہتمام کرتے ہیں حالانکہ میں نے آپ کو ہر طرح سے بخش دیا ہے تو آپ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ اس کو مسلم و بخاری نے روایت کیا ہے۔

جب حضور صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم رفعت کمال و علو مقام کے باوجود اس طور پر قیام فرماتے اور نماز پڑھتے جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوتے تو باقی مخلوق کو کیسے سزاوار ہو سکتا ہے کہ وہ چوپائوں کی مانند لمبی تان کر سوئے رہیں۔ کہا گیا ہے کہ عابد کے لیے اطاعت کرنے پر دو اجر ہیں۔ پہلا اجر نیند اور آرام ترک کرنے کی وجہ سے اور دوسرا عبادت کے تحمل کی وجہ سے۔ اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اجر بہ مقدار مشقت حاصل ہوتا ہے۔

جب علامہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا ذکر کر چکے جو کہ عقبیٰ میں درجات عالیہ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے تو حضور کی دنیا سے بے نیازی کے مقام اور اللہ تعالےٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تکالیف کے اختیار کرنے کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا ہے

(۳۰) وَشَدَّ مِنْ سَغَبٍ اَحْشَاءَهٗ وَطَوٰى
تَحْتَ الْحِجَارَةِ كَشْحًا مُّتْرَفَ الْاَدَمِ

سنگ بستے بر شکم آں نازنین از گشنگی
صرف کردے در رہِ حق جملہ دینار و درم

بھوک کی شدت کے باعث اور فاقوں کے سبب
آپ نے پتھر سے باندھا ناز پروردہ شکم

ترجمہ: اور جس نے بھوک کے باعث اپنے پیٹ کو باندھ دیا اور نازک جلد (مبارک) والی کمر پر پتھر لپیٹ دیئے۔

لفظی تشریح

شد کا احیا پر عطف ہے۔ من سببیہ ہے۔ سَغَب بھوک۔ الحشا دل۔ اور جس کو پیٹ محیط ہو۔ حشا البطن آنتیں۔ طوی لپیٹا۔ کشح کمر۔ یہ طوی کا مفعول ہے۔ المترف اسم مفعول ہے۔ نازک۔ الادم ادیمۃ کی جمع ہے۔ جلد۔

معنوی تشریح

میں نے اس کا طریقہ چھوڑا جنھوں نے بھوک کے ساتھ اس قدر ریاضت کی کہ آپ کو اپنے اعضا میں سے پیٹ اور پسلیوں کے باندھنے کی حاجت ہوئی۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نرم و نازک کمر پر پتھر باندھا تاکہ آنتوں کے ہلکے پن پر پتھر کی ثقالت سے استعانت کریں اور پتھر کی برودت سے اعضا کی اندرونی حرارت سے آرام حاصل کریں باوجود اس کے کہ آپ سید الانبیاء و سید الاولیاء ہیں۔ آقا نے اپنے لیے غنٰی پر فقر کو ترجیح دی اور عقبیٰ کے راستہ پر چلنے کے لیے یہی اولیٰ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

ان الانسان لیطغی ان راہ استغنی۔

البتہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول مبارک (کاد الفقر ان یکون کفراً) اپنی قدرت کے باوجود آپ کے کمال مشقت اور اپنی مراد پر کسی کا زیر بار نہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ اسی وجہ سے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سب لوگوں

کی نسبت انبیا کی آزمائش سخت ہوتی ہے۔ پھران سے کم صوفیا کی۔

بھوک کے سبب پیٹ پر پتھر باندھنے کا واقعہ خندق کھودنے کے وقت ہوا۔ اس روایت کو بخاری نے حضرت جابر اور مسلم نے حضرت انس سے روایت کیا ہے۔ فرمایا: میں ایک روز حضور کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوا۔ میں نے آپ کو صحابہ کرام کے پاس بیٹھے باتیں کرتے ہوئے پایا۔ اور حضور نے اپنے پیٹ مبارک پر پٹی باندھی ہوئی تھی صحابہ کرام نے کہا یہ بھوک کے سبب ہے۔ اس کو محلی نے نقل کیا ہے۔

چونکہ پہلے شعر میں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نماز اور عبادت کی طرف اشارہ تھا۔ اور اس شعر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ریاضت اور روزے کی طرف اشارہ ہے۔ اس وجہ سے عوام میں سے ممکن ہے کہ کوئی سرپھرا یہ وہم کرے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ ریاضت اضطراری (بسبب مجبوری کے) تھی اور خواص کے نزدیک اختیاری ریاضت معتبر ہوتی ہے۔ تو اس وہم کو دور کیا اور کہا ہے

(۲۱) وَرَاوَدَتْهُ الْجِبَالُ الشُّمُّ مِنْ ذَهَبٍ
عَنْ نَّفْسِهٖ فَاَرَاهَا اَيَّمَا شَمَمِ

کوہ از زر کرد خود را عرض تا گردد قبول
روے گردانید ازاں زر مصطفےٰ خیر الشیم

زر کے بن کر جب پہاڑ آئے کہ مائل ہوں حضورؐ
کچھ توجہ تک نہ کی تھے آپ وہ عالی ھمم

ترجمہ: سونے کے بڑے بڑے پہاڑوں نے اپنے آپ کو پیش کیا، تو حضور نے ان کو دکھایا کہ کتنے بلند ہیں۔ (بنظر حقارت ٹھکرا دیا۔)

لفظی تشریح

المراودۃ۔ پیش کش کرنا۔ باب مفاعلہ جب مغالبہ کے لیے نہ ہو تو مقابلہ کے لیے ہوتا ہے۔ الشم۔ یہ اشم اور شمم کی جمع ہے۔ ارتفاع اور بلندی کو کہتے ہیں۔ یہ ذھب (سونے) کی صفت یا اس سے حال واقع ہو رہا ہے۔ ایما شمم (بہت زیادہ بلندی۔ اراھا کا مفعول ثانی ہے۔ اصل میں ای ما تھا۔ ما اس میں برائے تاکید زیادہ ہے۔ ای۔ شمم کی طرف مضاف ہے۔ یہ (شمم) مصدر بمعنی وصف ہے یعنی بلندی انتہا کی تھی جیسے کہا جاتا ہے۔ مررت برجل ایّ رجل (میں ایک مرد کے پاس سے گزرا جو مرد تھا یعنی مردانگی میں کامل تھا۔ پھر مقام کی مناسبت سے مضاف اور مضاف الیہ وصف کے معنوں میں استعمال کئے گئے۔

معنوی تشریح

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے اعراض فرما کر مولیٰ (اللہ تعالےٰ) کی طرف توجہ فرمائی۔ فقر کی تکالیف کو دولت پر ترجیح دی۔ یہاں تک کہ دیناروں کے بلند سرو قد پہاڑوں نے اپنے آپ کو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں پیش کیا۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے مختلف اقسام کی زینت کے ساتھ بھی آراستہ ہوئے۔ حضور کی طرف حد درجہ کا میلان کیا کہ شائد حضور ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیں گے جس سے حضور کی توجہ کے باعث ان کی شان بلند ہو جائے گی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ما زاغ البصر وما طغیٰ (نہ تو حضور کی نگاہ جھکی اور نہ ہی نافرمانی کی)۔ (جلوۂ حق میں حضور اس قدر

منہمک تھے کہ دنیاوی مال ومنال کی طرف آنکھ کا اٹھنا تو کجا اس کا خیال بھی دل میں پیدا نہ ہوا اور جمال جہاں آفرین کے دیدار میں محویت کا یہ عالم ہے کہ پلک بھی نہیں جھپکتی۔ مترجم)

یہ تمام باتیں اللہ تعالےٰ کی قضا و قدر کے بعد اس کے حکم کے مطابق ہوئی ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا:

لاتمدن عینیك الی ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحیوة الدنیا لنفتنهم فیه ورزق ربك خیر وابقی۔

(یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم! اپنی توجہ ادھر نہ دیں جن کو ہم نے دنیاوی زندگی کی رونق سے متمتع کیا ہے۔ (دنیاوی آسائش) ان کے لیے آزمائش ہے۔ اور تمہارے رب کا دیا ہوا رزق بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی۔)

اس شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالےٰ آپ سے پوچھتا ہے کہ آیا آپ یہ پسند کرتے ہیں کہ میں آپ کے لیے ان پہاڑوں کو سونا بنا دوں اور جہاں آپ جائیں وہ آپ کے ساتھ ساتھ چلے جائیں۔ حضورؐ نے تھوڑی دیر سر کو جھکایا اور فرمایا: اے جبرائیل! یہ دنیا اس کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہ ہو۔ اس کا مال ہے جس کا کوئی مال نہ ہو۔ اس کو وہ اکٹھا کرتا ہے جو عقل سے محروم ہو۔ حضرت جبرائیل نے عرض کیا: یارسول اللہ! اللہ تعالےٰ آپ کو اسی پختہ بات پر ثابت قدم رکھے۔ حضرت جلال الدین محلی نے فرمایا ہے کہ اس کو شفا اور اس کے علاوہ دوسری کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے۔

اسی روایت کے ضمن میں شاکر (شکر کرنے والا) غنی پر صابر فقیر کی فضیلت کی

شافی دلیل اور کافی بیان موجود ہے۔ عالی مرتبت سردار (ائمہ کرام) اور صوفیا کے باصفا گروہ کا اس پر اجماع ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمیں ان کے اسرار سے نفع دے اور ان کے نقوش کا تابع بنائے۔

نیز شاعر نے اربابِ کمال میں سے کسی کے اس قول کی طرف اشارہ کیا: همة الرجال تَهْدِمُ الجبال مردوں کی ہمت پہاڑوں کو گرا دیتی ہے۔ اس میں اللہ تعالےٰ کے اس قول کی طرف تلمیح بھی ہے۔ وراودته التی هو فی بیتها عن نفسه۔

اس میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زیادتِ فضیلت کی طرف عمدہ اشارہ بھی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے تمام دنیا حضور کو پیش کر دی، کیونکہ سونا چاندی تمام لذات وشہوات کو حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ اور ایک روایت کے مطابق اللہ تعالےٰ نے بغیر کسی محاسبہ کے بطور اباحت پیش کیں، تو آپ نے رُخ پھیر لیا۔ اور انتہائی ضرورت اور اس سبب سے عبادات مالیہ کے حصول کے باوجود اس کو قبول نہ کیا۔

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کو ایک خاتون نے اپنا نفس علی وجہ الحرمت پیش کیا تو آپ کو بے چینی اور حوصلے کا سامنا کرنا پڑا۔ کتنی عظیم ہمت ہے، کیسی بڑی نعمت اور عمدہ پاکدامنی ہے ۔

(۳۲) وَاَكَّدَتْ زُهْدَهُ فِيْهَا ضَرُوْرَتُهُ
اِنَّ الضَّرُوْرَةَ لَا تَعْدُوْ عَلَى الْعِصَمِ

با ضرورت ہا کہ بودش میل بر دنیا نہ کرد
از ضرورت خستہ نہ بود آنکہ دور است از حرم

ایسی حاجت پر بھی تقویٰ کو کیا مضبوط تر
سچ ہے حاجت غالب آسکتی نہیں جب ہو عصم

ترجمہ؛ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ضرورت نے آپ دنیا سے زہد کو ثابت کر دیا کہ ضرورت آپ کی عصمت پر غالب نہیں آسکتی۔

لفظی تشریح

الزھد نفس کا دنیا سے بے رغبتی کرنا اور خواہش سے منہ پھیرنا۔ الضرورۃ، شدت حاجت اور یہی اضطرار ہے جو کہ اختیار کی ضد ہے۔ عدا، یعدو۔ غالب آنا اور زبردستی قابض ہونا۔ العصم، عصمۃ کی جمع ہے۔ وہ ایک ایسی روکنے والی قوت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں میں ودیعت فرمایا ہے۔ یہ قوت ان کو منہیات سے تعریض اور مامورات سے اعراض کرنے سے روکتی ہے۔

معنوی تشریح

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ظاہری فقر اور آپ کی موقوف حاجت نے آپ کے زہد، دین کی طرف رغبت اور ہوا میں چلنے والے سونے کے پہاڑوں کی طرف عدم توجہ کو ثابت کر دیا ہے۔ کہا کہ یہ امر خارق عادت ہے۔ اس کو کوئی اختیار نہیں کر سکتا سوائے اس کے کے جو عبادت کی حلاوت سے لطف اندوز ہوا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ انبیاء کے حق میں ترک کر دینا اور توجہ الی المولیٰ اللہ تعالےٰ کی عصمت کے بغیر نہیں ہوتا۔ اور اولیاء علماء کے حق میں اس کی حفاظت کے بغیر ترک کر دینا اور توجہ الی المولیٰ ناممکن ہے۔

پس جب فطری عصمت ان کو حاصل ہو جاتی ہے اور اللہ تعالےٰ کی حفاظت سے ان کی بلند ہمت غالب ہوتی ہے تو ضرورت غالبہ ان کے قوائے قلبیہ پر غالب نہیں ہو سکتی ہے

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان کے قدسی ذوق میں سے عطا کرے اور ان کے انسانی تحفوں سے ہمیں نفع دے۔

(۳۴) وَكَيْفَ تَدْعُوْاِلَى الدُّنْيَا ضَرُوْرَةُ مَنْ
لَوْلَاهُ لَمْ تَخْرُجِ الدُّنْيَا مِنَ الْعَدَمِ

چوں تواند خواند بر دنیا ضرورت زاں کہ گر
ماندے دنیا گہے بیروں نگشتے از عدم

کیا کرے مائل ضرورت ان کو دنیا کی طرف
گر نہ ہوتے آپؐ تو دنیا بھی ہوتی کالعدم

ترجمہ: اس ذات کو ضرورت دنیا کی طرف کیسے بلاسکتی ہے۔ کہ اگر وہ نہ ہوتا تو دنیا عدم سے نکالی جاتی۔ (وجود میں نہ آتی۔)

لفظی تشریح

محلی نے فرمایا ہے کہ تخرج فعل مجہول ہوکر استعمال ہو رہا ہے۔ اس میں ایک لطیف نکتہ ہے جو کہ (عارفین سے) مخفی نہیں ہے۔ الدنیا ادنی (اسم تفضیل) کی مونث ہے۔ بمعنی آخرت کی نسبت ہمارے زیادہ قریب۔ بعض نے کہا ہے کہ دنات سے مشتق ہے جس کا معنی کمینگی ہے۔ اس لفظ کو مقام تعجب سے نہایت مناسبت ہے۔ دنیا دراصل دار یا الحیٰوۃ کی صفت ہے۔ اور کبھی لفظ دنیا مال وجاہ کی اعراض کاسدہ واغراض فاسدہ کے معنوں میں مستعمل ہوتی ہے۔ اور ان کے تابع مال کے سبب وبال کا باعث بننے والی صورتوں پر بھی دنیا کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے دنیا مذموم وکمینی ہے البتہ جب

اللہ تعالےٰ کی رضا میں صرف ہو تو پھر مستحسن اور پسندیدہ بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ وارد ہوا ہے نیک مال نیک آدمی کے لیے ہی اچھا ہے لیکن اس کے باوجود اکابر کاملین کے نزدیک دنیا کا ترک کرنا ہی بہتر ہے۔ اسی سبب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے طالبِ دنیا! (تو دنیا کو طلب کرتا ہے) تاکہ تو نیک ہو جائے۔ تیرا دنیا کو ترک کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر ایک آدمی کی گود میں دراہم ہوں، وہ ان کو خرچ کرتا ہو اور دوسرا (تنہا) اللہ کو یاد کرتا ہو، تو اللہ کو یاد کرنے والا بہتر ہے۔ اس کو طبرانی نے روایت کیا۔

دنیا اور آخرت علی وجہ الکمال دونوں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہ دونوں سوکنیں۔ اور ترازو کے دونوں پلڑوں کی مانند ہیں۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے اپنی دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا اور جس نے اپنی آخرت کو پسند کیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ پس باقی رہنے والی چیزوں کو فانی ہونے والی چیزوں پر ترجیح دو۔

معنوی تشریح

ضرورت اختیاری وحاجت اضطراری اور فقر اس ذاتِ مقدسہ کو کیسے کمینی دنیا اور اس کے فانی اور ردی مقاصد کے میلان کی طرف بلا سکتے ہیں کہ اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو دنیا عدم سے وجود میں نہ آتی اور نہ ہی کوئی موجود جہاں میں سوائے موجد (اللہ تعالےٰ) کے اپنا وجود پاتا۔

اس شعر سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ دنیا حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے اور وہ صرف حضور کے لیے اور آپ کے متبعین کے لیے ہی پیدا کی گئی ہے۔ (جب

یہ بات ہے تو) وہ کیسے اس دنیا کے تابع ہو سکتے ہیں۔ یا اس کی خواہش میں مغلوب ہو سکتے ہیں۔ بلکہ ان کی عالی ہمت اور گراں قدر خواہش تو یہ ہے کہ باقی رہنے والی نعمتوں کی طرف بھی توجہ نہ کی جائے۔ چہ جائیکہ لذات فانیہ کی طرف میلان ہو۔ اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ دنیا اہل آخرت پر حرام ہے اور آخرت اہل دنیا پر حرام ہے۔ اور یہ دونوں اہل اللہ پر حرام ہیں۔

شعر میں اس حدیث کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد ہوئی اور آپ نے عرش کے پائیوں پر یہ لکھا دیکھا تھا :

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

تو آپ نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا کہ وہ آپ کو حضور کے وسیلہ سے بخش دے، تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا: اب جب کہ تم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے سوال کیا ہے تو میں نے آپ کو بخش دیا ہے۔ اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا۔ اس کو حاکم اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے زمین میں موجود تمام چیزیں ان کے لیے پیدا فرمائیں۔ اور رات، دن اور چاند، سورج وغیرہ کو ان کے لیے مسخر فرمایا۔ البتہ یہ مشہور حدیث قدسی لولاک لما خلقت الافلاک [عـــہ] (اے محبوب! اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا) جو ہے اس کی اصل کوئی نہیں ہے لیکن اس کے معنی صحیح ہیں۔ اور ان میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

عـــہ شارح کا یہ اعتراض اپنی جگہ پر درست ہے۔ اصل الفاظ یوں ہیں لولاہ ما خلقتک سے بحوالہ طبرانی، خصائص کبریٰ، ابونعیم

(۳۴) مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

آں محمد سیدِ کونین فخرِ انس و جاں
بہترِ اہلِ دو عالم مہترِ عرب و عجم!

ہیں محمد سید کونین شاہِ جن و انس
اور شہنشاہِ دو عالم مالکِ عرب و عجم

ترجمہ: حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم دنیا و آخرت، جن و انس اور عرب و عجم دونوں فریقوں کے سردار ہیں۔

لفظی تشریح

لفظ محمد میں کسرہ مروی ہے بسبب مَن کے بدل ہونے کے۔ اور مبتدا محذوف کی خبر ہونے کے لحاظ سے رفع بھی مروی ہے۔ مبتدا محذوف ھو ہے زیادہ درست یہ ہے کہ لفظ محمد مبتدا ہے اور سید تا آخر اس کی خبر ہے۔ کونین دنیا اور عقبیٰ۔ یہاں مراد ان کے اہل ہیں۔ یعنی (دنیا اور آخرت والے) یا کونین سے مراد عالم الغیب اور عالم الشہادۃ ہیں۔ کہا گیا ہے کہ سید الکونین میں اضافت فی کے ساتھ ہے۔

الثقلین اور الفریقین کا عطف کونین پر تعمیم کے بعد تخصیص کے واسطے ہے نیز اس بات کا جواب دینے کے لیے جس نے حضور کی رسالت کو جنوں کے علاوہ انسانوں کے لیے اور عجم کے علاوہ عرب کے لیے ہی خاص کر دیا ہو۔ مِن پہلا بیانیہ ہے اور

دوسرا ضرورت کی وجہ سے زائدہ ہے۔ عرب اور عجم میں دو لغات ہیں۔ عَرَب و عَجَم اور عُرْب و عُجْم۔ اس شعر میں نہایت عمدہ اسلوب بیان ہے۔

محمد اصل میں اسم مفعول برائے مبالغہ ہے۔ پھر یہ لفظ وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہو گیا۔ پس وصفیت کی خوشبو علمیت میں جھلکتی ہے۔

معنوی تشریح

حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم جن کے محامد و مناقب بے شمار ہیں اور جن کے ثناء خوان بھی کثیر ہیں جب کہ انھوں نے حضور کے مراتب کو پہچانا۔ وہ کونین میں ہر موجود شئ کے سردار اور عالمین میں ہر ظہور پذیر ہونے والی شئے سے افضل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دارین کو انھی کے سبب تخلیق فرمایا اور ان کو جنوں، انسانوں اور عرب و عجم میں سے ہر مکلف کے لیے رسول بنا کر بھیجا، بلکہ کہا گیا ہے کہ آپ ملائکہ کے بھی رسول ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ آپ شجر و حجر، نباتات اور تمام مخلوقات اور سب حیوانات کے رسول ہیں۔ بلکہ یہاں تک کہا گیا ہے کہ آپ گذشتہ انبیاء کے بھی رسول ہیں۔ پس بالاتفاق حضورؐ تمام کائنات سے علی الاطلاق افضل ہیں۔

(۳۵) نَبِیُّنَا الْاٰمِرُ النَّاھِیْ فَلَا اَحَدٌ
اَبَرَّ فِیْ قَوْلِ لَا مِنْہُ وَلَا نَعَمِ

آمر و ناہی پیغمبر آں رسولِ راست گو
راست گو تر زو بہ بد در قول 'لا' و در 'نعم'
امر و ناہی کے پیمبر ہیں نہیں اُن کا جواب
ہیں نہایت صاف گو وہ قول 'لا' ہو یا 'نعم'

ترجمہ : ہمارے پیارے نبی (نیکی کا حکم کرنے والے ہیں اور (برائی سے) روکنے والے ہیں پس کوئی بھی نفی یا اثبات کہنے میں حضور سے زیادہ راست باز نہیں ہے

لفظی تشریح

النبی، مہموز اللام ہے۔ اور ہمزہ کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے، بروزن فعیل بمعنی فاعل بھی ہے اور مفعول بھی۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم خبر دینے والے بھی ہیں (بمعنی فاعل) اور خبر دیئے گئے بھی ہیں (بمعنی مفعول) اور جمہور یائے مشدد کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ نبینا محمد کا مبدل منہ ہے۔ کہا گیا ہے کہ لفظ نبی نَبْوَۃٌ سے ماخوذ ہے۔ اور اس کا معنی بلندی ہے۔ پس حضور بلند مرتبہ ہیں۔ نبی ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس کو اللہ تعالے مبعوث کرے اور اس کی طرف وحی کرے۔ قطع نظر اس سے کہ اس کو تبلیغ کا حکم دیا ہے یا نہیں۔ پس نبی رسول سے عام ہے۔ آمر و ناہی سے حضور کے رسول ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ اَبَرُّ۔ بہت زیادہ سچا۔ راست باز۔

معنوی تشریح

ہمارے آقا و مولا اور نبی و رسول ہی من جانب اللہ مامور ہو کر پسندیدہ عقائد اعلیٰ اعمال اور بہترین اخلاق کا حکم دینے والے اور ردی افعال اور کمینے کاموں سے روکنے والے ہیں۔ اور حضور ناقصین کی تکمیل میں حاذق ہیں اور اپنی ہر خبر میں صادق ہیں کیونکہ آپ اپنی نفسانی خواہش کے باعث گفتگو نہیں فرماتے۔ بلکہ (زبان مبارک سے جو گفتگو صادر ہوتی ہے) وہ اللہ تعالے کی طرف سے جلی یا خفی وحی کے سبب ہوتی ہے۔ پس نفی و اثبات میں کوئی بھی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سچا نہیں اور نہ ہی وعدہ وعید اور باقی تمام حالات میں حضورؐ سے زیادہ کوئی حق کہنے والا ہے۔

(۴۶) هُوَ الْحَبِيْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ
لِکُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ

آں حبیبے کو بود امید گاہ مردماں
در شفاعت نزد سختیہائے پیچیدہ بہم

وہ حبیبؐ ایسے ہیں جن سے ہے شفاعت کی امید
ہوں گی نازل آفتیں پیش آئیں گے جب رنج و غم

ترجمہ: وہی ایک ایسا ذی شان محبوب ہے جس کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے۔ اچانک پیدا ہونے والے ہر خوف و مصیبت میں۔

لفظی تشریح

الحبیب بمعنی محبوب، مخلوق کی محبت، اپنے موافق کی طرف نفس کا میلان ہے اور خالق کی محبت اپنے بندے کے لیے یہ ہے کہ اللہ تعالٰے کا اس کو سعادت کے ساتھ قدرت دینا، اپنی عبادت پر توفیق دینا اور اس کے لائق اسباب کا مہیا کرنا ہے، کیونکہ بندے پر اللہ کی رحمتوں کے خزانوں سے فیضان ہوتا ہے۔ شفاعتہ، غیر کی مدد سے غیر سے فضل اور عفو طلب کرنا۔ الھول بمعنی خوف بمصدر ہے فاعل یا مفعول کے معنوں میں مستعمل ہے۔ اقتحم کسی معاملے میں شدت کے ساتھ داخل ہونا۔

معنوی تشریح

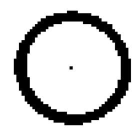
وہ بلند شان والا آقا اور واضح برہان والا نبی، وہ اللہ تعالٰے کا ایسا حبیب ہے جس کی شفاعت ثابت ہے۔ اور بڑے خوف میں ضرورت پوری ہونے کی امید کی جاتی ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے کئی شفاعتیں ثابت ہیں، جیسا کہ معتمد احادیث میں وارد ہے۔ ان میں سے ایک شفاعت عظمیٰ ہے۔ وہ مقامِ محمود پر لوائے حمد کا اٹھانا ہے۔ جس کا ہر چھوٹا بڑا محتاج ہے۔ یہ شفاعت یہ ہے کہ عذاب میں مبتلا لوگوں کا عذاب موقوف کرانا یا اس میں تخفیف کرانا۔ ایک یہ ہے مستحقین عذاب لوگوں کے گناہوں سے درگزر کرنا۔ ایک یہ ہے کہ مومنین میں سے اللہ تعالےٰ جن کو چاہے ان کے درجات بلند کرنا۔

(۴۷) دَعَا اِلَى اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِكُوْنَ بِهٖ
مُسْتَمْسِكُوْنَ بِحَبْلٍ غَيْرِ مُنْفَصِمِ

مردرا خواندی بحق و ہر کہ دروے دست زد
دست زد در حبلِ محکم کاں بریدہ نشندم

دعوتِ حق آپ نے دی اور کیا جس نے قبول
اس نے ایسی ڈور تھامی جو نہ ہوگی منفصِم



(۴۸) فَاقَ النَّبِيِّيْنَ فِيْ خَلْقٍ وَّفِيْ خُلُقٍ
وَلَمْ يُدَانُوْهُ فِيْ عِلْمٍ وَّلَا كَرَمِ

بہتر پیغمبراں در خلق و در خلق آمدہ
کس چوا و نامدنہ در علم و نہ در وصفِ کرم

سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے خلق میں اور خلق میں
انبیاء میں سب سے اکمل آپؐ کا علم و کرم

ترجمہ: حضور تمام انبیائے سے حسنِ صورت و حسنِ سیرت میں بڑھ گئے۔ اور کوئی بھی علم اور کرم میں حضور کے برابر نہیں ہے۔

لفظی تشریح

فاق فوق سے مشتق ہے۔ رفعت میں زیادہ ہونا۔ الخلق حسنِ صورت۔ اور وہ اعضا کا موزوں اور اشکال کا متناسب ہونا۔ اَلْخُلُق الخُلُق حسنِ سیرت! اور وہ قوائے نفسانیہ کا معتدل ہونا اور ان کا کمال سے متصف ہونا ہے۔ اوصاف کمال میں سے علم کو خاص کیا کیونکہ وہ تمام فضائل کی اصل ہے اور کرم کو خاص کیا کیونکہ یہ نعمتوں میں سے ہے اور وہ قدرت پر مبنی ہے پس یہ دونوں (علم و کرم) تمام کمالات کا مجموعہ ہیں۔ اور نظام کائنات کا مدار ہیں۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے جمال صوری میں اس قدر فوقیت لے گئے کہ لوگوں نے آپ کو کریم ابن کریم ابن کریم پکارا اور کمال معنوی میں اس قدر بڑھ گئے کہ اللہ تعالےٰ نے بھی اس آیت میں حضور کی تعریف کی۔ وانک لعلی خلق عظیم۔

جب انبیاء میں سے کوئی بھی علم کی کسی جنس میں اور کرم کی کسی نوع میں آپ کے متقارب نہیں ہوا، تو علماء، اولیا اور اصفیا میں سے کوئی کس طرح حضور کے ساتھ ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ ان رفیع الشان مناقب کی تفصیل مواہب لدنیہ میں دیکھیں۔

(۳۹) وَكُلُّهُمْ مِنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ
غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّيَمِ

ملتمس از وے ہمہ انبیا و از رسل
یک کف از دریائے علم و شربتے ز ابرِ کرم

انبیا سب ملتمس ہیں تاکہ مل جائے انھیں
ایک جرعہ بحر سے یا قطرہ از ابرِ کرم

ترجمہ: ان (انبیاء) میں سے ہر ایک نبی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے طلبگار ہے۔ سمندر سے ایک چلّو کا یا موسلا دھار بارش سے ایک گھونٹ کا۔

لفظی تشریح

الغرف چلّو بھرنا۔ الرشف بارش۔ الدِیَم دیمۃ کی جمع۔ رات دن مسلسل برسنے والی بارش۔ رسول اللّٰہ۔ اسم ظاہر کو اسم ضمیر کی جگہ ذکر کیا تاکہ حضور کے وصف رفیع پر تنبیہ ہو۔

معنوی تشریح

تمام انبیاء یا ہر ایک (ان میں سے) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کناں اور طالب امداد ہے جو کہ فرد کامل ہیں اور صاحب فضل مددگار ہیں وہ بحر علم سے کچھ شئے یا مدد کثیر کے طلب گار ہیں اور وہ آپ کی نعمتوں کے عطیات اور کرم کی بارشوں سے تھوڑی سی مقدار کے خواہاں ہیں۔

(۴۰) وَوَاقِفُونَ لَدَيْهِ عِنْدَ حَدِّهِمِ
مِنْ نُقْطَةِ الْعِلْمِ اَوْمِنْ شَكْلَةِ الْحِكَمِ

نزدِ او استادہ جملہ ہر یکے در حدِ خویش
نقطۂ از علم دارد یا نصیبے از حکم

اپنے حدِ مرتبہ پر سب کھڑے ہیں رو برو
جیسے نقطہ لفظ میں اعراب لفظوں میں بہم

ترجمہ: وہ (تمام کے تمام) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنے اپنے مقام پر علم کے نقطہ یا حِکَم کی شکل کی مانند کھڑے ہیں۔

لفظی تشریح

لدیہ حضور کے سامنے۔ حدّ غایت منتہٰی۔ حِکَم۔ حکمۃ، کی جمع۔ رائے اور تدبیر کو پختہ کرنا۔ علامہ نے نقطہ کو علم، اور شکل کو حِکَم کے ساتھ خاص کیا، کیونکہ شکل سے مزید بیان حاصل ہوتا ہے جو نقطہ سے نہیں۔ یوں ہی کہا گیا ہے، لیکن اظہر یہ ہے کہ زیادہ ظہور کے لیے نقطہ اولیٰ ہے اسی وجہ سے اس کو علم کی طرف مضاف کہا گیا ہے۔ اور شکل ایک امر زائد ہے۔ اگرچہ نقطہ پر واضح شہادت کا مدار ہے لیکن شکل، نقطہ پر منحصر مفہوم کی ماہیت سے خارج ہے۔ اسی وجہ سے اس کو حِکَم کی طرف منسوب کیا گیا۔ حِکَم ایسے دقیق امور ہیں، جو علوم شرعیہ کی طرف متفرع ہوتے ہیں۔

اسی وجہ سے حکمار ظاہریہ کے رئیس نے جب باطنی حکمائے کے رئیس سے مستغنی ہونے کا ارادہ کیا تو اس کو دروازے سے لوٹا دیا گیا اور وہ ایسے حجاب میں پڑ گیا جو ثواب سے

محروم اور عذاب میں مبتلا ہونے پر منتج ہوتا ہے۔

اور جب لفظ "کل" لفظاً و معنیً منفرد ہے تو اولاً ملتمس میں اس کی طرف لوٹائی جانے والی ضمیر کو مفرد لانا جائز ہے۔ اور دوسری مرتبہ واقفوں میں جمع لانا جیسے کہ اللہ تعالےٰ کا قول کل کذب الرسل۔ ہر ایک نے رسولوں کی تکذیب کی۔ (کل لہ قانتون) ہر کوئی اس کا فرمانبردار ہے۔ (پہلی جگہ صیغہ واحد اور دوسری جگہ جمع مستعمل ہوا)۔

معنوی تشریح

علم سے مراد اللہ تعالےٰ کا غیر متناہی علم ہے۔ اور حکمت سے وہ حکمت مراد ہے جو گنتی اور شمار سے باہر ہو۔ پھر اللہ تعالےٰ کے سامنے تمام انبیاء اور علماء کے ہر قسم کے علوم ایک نہ ختم ہونے والے نقطہ کی مانند ہیں۔ اور تمام لا   داناؤں کی ہر قسم کی دانائی اللہ تعالےٰ کی لامعدود حکمتوں کے سامنے بمنزلہ ایک حرکت کے ہے۔ یہ نقطہ اور حکمت مکمل طور پر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے خاص ہیں۔ جب کہ باقی تمام انبیاءؑ کے لیے ایک معین حد اور معلوم و ظاہر مقام ہے جس پر وہ فائز ہیں۔ ذرا بھر اس سے آگے نہیں گزر سکتے ہیں۔

میں (شارح) نے جو کچھ نقطۂ العلم کے بارے میں بیان کیا وہ اللہ تعالےٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ (تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا)۔ یا حضرت خضر اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب ایک چڑیا نے اپنی چونچ پانی میں ڈبوئی تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: تمہارا، میرا اور تمام مخلوق کا علم اللہ تعالےٰ کے علم کے مقابلے میں صرف اسی قدر ہے جتنا کہ اس چڑیا نے اپنی چونچ پانی میں ڈبوئی۔ اس کو بخاری نے روایت کیا۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ علم و حکم سے حضور کے تمام علوم و حکمتیں مراد ہوں۔
کیونکہ حضور کا علم کئی اقسام کے فنون پر مشتمل ہے جیسے علمِ قرأت ، علمِ تفسیر، علمِ فقہ ،
علمِ تاریخ ، علمِ مواعظ ، علمِ عقائد وغیرہ۔ مذکورہ اقسام میں سے ہر ایک علم و فن پر کئی
مجلّدات تصنیف ہوئیں۔ کئی کتابیں تالیف ہوئیں۔

ایسے ہی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی حکمتیں ہر قسم کی حکمتوں کی جامع ہیں۔ ان میں
سے ایک طب ظاہری ہے جو جسم سے متعلق ہے اور امراض روحانی کا معنوی علاج
کرنے کا علم ہے۔ ان میں سے ایک اشیاء کے خواص اور ان کے منافع اور نقصانات
کا علم ہونا ہے انہی میں ایک احوال فلکی و آفاقی کا علم ہونا ہے جس کو علم الہیئۃ کہتے ہیں۔
ان میں سے ایک غیبی امور کا علم ہونا ہے جن کے متعلق کاہن اور نجومی عاجز ہو گئے
ان میں سے ہی یہ علوم بھی ہیں۔ حقائق صوفیا۔ کا علم اور لغت عربی کے دقائق کا علم
پس ان علوم کی تحریر سے کئی کتابیں مدوّن ہو گئیں اور ان کی تقریر نے منبر مزین ہو گئے
یہاں تک کہ علمائے امت ورثائے انبیاء بن گئے اور ان کے لیے خوارق عادات
ظاہر ہوئیں جو اولیاء اور اصفیا کی طرف منسوب ہیں۔ پس ہر نبی کا علم اور حکمت حضور
کی کتابِ علم کا ایک نقطہ ہے۔ اور حضور کے باب حکمت کی ایک حرکت ہے۔
یعنی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے مقام و منزلت کی نسبت باقی تمام انبیاء کا رتبہ
اور حد کی حیثیت وہی ہے جو ایک نقطہ کو لفظ سے اور ایک شکل کو اس کے معنی اور مفہوم سے۔
اسی وجہ سے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛ مجھے جامع کلمات دیئے گئے
اور مجھے مکارمِ اخلاق کا حکم دیا گیا۔ اللہ تعالٰے کے اس قول کا اسی طرف اشارہ ہے؛
وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (تم اپنے رب کی طرف سے نازل

کئے گئے قرآن کا بہترین اتباع کرو۔

(۴۱) فَهْوَالَّذِی تَمَّ مَعْنَاهُ وَ صُوْرَتُهُ
ثُمَّ اصْطَفَاهُ حَبِیْبًا بَارِئُ النَّسَمِ!

از خلائق او بود در صورت و معنی تمام
برگزیدش بر محبت خالق روح و نسم!

صورت و سیرت میں ہیں سرکار عالی مرتبت
اس لیے ان کو کیا حق نے حبیبِ محترم

ترجمہ: پس وہی ایسی ذات ہے جو معناً وصورتاً مکمل ہوئی۔ پھر ذی روح کو پیدا کرنے والے نے آپ کو حبیب منتخب کر لیا۔

لفظی تشریح

فھو میں ھاء کو ساکن پڑھا جائے گا۔ اور معناہ میں ہٗ کو اشباع کے ساتھ۔ یہ دونوں مشہور و متواتر لغات ہیں۔ پس جس نے کہا کہ یہ ضرورتِ شعری کی وجہ ہے اس نے غلطی کی۔ حبیباً حال واقع ہو رہا ہے اور بعض نے کہا کہ یہ اصطفیٰ کا مفعول ثانی ہے کیونکہ اصطفیٰ جعل کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ النسم۔ نسمۃ کی جمع ہے اس سے مراد یا تو نفس (روح) ہے یا ہر ذی روح ہے بعض نے کہا کہ آدمی مراد ہے فھو میں فاء جزاء کے لیے ہے۔

معنوی تشریح: جب معلوم ہو گیا کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام سے حسن و سیرت میں بڑھ گئے ہیں اور شریعت و حقیقت میں یا احوال و اعمال میں یا علم و عمل میں یا

ظاہر و باطن میں یا مخلوق اور اللہ تعالےٰ کے ساتھ معاملہ میں یا مطلق کمال میں تمام انبیاء پر فوقیت لے گئے نہیں تو یہ بات ظاہر ہو گئی کہ زمین و آسمان کی تخلیق کرنے والے اور روحوں کو پیدا کرنے والے نے آپ کو تمام مخلوق سے چن لیا ہے۔ لفظ ثُمَّ یہاں صفات مصطفویہ میں ترتیب ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ اور بعض نے کہا کہ یہ (ثُمَّ) باب تراخی میں سے ہے۔

یعنی آپ کے لیے صورت و سیرت مکمل ہونے کے بعد نبوت کا مرتبہ مقرر کیا گیا۔ اگرچہ اس مرتبہ کا عطا کرنا کمالات صوریہ کے وجود پر موقوف نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالےٰ ہر شئ پر یکساں قادر ہے۔ اختلاف تو امور عادیہ کی بنیاد پر ہے۔

اس میں اصطفاء کی مدت کے انتظار کا بھی اشارہ ہے۔ اور حضرت عیسیٰ اور حضرت یحیٰ پر ترجیح کی طرف اشارہ ہے۔ پس جس کو بچپنے میں نبوت عطا کی گئی اگرچہ ذہن میں مذکورہ بیان کا الٹ متوہم ہے (پھر بھی حضور کا مقام و مرتبہ مرجّح ہے) یہ (مضمون) کمالات عصامیہ سے مستفاد ہے۔

شعر میں اللہ تعالےٰ کے اس قول کی طرف تلمیح ہے۔ اللہ یصطفی ... الخ اللہ تعالیٰ ملائکہ اور لوگوں میں سے رسول منتخب کرتا ہے۔ اور اس حدیث صحیح کی طرف بھی تلمیح ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالےٰ نے اولاد اسمٰعیل سے کنانہ کو منتخب کیا۔ کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم سے مجھ کو چنا۔ اس کو مسلم نے روایت کیا۔ اور ایک روایت میں ہے: اللہ تعالےٰ نے اولاد ابراہیم میں اسمٰعیل کو چن لیا... الخ اس کو ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کیا ہے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں بروز قیامت بنی آدم کا سردار ہوں،

لیکن کوئی فخر نہیں ۔میرے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا لیکن کوئی فخر نہیں ۔اس روز حضرت آدم اور ان کے علاوہ تمام انبیاء میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے ۔میں پہلا انسان ہوں جس کی قبر شق ہوگی، لیکن کوئی فخر نہیں ۔میں سب سے پہلا شافع اور مُشَفَّع (جس کی شفاعت قبول کی جائے) ہوں اور کوئی فخر نہیں ۔اس کو احمد، ترمذی اور ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہم نے روایت کیا۔

(۴۲) مُنَزَّہٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِہٖ
فَجَوْھَرُ الْحُسْنِ فِیْہِ غَیْرُ مُنْقَسِمٖ

او منزہ از شریک اندر محاسن آمدہ
جوہرِ حسن محمدؐ پارہ نامدر رقم!

کوئی عالم میں نہیں ان کا محاسن میں شریک
حسن میں جوہر ہے یکتا جو نہ ہوگا منقسم!

ترجمہ: آپ اپنے محاسن میں شریک سے منزہ ہیں ۔پس حضور کی ذات مقدسہ میں جوہر حسن غیر منقسم ہے۔

لفظی تشریح

منزہ خبر ثانی ہے ھُوَ کی ۔المحاسن حسن کے خلاف قیاس جمع آئی ہے ۔فِیْہِ اشباع ضمیر کے ساتھ ۔جار مجرور حسن کی صفت یا حال ہے، جوہر حسن جو کہ عرض ہے ۔اس کو ثابت کرنے اور اس پر عدم انقسام کا حکم لگانے میں لطافت ہے جو مخفی نہیں۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے شاندار جمال صورت اور عمدہ سیرت میں کوئی بھی اس جہاں میں آپ کا شریک نہیں ہے۔ یا تو حقیقی طور پر من حیث المجموع تمام محاسن میں یا فرداً فرداً ہر ایک میں۔

گویا دوسروں کے محاسن حضور کے مقابلے میں حسن ہیں ہی نہیں۔

(۴۴) دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمِ
وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِمِ

آنچہ ترسایاں بگفتند در حقِ عیسیٰؑ مگو
پس بگو در حقِ سیّد آنچہ خواہی در حکم

جو نصاریٰ نے کہا عیسیٰؑ کے حق میں تو نہ کہہ
جس قدر ممکن ہو کر مدحِ نبیؐ محترم

ترجمہ: نصاریٰ نے اپنے نبی کے متعلق جو دعوے کئے ان کو چھوڑ (ان کے علاوہ) جو چاہے بطور مدح حضور کی ثنا خوانی میں حکم لگاؤ اور دانائی استعمال کرو۔

لفظی تشریح

لفظ نبی میں یا پر تشدید بھی جائز ہے اور ہمزہ کے ساتھ بھی جائز ہے۔ اور جمع کی ضمیر (ہم) کی میم کو اشباع کے ساتھ بھی پڑھ سکتے ہیں وقف بھی کر سکتے ہیں مدحا تمیز ہے۔ الاحتکام حکمت کا استعمال کرنا۔ اور حکم کو پختہ کرنا۔

معنوی تشریح

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں وہ باتیں ترک کر دے جن کا دعوی نصاریٰ نے اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے کیا۔ جیسے اتحاد، حلول، تثلیث، تناسخ، توالد اور اس کے علاوہ ایسی چیزیں جو کفر، شرک اور گمراہی کا سبب بنتی ہیں، جن پر عذاب اور سخت وبال مترتب ہوتا ہے۔ بعض نے کہا: مسیح ابن اللہ ہیں۔ بعض نے کہا: اللہ تعالے ہی مسیح ہے۔ بعض نے کہا: اللہ تعالے تین میں سے تیسرا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علو منصب و مرتبہ اور شان کی بلندی کے باعث حضور کی نعت اور مدح کے طور پر جو چاہو کہو۔ لیکن دانائی سے کلام کرنا۔ مدح کا حکم لگانے میں توقف کرنا تاکہ حضور کی نعت حد انسانی اور وصف صمدانی سے متجاوز نہ ہو۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: یا اهل الكتاب لا تغلو فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق اے اہل کتاب! اپنے دین میں غلو نہ کرو اور حق کے سوا اللہ تعالے کے لیے کوئی بات نہ کرو کہاں خاک اور کہاں رب الارباب۔

(۴۴) وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ شَرَفٍ
وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَا شِئْتَ مِنْ عِظَمٖ

نسبت اندر ذاتِ او کن ہر چہ خواہی از شرف
نسبت اندر قدر او کن ہر چہ خواہی از عظم

جو شرف ہو ذاتِ اقدس کی طرف منسوب کر
جتنی عظمت چاہیئے کر شان والا میں رقم!

ترجمہ: حضور کی ذاتِ مقدسہ کی طرف جو چاہو عظیم مرتبہ منسوب کر دو۔ اور آپ کے قدر رفیع کے ساتھ جو چاہو عظمت بیان کرو۔

لفظی تشریح

ما موصولہ ہے۔ من بیانیہ ہے۔ تنوین برائے تعظیم یا فصاحت ہے۔

معنوی تشریح

جب تم نصاریٰ کے دعویٰ اور حیرت زدہ لوگوں کی گفتگو کی مانند (بیہودہ باتوں کو) ترک کر دو گے تو پھر تمہارے لیے گنجائش ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ معظمہ کی طرف نسبت کے دائرہ میں رہ کر اوصاف مکرمہ جیسے جمالِ صورت، کمالِ اخلاق، پسینے کی خوشبو، عقل کی تیزی، دل کی صفائی، بلاغتِ کلام، فصاحتِ لسان اور باقی تمام کمالات میں سے جو چاہیں بیان کریں، کیونکہ آپ منبع احسان اور مبدع رحمان ہیں۔ اور یہ بھی تمہارے لیے رخصت ہے کہ حضور کے کمالِ قدرت و مرتبہ، حضور کی عظمت اور باوقار ہیبت کا احاطہ کرنے والی نسبت ہیں، انواعِ عظمت، فنونِ کرامت اور اجناس معجزہ جن کی حد غیر منقضی اور تعداد غیر معدود ہے، میں سے جو چاہیں (حضور کی ثناخوانی کے لیے) منسوب کریں۔

(۴۵) فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَيْسَ لَهٗ
حَدٌّ فَيُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

فضل وجاہِ مصطفٰے حدّے ندارد در کمال
تا تواند کرد شخصے روشن آں را بیش وکم

حد نہیں ہے کوئی حضرت کے کمال و فضل کی
ہو بیاں کس منہ سے توصیفِ شہ خیر الامم

ترجمہ: بے شک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کی کوئی حد نہیں کہ جس کو کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکے۔

لفظی تشریح

الفاء برائے تعلیل کیونکہ بالتفصیل مدح ناممکن ہے۔ یعرب کا نصب نفی کے جواب میں واقع ہونے کے باعث ہے۔ عنہ کی ضمیر حد کی طرف راجع ہے۔ اور وزن کی رعایت کرتے ہوئے اس کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ الباء برائے استعانت ناطق سے متعلق ہے یا یعرب کے الاعراب کا معنی (یعرب کا مصدر) فصاحت، بیان اور وضاحت ہے۔ اور یہ سوائے زبان کے ناممکن ہے۔ پس اس کو منہ سے (بیان کرنے کو) تعبیر کرنا محل بول کر حال مراد لینا ہے۔ اس کو ذکر کرنے کا فائدہ باوجود اس کے کہ نطق اس کے بغیر نہیں ہوتی، عموم حکم کے افادہ میں زیادتی ہے۔ وما من دابۃ فی الارض اس کے نظائر میں سے ہے۔

معنوی تشریح

میں نے تو تمھیں صرف حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ کمالیہ کے متعلق اجمالی طور پر منسوب کرنے کو کہا، کیونکہ حضور کے فضائل تفصیلیہ کی کوئی انتہا نہیں ہے کہ کوئی غایت تک ان کو بیان کر سکے۔ اگرچہ وہ بیان کرنے والا علماء اور فصحاء کے مرتبہ کو ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔

اس میں اشارہ ہے کہ حضور تمام ملائکہ اور تمام انبیاء سے افضل ہیں، بلکہ یہ بھی

اشارہ ہے کہ ذات محمدیت اور صفات احمدیت کی حقیقت کو کوئی نہیں جانتا مگر وہی جو ربوبیت کی صفات سے موصوف ہو۔ اسی وجہ سے بعض عارفین نے فرمایا، خلق نے صفات الوہیت کو تو پہچان لیا مگر صفات مصطفویہ کو نہ پہچانا۔

(۴۶) لَوْنَاسَبَتْ قَدْرَہٗ اٰیَاتُہٗ عِظَمًا
اَحْیَیٰ اسْمُہٗ حِیْنَ یُدْعٰی دَارِسَ الرِّمَمِ

در خورِ قدر بزرگی گر نمودے معجزات
یادِ نامش زندہ کردے استخوانہائے رمم

ان کی عظمت کے برابر معجزے ہوتے اگر
ہوتے زندہ نام سے سب استخواں ہائے رمم

ترجمہ: اگر آنحضرت کے معجزات از روئے عظمت آپ کے مرتبہ کی مناسبت کر لیتے، تو جب بھی آپ کا نام لیا جاتا وہ بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کر دیتا۔

لفظی تشریح

العظم۔ صغر کی ضد جیسا کہ قاموس میں ہے۔ پس یہ عظمت کے لیے مستعار ہوگا الرمم الرمۃ کی جمع ہے۔ بوسیدہ ہڈیاں۔ جب نشان مٹ جائے تو کہتے ہیں۔ درس الرسم نشان بالکل مٹ گیا۔ پس اندراس کا ذکر بوسیدگی میں اضافہ ہے۔ قدارہ مفعول بہ ہے بسبب اہمیت کے اظہار کے مقدم رکھا گیا ہے۔ عظم تمیز ہے۔ جیسے طاب زید نفسا۔ اسمہ فاعل ہے احیٰی کا۔ احیار کی نسبت رب طرف اسم، مجازی ہے۔

کیونکہ احیا حقیقی صفات الٰہیہ میں سے ہے۔ یدعی کی ضمیر اسمہ یا اللہ کی طرف راجع ہے کہ اس کو حضور کے نام سے پکارا جاتے۔ د اس مفعول واقع ہو رہا ہے۔ اور اس میں اضافت از قبیل صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ یہ سارا جملہ لَوْ کے جواب میں ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلّم کے لیے ایسی واضح نشانیاں ظاہر ہوئی ہیں جو آپ کی رسالت و نبوت پر دلالت کرتی ہیں اور ہمارے نبی مکرم کے لیسے معجزات و کرامات ہیں جو حضور کے علو مرتبت اور رفعتِ عظمت کا شعور دلاتے ہیں۔ جتنا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق آپ کے مرتبہ، حکمت اور ارادے کا اقتضار ہے۔ اور آپ کے جملہ معجزات میں سے حضور کی امت کے بعض افراد کے ہاتھوں مردوں کو زندہ کرنا ہے اس کے باوصف اگر اللہ تعالے حضور کی ذات مبارکہ اور عمدہ نشانیوں کے درمیان خوب صورت اور مکمل مناسبت چاہے تو قطع نظر کسی نشانی کے حضور کے کسی نام اقدس یا وصف عالی کو جب بھی پکارا اور ذکر کیا جاتے تو اللہ تعالے حقیقی اور مجازی اموات سے بوسیدہ ہڈیوں اور فانی اجسام کو زندہ کردے، کیونکہ اسم محمدی اور وصف احمدی کی یہ خاصیت رکھی گئی ہے کہ جب بھی کسی میت پہ ذکر کیا گیا تو وہ زندہ ہو گیا۔ کسی کافر یا غافل نے ذکر کیا تو اس کو مومن بنا دیا، اور ذاکر بن گیا لیکن اللہ تعالے نے اس درمکنون کے جمال اور نکتہ سابقہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ اس محفوظ جوہر کے کمال کو پوشیدہ کر دیا۔ شاید یہ اس لیے کہ ایمان غیبی ہو اور امر تکلیفی ہو نہ کہ شہود عینی اور عیاں بدیہی ہو۔ یا اس لیے کہ عوام کے اقدام کے لیے پھسلنے کی جگہ اور ملکِ علّام اللہ تعالیٰ،

کی معرفت کے باعث جاہلوں کو نقصان دینے کا مقام نہ بن جائے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس مقام پر یدعی کی ضمیر اسمہ کی طرف لوٹنے سے مبالغہ ہے یہ اس سے اولیٰ ہے کہ کہا جائے، یدعی اللہ تعالیٰ باسمائہ الحسنیٰ۔ یہ مراد نہیں ہے کہ قرآن کی شان حضور کے شرف کے باعث ہے جس کا بیان ناممکن ہے، کیونکہ سلسلہ کلام عظمت دلالت میں ہے نہ کہ شرف گفتگو (انداز بیان) میں۔ اگر قرآن کی دلالت ہمارے عظیم الشان نبی کی عظمت کی مقدار کے مطابق ظاہر ہو، تو کوئی بھی آپ کی نبوت و رسالت سے انکار نہ کرے۔ اور اللہ تعالےٰ دنیا میں آپ کی عظمت کو ظاہر کر دے۔

اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ولوان قرانا سیرت به الجبال.....الخ (اگر اس قرآن کے ساتھ پہاڑوں کو چلایا جائے۔ یا زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ یا مردوں سے گفتگو کی جائے) تو یہ قرآن ایسا ہو سکتا ہے، لیکن اس کو مذکورہ باتوں سے روک دیا گیا ہے، کیونکہ یہاں ایک بہت بڑا مانع تھا۔ بلکہ تمام معاملہ اللہ تعالےٰ کے ہاتھ میں ہے۔

میرے خیال کے مطابق اگر ناظم یوں کہتا ہے

لوناسبت قدرہ ایاتہ عظما

احیی اسمہ حین یدعی العظم فی الرجم

تو زیادہ مناسب ہوتا۔ مناسب لفظی مناطق نطقی کے قریب تر ہوتا اور حضور کی جامع ذات مقدسہ جن مشتمل لطائف کی متقاضی ہے ان کی بھی رعائت ہوتی۔

(۴۷) لَمْ یَمْتَحِنَّا بِمَا تَعْیَ الْعُقُوْلُ بِہٖ
حِرْصًا عَلَیْنَا فَلَمْ نَرْتَبْ وَلَمْ نَہِمِ

آنچہ او فرمود عقل از فہم آں عاجز نہ شد
بر صلاحِ ما حریصت بے گمان و بے نہم

باز رکھا امتحاں سے جس سے عاجز ہو سمجھ
مہربانی کی نہ بچتے یوں گماں و شک سے ہم

ترجمہ: آپ نے ہمیں آزمائش میں مبتلا نہیں کیا کہ (جس کے ادراک سے) عقلیں عاجز آجائیں۔ ہماری بہتری کی حرص کرتے ہوئے تو نہ ہم نے شک کیا اور نہ ہی ہم متحیر ہوئے۔

لفظی تشریح

الامتحان ابتلا، آزمائش۔ وعیٰ کسی کام سے عاجز ہونا اور ہدایت حاصل نہ کرسکنا۔ العقل ایک ایسا ملکہ ہے کہ صاحبِ عقل اس کے سبب رسوائیوں سے بچتا ہے۔ اور غیر پسندیدہ چیزوں سے رکتا ہے۔ الحرص کسی شئی میں شدید رغبت کرنا۔ اس کی طرف میلان کرنا۔ کوشش کرنا۔ الارتیاب شک تردد۔ وھم اس کو کہتے ہیں جبکہ جانب باطل راجح ہو۔ ھام عقل مند آدمی کا متحیر ہونا۔

ما موصولہ ہے۔ بہ میں ضمیر اللہ کی طرف راجح ہے۔ حرصًا مفعول لہ ہے یا حال۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی بے پایاں نرم خوئی اور بے حد رحمت کے باعث، عقائد اسلام میں سے ایسی کوئی بات نہیں لاتے اور نہ ہی ہمیں کسی ایسے حکم کی تکلیف دی ہے کہ جس کے ادراک سے عقل عاجز آ جائے۔ یا صاحب عقل اس کے ادراک سے عاجز ہو کہ کون اس ملت بیضاء اور نورانی یکسوئی کو لایا، کیونکہ حضور ہمارے بہت زیادہ خیر خواہ ہیں اور مکمل طور پر آپ کی توجہ ہماری طرف ہے۔ پس ہم نے آپ کی رسالت میں شک نہیں کیا اور آپ کی متابعت میں حیران نہیں ہوئے۔ حقیقت و شریعت کے درمیان حضور کے جامع طریقہ کے بغیر ہم نے کوئی دوسرا راستہ اختیار نہیں کیا۔ اس شعر میں اللہ تعالے کے اس قول کی طرف اشارہ ہے:

لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤوف رحیم۔

(۴۸) اَعْیَی الْوَرٰی فَهْمُ مَعْنَاهُ فَلَیْسَ یُرٰی
لِلْقُرْبِ وَالْبُعْدِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْفَحِمِ

عاقلاں از فہمِ معنّیٰ محمّد عاجز انہ
اہلِ عالم جملہ در وصفش کشیدستند دم

سرِّ باطن کی حقیقت نے کیا خلقت کو دنگ
دور سے نزدیک سے بس فہم بھی ہے منفحم!

ترجمہ: اس کے معانی کے مفہوم نے مخلوق کو عاجز کر دیا ہے۔ پس قرب و بعد میں کوئی آپ کے برابر نہیں ہے مگر عاجز۔

لفظی تشریح

الاعیا عاجز بنانا۔ الوری مخلوق۔ معناہ کی ضمیر اشباع کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ المعنی مقصودِ کلام۔ مکمل طور پر کسی شی کا کمال۔ فی القرب کی بجائے ایک نسخہ میں للقرب بھی ہے تو وہاں لام بمعنی فی ہے۔ منہ کی بجائے ایک نسخہ میں فیہ ہے۔ بہر نوع ضمیر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ ایک نسخہ میں منہم ہے۔ دریں صورت ضمیر وری کی طرف راجع ہے۔ دوسرے نسخہ کے مطابق معناہ کی طرف ضمیر کا لوٹنا جائز کیا گیا ہے۔ الانفحام الزام کو قبول کرنا۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مدمقابل پر جب الزام لگایا جائے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے۔ فہم کی طرف اعیا کی نسبت مجازی ہے۔ اصل میں ہے، اعیی اللہ الوری فہم معناہ۔ یعنی اللہ نے مخلوق کو اس کی حقیقت سمجھنے سے عاجز کر دیا ہے۔ فہم اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اصل میں تھا، فہمھم معناہ۔ لیس میں ضمیر شان مستتر ہے اور مابعد اس کا ضمیر شان کی تفسیر ہے۔ یُری فعل مجہول ہے۔ فی القرب والبعد، لیس کے متعلق ہے۔ غیر میں نصب بلحاظ یری کا مفعول ثانی ہونے کے جائز ہے، اس تقدیر پر کہ جب وہ رؤیۃ سے مشتق ہو۔

معنوی تشریح

حضور کے شاندار پوشیدہ معانی اور آپ کے عمدہ کمالات سریہ نے تمام کائنات اور مخلوقات کو عاجز کر دیا۔ پس کوئی بھی قرب و بعد دونوں مکانوں میں یا عہد اور عصر

دونوں زمانوں میں حضور کا مساوی نہیں دیکھتا بلکہ جانتا بھی نہیں مگر وہ جو حضور کے معنیٰ حقیقی کے ادراک سے عاجز اور آپ کی بنائے حقیقی سے ساکت ہے۔ برابر ہے کہ اس نے حضور کو دیکھا یا نہیں دیکھا سعادت مند ہے وہ جس نے آپ کا دیدار کیا۔ یا اپنے آقا کے مطالعہ یا آپ کے کمالات اور قرب کے مطالعہ سے متحیر ہوا جس کے حق میں کہا گیا ہے۔ ہائے شوقِ فراواں کتنا بڑا قرب ہے۔ اور کتنے عظیم کمالات ہیں۔ (اس کا) تحیّر آپ کی ذات کے علو اور صفات کی رفعت میں حال یا مقام میں اللہ تعالیٰ کے قرب کے سبب ہے جیسا کہ اولوالعزم رسولوں مقربین فرشتوں اور حاملین عرش کو حاصل ہے۔

(۴۹) كَالشَّمْسِ تَظْهَرُ لِلْعَيْنَيْنِ مِنْ بُعُدٍ
صَغِيْرَةً وَّتُكِلُّ الطَّرْفَ مِنْ اَمَمِ

مثلِ خورشید است شانش گو بود کوچک ز دور
در برابر چشم ہائے مردم انداز د بہم

وہ ہیں مثلِ شمس جو ظاہر ہو چھوٹا دُور سے
اور آنکھیں قرب سے ہوتی ہیں خیرہ ایک دم

ترجمہ: جیسے کہ سورج دور سے چھوٹا معلوم ہوتا ہے اور قریب سے آنکھ کو (دیکھنے سے) عاجز کر دیتا ہے۔

لفظی تشریح

بُعُدٍ ایک لغت میں دوضموں کے ساتھ۔ الاکلال ادراک سے عاجز کر دینا۔ الطرف آنکھ۔ اَمَمِ بفتحتین، قرب۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متذکرہ بالا وصف کے معانی کے ادراک اور معانی کی سمجھ سے قریب وبعید اور بدبخت ونیک بخت سب عاجز ہو گئے۔ جیسے سورج ہے دور سے آنکھوں کو چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور قریب سے دیکھنے والے کو عاجز بنا دیتا ہے۔ اور دیکھنے والا ورطۂ حیرت میں پڑ جاتا ہے۔

یہ تشبیہ معقول کی محسوس کے ساتھ ہے تاکہ فہم منکوس کے لیے معنی قریب کیا جا سکے۔

حاصل کلام یہ کہ سورج (سائنس دانوں) کے کہنے کے مطابق کرۂ ارض سے ایک سو ساٹھ سے کچھ زائد، گنا زیادہ ہے۔ جیسا کہ سورج دور سے محدود ظاہر ہوتا ہے، ایسے ہی آپ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور جیسا کہ سورج مسافت بعیدہ سے چھوٹا نظر آتا ہے۔ جب کوئی شخص اس کی حقیقت ومنزلت کے ادراک کی خاطر اس کے قریب جاتا ہے تو اپنے آپ کو عاجز اور بے بس پاتا ہے۔ ایسے ہی آپ صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ بادی النظر میں افراد بشری میں سے ایک فرد نظر آتے ہیں۔ مگر جب کوئی آپ کے جمال ذات وکمال صفات میں تامل کرتا ہے تو حیران رہ جاتا ہے اور آپ کے درجات کے مراتب کے ادراک سے عاجز ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا:

و رفعنا بعضھم فوق بعض درجات (ہم نے بعض رسولوں کو بعض سے درجات کے لحاظ سے بلند کیا۔ مفسرین نے کہا: بعض سے مراد حضور کی ذات والا

صفات ہی ہے۔ کہا گیا ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اسرار سے غافل اغیار کی نظر میں صغیر ہیں۔ اور اہل بصیرت جو اہل اعیان و خلاصہ انسان ہیں، کی آنکھوں میں عظیم ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: وترٰھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون۔ (تم دیکھو گے کہ آپ کے ظاہر کو دیکھتے ہیں اور باطن کو نہیں دیکھتے) اسی سے حضور کا ایک قول ہے: اے اللہ! مجھے (اپنی عظمت کے مشاہدہ کے مقابلہ میں) اپنی نظروں میں چھوٹا بنا دے اور (اپنی قدرت کے مکاشفہ سے) لوگوں کی نظروں میں بڑا بنا دے۔

(۵۰) وَكَيْفَ يُدْرِكُ فِي الدُّنْيَا حَقِيقَتَهُ
قَوْمٌ نِيَامٌ تَسَلَّوْا عَنْهُ بِالْحُلُمِ

چوں بدانندش حقیقت اہلِ عالم چوں بود
مست خواب و دیدنش در خواب داند مغتنم

اہلِ دنیا کس طرح ان کی حقیقت پا سکے
خوابِ غفلت میں ہیں گویا قومِ خوابیدہ ہیں ہم

ترجمہ: دنیا آپ کی حقیقت کا ادراک کیسے کر سکتی ہے۔ وہ خفتہ قوم جو آپ کے خیالات و تصورات سے مطمئن ہو گئی ہے۔

لفظی تشریح

کیف ظرف یدرك کے متعلق ہے۔ یہ استبعاد اور استفہام انکاری کے لیے ہے اور استفہام کی صدارت کے لیے مقدم آیا ہے۔ الحلم سوتے ہوئے کو جو نظر آئے۔

یہاں اس سے مراد خیال ہے۔ القوم وہ مخلوق (الوریٰ) ہے یا انبیاء اور اولیائے کے علاوہ باقی مخلوق مراد ہے۔

معنوی تشریح

غافل جماعت اس کمینی دنیا میں ذات محمدی کی حقیقت اور صفات احمدی کی صداقت کیسے جان سکتی ہے جو کہ سوتے ہوئے لوگوں کی مانند ہے۔ انھوں نے خیالات اور اوہام سے حاصل شدہ معرفت پر ہی قناعت کر لی اور اس میں یہ تنبیہ بھی ہے کہ لوگ سوئے ہوتے ہیں یعنی غافل ہیں۔ اور ایک اشارہ بھی ہے جس میں یہ بشارت پنہاں ہے کہ آپ صلے اللہ علیہ وسلم کے جمال کا آفتاب اور جلال کا ستارہ آخرت میں جو کہ ندامت کا وقت ہے۔ افق کمال پر ہوگا۔ جیسا کہ حضور نے فرمایا: حضرت آدمؑ اور اور ان کے علاوہ سب لوگ قیامت کے روز میرے جھنڈے کے نیچے ہوں گے نیز یہ کہ آخرت میں قریب و بعید سب کے لیے آنکھیں اسرار کے ادراک کے لیے کامل ہوں گی جیسے اللہ تعالٰے نے فرمایا: فبصرك اليوم حديد۔

اسی وجہ سے بعض عارفین نے کہا ہے کہ فانی دنیا میں رویت باری تعالیٰ ممتنع ہے، کیونکہ باقی کو باقی رہنے والی آنکھ سے ہی دیکھا جا سکتا ہے۔

(۵۱) فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ
وَّاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

مبلغ معلوم مردم آنکہ سید آدمی ست
بہترینِ مردماں باشد رسولِ محتشم

انتہائے علم کہتی ہے وہ ہیں خیر البشر
جملہ مخلوقات میں رکھتے ہیں وہ شانِ اتم

ترجمہ: حضور کے بارے میں (ہمارا) مبلغ علم یہی ہے کہ آپ ایک بشر ہیں۔ حالانکہ آپ اللہ تعالےٰ کی ساری مخلوق سے بہتر ہیں۔

لفظی تشریح

قرأت مکی کے مطابق ضرورت شعری کے طور پر فیہ کی ھا کو اشباع کے ساتھ اور کلھم کی میم کو مکسور اور اشباع کے ساتھ شعر کو پڑھا جائے گا۔

معنوی تشریح

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کی بناء کے بارے میں ہمارے علم کی رسائی کی انتہا اور ہمارے فہم کی حد یہی ہے کہ آپ افراد انسانی میں سے بشر عظیم و جوہر جسیم ہیں، حالانکہ آپ کی صفات کی حقیقت یہ ہے کہ آپ تمام کائنات سے افضل اور تمام موجودات کے سردار ہیں۔

ناظم نے کلھم کے ساتھ تاکید بعض لوگوں کے اختلاف کو دور کرنے کی غرض سے ذکر کی۔ یہ اہل ثقلین کو حضور کی حقیقت کا جانبین میں احاطہ کرنے سے عجز۔ اور قصور (کم فہمی) کا احساس دلانا ہے۔

(۵۲) وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا
فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمِ

ہر چہ آوردند مجموعِ رسل از معجزات
آں ز نورِ مصطفٰے آمد بایشاں لاجرم

جو رسولانِ جلیل القدر کے تھے معجزے
آپ ہی کے نور سے پایا تھا سب نے یہ کرم

ترجمہ: اور وہ تمام معجزات جو سابقہ انبیائے کرام لائے ہیں۔ وہ ان کو حضور کے نور سے ان کو ملے ہیں۔

لفظی تشریح

کل یہ لحاظ مبتدا ہونے کے مرفوع ہے۔ واو جملوں کے عطف کی خاطر ہے۔ عصام الدین کا یہ قول بعید ہے کہ لفظ کُل بہ سبب اِنَّ (گزشتہ شعر میں) کے اسم پر معطوف ہونے کے منصوب ہے۔ الآی جمع آیۃ کی۔ معجزہ۔ الرسل برائے تخفیف سین پر سکون ہے۔ رسول کی جمع ہے۔ الکرام۔ کریم کی جمع۔ اس کا استعمال بطور کیفیت ہے۔ ورنہ اس کے بغیر بھی بہ طریقِ اولیٰ (ان کی کرامت) سمجھی جاتی ہے۔

معنوی تشریح

وہ تمام خوارقِ عادات جو باقی انبیاء و مرسلین کو ملے ہیں، وہ تمام آیات ظاہرہ اور معجزات باہرۃ حضور کے اس نور اصلی کی بدولت پہنچے ہیں۔ جو ان کو بہ طریق فرع پہنچا ہے۔ پس سابقین کے معجزات حضور کا ہی معجزہ ہے جیسا کہ لاحقین (اولیاء کرام) کی کرامات حضور کی کرامت ہے۔ سابقین و لاحقین درحقیقت آپ کے نائب ہیں۔ جیسے کہ لشکر کا مقدمہ (اگلا حصہ) ساقہ (پچھلا حصہ) سپہ سالار کے لیے چلتے ہیں اور اس کے حکم کے

بمطابق کام کرتے ہیں۔ ایسے ہی ہر علم، معرفت، نکتہ اور حکمت حضور کے انوار کی شعاع اور آپکے اسرار کی چمک ہے۔

(۵۴) فَاِنَّہٗ شَمْسُ فَضْلٍ ھُمْ کَوَاکِبُھَا
یُظْھِرْنَ اَنْوَارَھَا لِلنَّاسِ فِی الظُّلَمِ

او بود خورشید فضل و دیگراں سیّارگاں
روشنی سیّارگاں ظاہر کنند اندر ظلم

آفتابِ فضل ہیں وہ سب ستارے انبیاء
کرتے ہیں ظلمت میں ظاہر سب پہ انوارِ کرم

ترجمہ: بے شک حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم فضیلت کا سورج اور باقی انبیاء کرام کواکب ہیں۔ جو کہ تاریکی میں لوگوں کے لیے اپنے انوار ظاہر کرتے ہیں۔

لفظی تشریح

یہ ایک اچھی تحلیل اور مستحسن تعلیل ہے۔ ناظم نے تشبیہ بلیغ کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سورج سے تشبیہ دی ہے۔ (شمس فضل) میں اضافت من کے ساتھ ہے یعنے اللہ تعالےٰ کے بزرگی دینے سے سورج ہیں۔ یونہی کہا گیا ہے: اظہر یہ ہے کہ یہاں فضل بمعنی فضیلت اور زیادت ہے۔ اور اضافت تھوڑی سی ملابست کی وجہ سے ہے۔ الظلم جمع ہے ظلمت کی تاریکی راتوں کی۔ للناس کی بجائے للخلق

ہوا تو عام تھا۔

معنوی تشریح

جس طرح سورج زیادتیٔ روشنی اور اصالت نور کے باعث تمام اقمار و کواکب سے متمیّز ہے۔ ایسے ہی ہمارے نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اسرار فضائل و انوار شمائل کی فضیلت کے سبب تمام ارباب فواضل سے ممتاز ہیں۔ اور وہ انبیاء اور رسول اس سورج کے کواکب کی مانند ہیں۔ (شمس فضل) اس میں اضافت اس کا فائدہ بھی دے رہی ہے کہ کواکب شمسیہ مخصوص ہیں جو سورج کے فیضان سے استفاضہ اور اس کے نور سے استفادہ کرتے ہیں۔ اور وہ صرف چاند ہی ہے اور وہ مفرد ہے۔ تو اس کو جمع لانا، مشبہ بہ کے تعدّد کی وجہ سے ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اختلاف احوال کے باعث (جمع ذکر کیا) کیونکہ پہلے ہلال ہوتا ہے پھر بدر وغیرہ۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد مطلق کواکب ہیں، تو اس صورت میں حکم لطور تغلیب یا مبالغہ اور دعا کے ہوگا۔ ناظم نے جو کہا ہے کہ یظهرن انوارها اپنے انوار ظاہر کرتے ہیں حالانکہ وہ خود سورج کے انوار ہیں، تو ان کو اپنی چمک کی وجہ سے مخصوص کیا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم آسمان عدل و فضل میں بسبب نور کی زیادتی اور اصل کی فضیلت کے بمنزلہ سورج کے ہیں۔ اور مشارق و مغارب میں باقی انبیاء کواکب کے درمیان بمنزلہ چاند کے ہیں، کیونکہ وہ آپ کی نبوت قدیمہ کے نور سے استمداد کرتے ہیں اور آپ کی رسالت قدیمہ کی روشنی سے نورانیت حاصل کرتے ہیں یا یہ کہ وہ نجوم (ستاروں) کی مانند ہیں، جو کہ تاریک راتوں اور سخت تاریک اوقات میں لوگوں کے لیے اپنے انوار ظاہر کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کے لیے یا تمام لوگوں کے لیے لوگوں کی تخصیص اس لیے

کی کہ تمام مخلوق میں سوائے ہمارے نبی پاک کے کسی کو مبعوث نہیں کیا گیا۔ جب شمس محمدی کا نور طلوع ہوا تو اللہ تعالےٰ کے تمام انبیاء اور رسول غائب ہوگئے۔ اس طریقہ پر انبیاء جن کو مستور کواکب سے تشبیہ دی گئی ہے، کو مؤنث کی ضمیر سے تعبیر کرنا معتبر بہ کے حکم کے مطابق ہے۔ قرآن پاک میں جو اللہ تعالےٰ کا فرمان آیا ہے اس کے برعکس ہے۔

رائت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رائیتهم لی ساجدین۔

اس بیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی شریعت ماقبل انبیاء کی شرائع کی ناسخ ہے۔ اور اس بات کی طرف ایماء ہے کہ آپ کے دن کے بعد رات نہیں ہے اور آپ کے دین پر زوال و فنا کی تاریکی نہیں چھا سکتی۔

(۵۴) اَکْرِمْ بِخَلْقِ نَبِیٍّ زَانَهُ خُلُقٌ
بِالْحُسْنِ مُشْتَمِلٍ بِالْبِشْرِ مُتَّسِمِ

خلقِ پیغمبر نکو بر خلق خوش آراستند
مشتمل بر حسن باشد بر بشارت متسم

کیا عظیم الخلق صورت ہے مزین خلق سے
حسن صورت مشتمل ہے خندہ روئی سے بہم

ترجمہ: نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت ظاہری کتنی باکرامت ہے جس کو اخلاق نے آراستہ کیا ہے۔ جو (صورت ظاہری) حسن پر مشتمل ہے اور بشاشت سے متصف ہے۔

لفظی تشریح

اکرم بہ صیغہ تعجب۔ الخَلق خلقت اور صورت۔ الخُلق صفت و سیرت۔ الاشتمال، اصل میں شملہ لپیٹنے اور اجابتِ دعوت کے وقت اس کو پہننے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ البِشر سرور کے باعث جلد کے ظاہری حصہ پر جو آثار ظاہر ہوں۔ اس کو بشاشت بھی کہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں البشر کی بجائے البر ہے پروہ وسعتِ خیر اور سخاوت کو کہتے ہیں۔ الاتسام کسی شئے سے متصف ہونا۔ وسمۃً سے مشتق ہے جس کا معنی علامت ہے۔ زانہ خلق پورا جملہ "نبی" کی صفت ہے یا خلق نبی کی۔ بالحُسنِ یہ مُشتَمِلٍ کے متعلق ہے۔ یہ مجرور ہوکر دوسری صفت ہے اور اس کا مابعد بھی ایسے ہی ہے حسن خَلق کی طرف راجع ہے اور بشاشت خُلق سے متعلق ہے۔ اور ہر ایک دونوں میں سے عام ہے۔ یہی بات میرے ذوق میں اتم ہے۔

معنوی تشریح

یہ باعظمت نبی اور اس کی صورت ظاہری کتنی کریم ہے جس کو سیرت باطنی اور صورتِ ظاہری نے حسین و آراستہ بنایا ہے۔ وہ ایسے ہی ہیں جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: نورعلی نور۔ اور فرمایا: مثل نورہ کمشکوٰۃ فیھا مصباح۔ آپ کے نور کی مثال ایسے ہے جیسے کہ ایک قندیل ہو اس میں مصباح ہو جو اشتمال حسن اور تمام حالات، مقامات حرکات اور سکنات کے احاطہ کرنے سے موصوف ہو جو مکمل سرور دائمی بشاشت اور عام و خاص کے سامنے تبسم اور خوشی سے متصف ہو اس طور پر کہ مَلِک علّام (اللہ تعالےٰ) اس سے راضی ہو علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ان پر صلوٰۃ وسلام نازل ہو جب تک کہ دن اور راتیں موجود ہیں۔

اگر تو چاہتا ہے کہ حضور کی تخلیق جسدی کی صفات میں سے تھوڑا سا ادراک کرے یا آپ کے اخلاق عالیہ کی نعتوں میں سے کچھ خوشبو سونگھے تو تم شفا اور مواہب (کتابوں کے نام ہیں) کو لازم پکڑو۔ تاکہ تم عجائب و غرائب حاصل کرسکو۔

(۵۵) كَالزَّهْرِ فِيْ تَرَفٍ وَّالْبَدْرِ فِيْ شَرَفٍ
وَّالْبَحْرِ فِيْ كَرَمٍ وَّالدَّهْرِ فِيْ هِمَمٍ

چوں بہار از تازگی بدہم چوں بدر اندر شرف
ہمچوں دریا در کرم چوں روزگار اندر ہمم

تازگی میں ہیں وہ غنچہ اور شرف میں مثل بدر
دہر میں ہمت ہیں اور بخشش میں دریائے کرم

ترجمہ: آپ صلے اللہ علیہ وسلم نزاکت میں پھول بزرگی میں چودھویں کے چاند سخاوت میں سمندر اور ہمت میں زمانہ کی طرح ہیں۔

معنوی تشریح

آپ صلے اللہ علیہ وسلم شرف و کرم میں پھول کی مانند ہیں، ظرافت، طراوت اور لطافت میں اور رفعت، آب وتاب اور ضیا باری میں چودھویں کے چاند کے مانند ہے جس کی روشنی تمام کائنات پر پھیلتی ہے اور جس کا نور تمام مخلوقات پر غالب ہے۔ الزہر اور البدر آپ کی صورتِ مکرمہ سے متعلق ہیں۔ جب کہ البحر اور الدھر آخری دونوں وصف آپ سیرت معظمہ کی طرف راجع ہیں۔ آپ افراد انسان کے ساتھ مختلف النوع

احسانات کرنے میں سمندر کی مثل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: یخرج منه اللولؤ والمرجان (نکلتے ہیں اس (سمندر) سے موتی اور مونگے۔)

آپ زمانے کی مانند ہیں۔ ہمت فضل

اور زینت میں۔ دہر، عصر سے اعم ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد بہادری اور ہمت کی بلندی ہے۔ جہاں تک وصف کا تعلق ہے تو یہ تحقیق ہے۔ اور جہاں تک تشبیہ کا تعلق ہے تو یہ تشبیہ از قبیل نعمتِ معنوی کو امرِ حسی سے تشبیہ دینا ہے۔

جو آپ کے بدن مبارک کے گداز پن اور جسد اطہر کی نزاکت کے بارے میں آیا ہے ان روایات میں سے ایک یہ ہے جس کو شیخین نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "میں نے کسی حریر اور نہ ہی کسی دیباج کو چھوا ہے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارکہ سے نرم تر ہو۔ اور جو کچھ آپ کے مقام کی بلندی اور چہرے کی نورانیت کے متعلق مذکور ہے ان میں سے ایک روائیت جس کی طرف آپ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے: عالم کو عابد پر ایسے ہی فضیلت ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر۔ (اس کو احمد اور ترمذی وغیرہما نے روایت کیا ہے) اور آپ کے کرم واحسان، نیکی اور بخشش کے بارے میں مروی ہے جس کو مسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے آپ سے دو پہاڑوں کے درمیان موجود بکریوں کے ریوڑ کا سوال کیا، تو آپ نے اس کو وہی دے دیا، تو وہ آدمی اپنی قوم میں آیا اور کہا: اے میری قوم! مسلمان ہو جاؤ۔ خدا کی قسم! محمد اس قدر عطا کرتے ہیں کہ ان کو فقر کا ذرا اندیشہ نہیں ہوتا۔ جو باتیں آپ کی قوتِ قلب، ہمت اور شجاعت کے ملکہ پر دلالت کرتی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب مسلمان

جنگ حنین میں کفار کے سامنے سے بھاگ کھڑے ہوئے تھے تو آپ قلت کے باوجود مقابلے میں ڈٹے رہے یہاں تک کہ کفار ان کنکریوں کے باعث شکست کھا گئے جو آپ نے ان کی طرف پھینکی تھیں۔ اور حضرت براء بن عازب سے مروی ہے: خدا کی قسم! جب جنگ خوب گرم ہو جاتی تو ہم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں اپنے آپ کو بچاتے تھے۔ ان دونوں حدیثوں کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

آخری تشبیہ تحسینات ادب میں شعراء عرب کی عادت اور مبالغہ کے مطابق ہے۔
اس کی مثال شاعر کا یہ قول ہے جو وہ اپنے ممدوح کے بارے میں کہتا ہے:

لہ ھمم لا منتھی لکبارھا

وھمتہ الصغری اجل من الدھر

(میرے ممدوح کی ہمتیں بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے بڑی ہمت کی تو کوئی حد نہیں۔ ہاں، اس کی چھوٹی ہمت بھی زمانے سے بڑی ہے۔)

یہ شعر حضرت حسان کی طرف منسوب ہے۔ اس سے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کی ہے۔

(۵۶) كَاَنَّهٗ وَهُوَ فَرْدٌ فِيْ جَلَالَتِهٖ
فِيْ عَسْكَرٍ حِيْنَ تَلْقَاهُ وَفِيْ حَشَمِ

گر کسے دیدش تنہا خود ہمی پنداشتے
کز بزرگی اوست اندر لشکر و خیل و حشم

ہیں جلال و رعب میں سرکارِ عالی بے نظیر
جیسے گرد و پیش رکھتا ہے کوئی فوج و حشم

ترجمہ: جب آپ تنہا ہوں تو پھر بھی اپنی جلالت کے سبب یوں معلوم ہوتا ہے گویا کہ آپ بہت بڑے لشکر میں تمکنت کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔

لفظی تشریح

فی جلالتہ فرد کی صفت ہے۔ فی عسکرہ محذوف کے متعلق ہے۔ کأنّ کی خبر ہونے کے لحاظ سے محل رفع میں ہے۔ ایک نسخہ میں حشم کے بدلے بُھْم ہے۔ جو کہ بَھْم کی جمع بمعنی بہادر ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بُھْمَۃ کی جمع ہے بروزن تُھْمہ بمعنی عسکر، سوار۔ لیکن آنے والے قوافی کے مطابق اس لفظ کو لانے کے لیے نسخہ مشہورہ ہی اولیٰ ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حالانکہ اپنی ذات کے لحاظ سے منفرد، اپنی صفات کی عظمت کے اعتبار سے ثابت اور کمالِ ہیبت و جلالِ عظمت ایسے کمالات کے ظہور میں یگانہ ہیں۔ اس کے باوصف یوں معلوم ہوتا ہے کہ آپ بہت بڑے لشکر کے قلب اور لاتعداد جانثاروں کے جھرمٹ میں ہیں۔ اے مخاطب! جب تو حضور کو ملے گا تو اس موکبِ ہمایوں میں دیکھے گا۔

اس بیت میں، حالت انفراد میں آپ کی قوت شجاعت و عظمت مہابت کی طرف اشارہ ہے۔ اور اس بات کا ایماء ہے کہ آسمانی ملائکہ اور رجال الغیب آپ کے تابع ہیں اور ان کی مصاحبت کی وجہ سے یوں ظاہر ہوتا ہے۔

ایک نسخہ میں من جلالتہ ہے۔ اس صورت میں یہ کانّ سے حاصل ہونے والی تشبیہ کی علت ہے اور وہ معنی ہیں وجہ شبہ ہے جب کہ مفرد و مختار کو وقار اور ہیبت میں عسکر وحشم کی معیت سے تشبیہ دینا مقصود ہے۔

(۵۷) كَاَنَّمَا اللُّؤْلُؤُ الْمَكْنُوْنُ فِيْ صَدَفٍ
مِنْ مَّعْدِنَيْ مَنْطِقٍ مِّنْهُ وَمُبْتَسَمِ

دُرِّ مکنوں در صدف دندانِ او بدگوئیا
واں دہن گویا کہ می افشاند مروارید ہم

ہیں وہ دندانِ مبارک مثلِ موتی سیپ میں
معدن نطق و تبسم ہے وہ دہن محترم

ترجمہ : یوں معلوم ہوتا ہے کہ تکلم و تبسم کانیں ہیں اور آپ صدف میں درّ مکنون ہیں۔

لفظی تشریح

شعر کو لؤلؤ کے پہلے ہمزے کو ساکن یا واو سے بدل کر اور منہ کی ھاء کو اشباع کیساتھ پڑھا جائے گا۔ یہ ضمیر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ المنطق ، نطق کی جگہ۔ وہ دل اور زبان ہیں اور دونوں بیان کا مظہر ہیں۔ المبتسم بصیغۂ مفعول۔ جائے تبسم۔ وہ لبہائے مبارکہ ہیں جو کہ دندان مبارک کا مظہر ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ منطق اور مبتسم دونوں مصدر ہوں۔ اور اضافت بمعنی لام ہو۔ پہلی صورت میں اضافت بیانیہ ہے۔

شعر میں دو تشبیہیں ہیں۔ ان میں سے ایک معنوی اور دوسری حسی ہے۔

معنوی تشریح

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے جامع کلمات اور موتی، دندان مبارک کا نطق اپنی لطافت اور چمک دمک میں درمکنون کی مانند ہے۔ جیسے بحتری نے کہا ہے

فمن لؤلؤ یبدیه عند ابتسامهٖ

و من لؤلؤ عند الکلام تساقطه

(میرا محبوب) تبسم کے وقت موتی ظاہر کرتا ہے۔ اور گفتگو کے وقت موتی جھاڑتا ہے۔)

ناظم نے منہ اور دل کو معدن سے تشبیہ دی ہے اس لحاظ سے کہ یہ زیادہ لطافت ظاہر کرتے ہیں، موتی کو مکنون سے موصوف کیا جو کہ اپنی معدن اور صدف میں ہونے کی وجہ سے طراوت پر دلالت کرتا ہے نہ اس سے خارج ہونے سے (کیونکہ صدف کے اندر والا موتی صدف سے خارج موتی سے) چمک دمک میں زیادہ حسین ہوتا ہے۔

حضرت علامہ محلی نے حکایت بیان کی ہے کہ کسی نے خواب میں دیکھا کہ حضرت صدیق اکبر اس شعر سے اور اس سے پہلے شعر سے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی تعریف بہت خوب صورت انداز میں بیان کر رہے ہیں۔

جب ناظم نے حال حیات میں صورت و سیرت کے بعض صوری اور معنوی کمالات کی طرف اشارہ کیا تو اب اس بات کی طرف ایما کرنا چاہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ممات کی حالت میں بھی تمام مخلوقات سے ممتاز ہیں۔ جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالے نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاؑ کے اجسادِ مبارکہ کو کھائے۔

(۵۸) لَا طِيبَ يَعْدِلُ تُرْبًا ضَمَّ اَعْظُمَهُ
طُوبٰى لِمُنْتَشِقٍ مِّنْهُ وَ مُلْتَثِمِ

ہیچ بوئے خوش چو بوئے خوابگاہِ او نہ بود
نیک بخت آنکس کہ بوئید ست و بوسید ست ہم

ہے وہ خوش قسمت جو سونگھے اور بوسہ دے اسے
اے خوشا خوشبوئے خاکِ تربتِ شاہِ امم

ترجمہ: کوئی خوشبو اس مٹی کے برابر نہیں ہو سکتی جو کہ جسم اقدس سے لگی ہے، کس قدر سعادت مند ہے وہ شخص جس نے اس کو سونگھا ہے اور بوسہ دیا ہے۔

لفظی تشریح

الطیب خوشبو۔ عدل مساوی ہونا۔ ترب بمعنی تُربۃٌ یا تراب ہے یہ منصوب بنزع الخافض ہے۔ الضمّ اکٹھا یا جمع کرنا۔ اعظم ہڈیاں۔ جمع عظم کی۔ طوبیٰ۔ طاب سے مشتق ہے بوزن بشریٰ اور زلفیٰ۔ طوبی میں واو یاء سے بدلی ہوئی ہے۔ ماقبل مضموم ہونے کی وجہ سے۔ یہ مرفوع ہے جیسے سلام لک۔ یا یہ منصوب المحل ہے جیسے سلامًا لک یہاں لام (حرف جار) بیانیہ ہے۔ جیسے سقیا لک میں ہے۔ اس کا معنی ہے تم بھلائی اور اچھائی کو پسند کرو۔ اس میں تعجب اور تمنی کے معنی بھی ہیں۔ انتشق سونگھنا۔ منہ کی ہاء کو اشباع کے ساتھ پڑھیں گے۔ اور اس کی ضمیر ترب کی طرف راجع ہے! اور یہی زیادہ بلیغ ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹے۔۔

اِلۡتَثَمَ، بوسہ دینا۔

معنوی تشریح

مشک عبیر یا عنبر وغیرہ میں سے کوئی بھی ایسی خوشبو موجود نہیں ہے جو حضور کی قبر انور کی خاک کے مساوی ہو سکے۔ وہ قبر جس نے حضور کے اعضا کو چھوا، آپ کے اجزا کو جمع کیا اور جسم شریف کو محیط ہوئی اور بدن لطیف سے مقرون ہوئی۔ اس وجہ سے ناظم متعجب ہوتا ہے اور اس کو حاصل کرنے کی تمنا کرتا ہے۔

پس متفق علیہ حدیث میں ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ مروی ہے فرمایا کہ میں نے کوئی ایسا عنبر یا مشک نہیں سونگھا جو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہو۔

یہ شعر حضرت بتول زہرا فاطمہ کبریٰ کے مرثیہ سے اخذ کیا گیا ہے۔ آپ فرماتی ہیں ؎

صبت علی مصائب لوانها

صبت علی الایام صرن لیالیا

ماذا علی شم تربة احمد

لو لم یشم مدی الزمان غوالیا

پھر علمار کرام نے تصریح کی ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا حریم اقدس کعبہ سے افضل ہے۔ جو اختلاف مشہور ہے وہ مکہ اور مدینہ دونوں شہروں کے درمیان ہے بلکہ امام غزالی سے تو یہاں تک مروی ہے کہ وہ خاک مقدس جو حضور کے جسدِ اطہر سے زمین سے ملی وہ مرتبہ میں عرش سے بھی بلند ہے۔

جب ناظم یہ بیان کر چکا کہ حضور کی رسائی تمام احوال میں کمال تک ہے۔ اب اس بات

کی طرف اشارہ فرمایا کہ (آپ کے) جمال کے آثار مبادی سے ہی ظاہر ہیں۔ اور کہا :

(۵۹) أَبَانَ مَوْلِدُهُ عَنْ طِيبِ عُنْصُرِهِ
يَا طِيبَ مُبْتَدَإٍ مِنْهُ وَمُخْتَتَمِ

وقتِ زادن پاکیِ ذات شیر نفس شد پدید
پاک بودش مبتدا و پاک بودش مختتم

ان کی پیدائش سے ساری خوبیاں ظاہر ہوئیں
پاک ان کی ابتدا اور پاک ان کا مختتم

ترجمہ : حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ولادت اس کے بہترین عنصر کیسا تھ

ظاہر ہوا۔ سبحان اللہ! کیسی عمدہ ہے وہ ذات جس کا زمانہ ابتدا اور اختتام دونوں ہی بہت شاندار ہیں۔

لفظی تشریح

الابانة ظاہر کرنا۔ المولد، المبتدا اور المختتم یہ سب اسمائے زمان ہیں۔ ایک نسخہ میں مبتدا کی بجائے مفتتح ہے۔ العنصر اصل، ارکان۔ منه کی ھائے اشباع کے ساتھ ضمیر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ولادت آپ کے مادہ، اصل، نسب، لطافت، خلقت اور حسب کے نظام سے، اللہ تعالے کے ارادہ اور اظہار سے ظاہر ہوا۔ پس اے میری قوم! تم آپ کے زمانہ خلقت کی ابتدار و اظہار اور آپ کی اختتام رحلت کا وقت دیکھو (کتنا عمدہ اور شاندار ہے)۔

ندا تعجب کے لیے ہے۔ تعجیب اور محبت برائے فہم و ترغیب ہے۔ اس شعر میں حضور کی حسن ابتدار اور حسن خاتمہ کی طرف اشارہ ہے اور ابتدار، جو کہ انتہا کی اساس ہوتی ہے، میں سعادت کی بلندی کی جھلک ہے۔ اسی وجہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ کے وصال کے بعد جبین انور چومتے ہوئے عرض کیا طِبْتَ حَيًّا وَّمَيِّتًا کہ آپ کی حیات و موت کتنی پاکیزہ و عمدہ ہے ابتدا اور اختتام سے مراد استمرار اور دوام ہے جیسے کہ اللہ تعالے کے اس قول میں ہے؛ و سبحوه بكرة و اصيلا (صبح شام ہمیشہ اس کی تسبیح کرو۔) و لهم رزقهم فيها بكرة و عشيا ان کے لیے اس میں رزق ہے صبح و شام۔ (ہمیشہ)

(۶۰) يَوْمٌ تَفَرَّسَ فِيهِ الْفُرْسُ اَنَّهُمْ
قَدْ اُنْذِرُوْا بِحُلُوْلِ الْبُؤْسِ وَالنِّقَمِ

اہلِ فرس آں رُوز دانستند کا یشاں رانمود
بعدازیں دَرد و بلا و خواری و رنج و نقم

اہلِ فارس کو ولادت کی خبر جب مل گئی
ہو گئے دہشت زدہ اور چھا گیا رنج والم

ترجمہ: اس روز اہلِ فارس نے اپنی فراست سے سمجھ لیا کہ وہ سزا اور خوف کے نزول کے باعث ڈرائے گئے۔

لفظی تشریح

یوم سے مراد مطلق وقت ہے، کیونکہ آنے والے شعر میں بھی آرہا ہے۔ (دبات کسریٰ) یہ ماقبل شعر میں موجود لفظ مولدہ سے بدل ہے یا یہ خبر ہے اور اس کا مبتدا محذوف ہے جو کہ ھو ہے۔ تفرس، دیکھنا اور فراست سے معلوم کرنا۔ فراست ایک ایسی قوت ہے جس سے انسان ظاہری آثار کے سبب معانی باطنہ کا ادراک کرتا ہے۔ الفرس، فارس کے باشندوں کا اسم جمع ہے۔ لغت عرب میں را، پر کسرہ ہے اور کلام عجم میں را، کو ساکن پڑھا جاتا ہے۔ اِنَّھُمْ اس کی میم پر ضمہ پڑھا جائے گا۔ بُؤس ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح پڑھا جاتا ہے۔ ایسے خوف کو کہا جاتا ہے جو غم اور دکھ کا باعث ہو۔ النقم بکسر نون و فتح قاف نقمۃ کی جمع بمعنی سزا۔

معنوی تشریح

اہل فارس کو بطریق فراست اپنے علماء اور اکابر سے معلوم ہوگیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہور کا وقت آچکا ہے چونکہ وہ ایسی خوفناک اور ہیبت ناک علامات دیکھ چکے تھے کہ ان کی سلطنت اور ملت اب ختم ہو جائے گی۔ آپ کی ولادت کے وقت ایسی علامات ظاہر ہوئیں جنھیں ارہاصات کہا جاتا ہے۔ ارہاص معجزات سے پہلے ظاہر ہونے والے خوارق کو کہا جاتا ہے۔ جن میں سے بعض کی طرف مصنف نے اشارہ کیا ہے لیکن سب کو ذکر کرنا مصنف کے بس میں نہیں۔

(۶۱) وَبَاتَ اِیْوَانُ کِسْرٰی وَھُوَ مُنْصَدِعٌ
کَشَمْلِ اَصْحَابِ کِسْرٰی غَیْرَ مُلْتَئِمِ

طاق کسریٰ شد خراب و کنگرِ کسریٰ شکست
در شکست احوالِ کفار و دگر نامد بہم

قصرِ کسریٰ گر پڑا اور پارہ پارہ ہوگیا!
اور پراگندہ ہوئے کسریٰ کے ساتھی ایک دم

ترجمہ: اور ایوان کسریٰ رات کو پھٹ گیا۔ جیسے کہ کسریٰ کے ساتھی یعنی لشکر جو منتشر ہونے کے بعد منظم نہ ہوسکا۔

لفظی تشریح

بات۔ تفرس پر عطف ہے بمعنی صار یعنی رات کے وقت ہوگیا۔ اس سے مراد

لیلۃ المیلاد ہے۔ الایوان ہر اس مسقف (چھت والی) عمارت کو کہتے ہیں جس کے سامنے کی جانب دیوار نہ ہو۔ کسریٰ خسرو سے معرب ہے۔ یہ فارس کے بادشاہوں کا لقب (نام) ہے جیسے مصر کے بادشاہوں کا نام فرعون۔ روم کے بادشاہوں کا نام قیصر حبشہ کے بادشاہوں کا نام نجاشی ترکوں کا خاقان اور یمن کا تبع ہے۔ الانصداع پھٹنا۔ التشمل اجتماع کے بعد متفرق ہونا۔ التئم متصل ہونا۔

دوسری دفعہ جو کسریٰ مذکور ہے وہ پہلے کا غیر ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ اضمار کے موقع پر اظہار کر دیا گیا ہو۔ پہلے سے مراد نوشیرواں عادل بن قباد ہے اور یہ حدیث کہ حضور نے ارشاد فرمایا: "میں بادشاہ عادل کے زمانہ میں پیدا ہوا۔ امام سخاوی کے کہنے کے مطابق اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ دوسرے کسریٰ سے مراد پرویز بن ہرمز بن یزد بن نوشیرواں ہے۔

شرح منظومہ میں ہے کہ یہ دوسرا امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت بن طاؤس بن ہرمز، کا چچا ہے۔ (حضرت امام اعظم کے جد امجد طاؤس اور پرویز دونوں ہرمز کے بیٹے ہونے کے باعث بھائی ٹھہرے۔ اس طرح پرویز حضرت کے والد ماجد کا چچا ہوا مترجم)

اور آپ کے شاگرد رشید حضرت امام محمد کا نسب بھی طاؤس پر آپ کے نسب سے مل جاتا ہے۔

امام محمد کا شجرہ یوں ہوگا: محمد بن حسن بن عبداللہ بن طاؤس۔

غیر ملتئم بات کی خبر ہے۔ کشمل یہ جار مجرور غیر ملتئم کے متعلق ہے۔ یہ گروہ صرف اس لیے متصل نہیں ہوا تھا تاکہ تذکرہ باقی رہے۔ اس کی صفت یلتئم ہے۔ جو کہ شمل سے حال واقع ہو رہا ہے۔ پس التئام سے مراد اتفاق ہے۔

معنوی تشریح

حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور اور آپ کے نور کی چمک کی رات کسریٰ کا ایوان

ٹوٹ گیا۔ جو کہ ان کے تباہ ہونے پر اشارہ ہے اور غیر ملتئم ان کے عدم تہور کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے دوسرے کے ساتھ اقبال مندی کے بعد متفرق ہوگئے۔ ان کو ایسی حکومت کرنے کا اتفاق ہوا کہ دنیا میں کسی بادشاہ کو ایسی بادشاہی کا اتفاق نہیں ہوا۔ اس کی مسند، مقام، حشم، تخت پر بیٹھنا۔ خادمین اور معاونین کا حاضر خدمت ہونے کے باوجود وُہ شکست کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ اسلام آگیا۔ روائت ہے کہ جب ایوان گونجا تو وہ بذاتِ خود اور اس کے مددگار بھی گر پڑے۔ جب کہ اس موقع پر چودہ کنگرے بھی گر پڑے تھے تو اس نے عرب کے ایک بادشاہ نعمان ابن منذر کے پاس ایک قاصد بھیجا۔ تاکہ یہ جو ظاہر ہوا ہے اس کے بارے اس سے پوچھے۔ تو خبر سطیح کے پاس لے جائی گی۔ وہ عرب کے کاہنوں میں سب سے زیادہ ماہر تھا۔ اس کے جسم میں ماسوائے سر کے کوئی ہڈی بالکل نہ تھی۔ اس نے کہا، شاید اس کے مختلف اسباب ہوں اور کنگروں

کی تعداد کے مطابق بادشاہ مر جائیں گے۔ پس ان میں سے دس بادشاہ چار سال میں مر گئے اور باقی چار حضرت امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خلافت تک ہلاک ہوگئے۔

(۶۲) وَالنَّارُ خَامِدَةُ الْاَنْفَاسِ مِنْ اَسَفٍ
عَلَيْهِ وَالنَّهْرُ سَاهِي الْعَيْنِ مِنْ سَدَمٍ

آتش گبراں بمرداز حزن و اندوہ و ملال
چشمۂ آبِ رواں شد خشک در جوئے سدم

آتش فارس نے ٹھنڈی سانس لی افسوس سے
نہر بھی چشموں کو بھولی از رہ اندوہ و غم

ترجمہ: اور آگ اس پر غم کے باعث بجھ گئی۔ اور حیرت سے چشمہ کا پانی ختم ہو گیا۔

لفظی تشریح

الخمود بجھنا۔ نفس النار شعلوں سے کنایہ ہے۔ الساھی غافل، السدم حیرت النار خامدہ کا پورا جملہ ھو منصدع پر عطف ہے اور جائز ہے کہ بات الخ پر عطف ہو، کیونکہ یہ جملے مفردات کے حکم میں ہیں۔

معنوی تشریح

وہ آگ جو ایک ہزار سال سے بھڑک رہی تھی۔ چونکہ لوگ اس کی عبادت کرتے تھے۔ اور اس آگ کے خادم بھی تھے۔ جو ہمہ وقت اس کی حفاظت کرتے اور اس پر فدا ہوتے تھے تو وہ آگ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور ولادت اور آپ کی نبوت و ولالت کے سورج کی شعاعوں کی نورانیت کے وقت بجھ گئی اور اس کی حرارت ختم ہو گئی۔

اس شعر میں حضور کے نور سے اقتباس اور آگ سے دور رہنے کی طرف اشارہ ہے آگ نے کسریٰ پر یا فارس پر یا ان کے کافروں پر افسوس کیا کہ وہ اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے خالق کی عبادت کو ترک کرتے ہیں یا یہ کہ ان کے لیے ان کا معبود مفقود تھا بنا بریں بسبب تاسف کیا۔

اس مکرم گھڑی اور معظم رات (جس میں ظہور قدسی تھا) نہر فرات کا چشمہ جہاں

حیرۃ الزاق میں جاری ہوتا ہے، بند ہوگیا۔ وہ مسادہ میں واقع ہے۔ جو کہ دمشق اور عرق کے درمیان قصبہ واقع ہے یا پھر عین سے مراد دیکھنے والی آنکھ ہے۔ معنی یوں ہے۔ فرات کے پانی کا چشمہ۔ کہا گیا ہے کہ نہر کسری جس کے اوپر شاندار بند بنایا گیا ہے۔ اور اس پر بہترین جگہ بنائی گئی ہے۔ اس پر دنیا کے خراج بہت بڑی رقم خرچ کی گئی۔ بنی آدم کی آنکھ نے اس کی مثل کبھی نہیں دیکھا۔ اس رات اس کا اس طرح خشک ہوتا جیسے سنگدل کی آنکھ سے قدرتِ الٰہیہ اور عظمت سلطانی کی حشمت دیکھ کر بھی حیرانگی کے باعث آنسو نہ نکلیں۔

اس میں اشارہ ہے کہ جمادات مغیر ربانی کے تغیر اور مؤثر صمدانی کے اثر کو قبول کرتی ہیں۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا: پتھروں میں سے بعض ایسے ہیں جن سے نہریں بہتی ہیں۔ بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں تو پھر ان سے پانی نکلتا ہے۔ بعض ایسے ہیں جو خشیتِ الٰہی سے گر پڑتے ہیں۔ اور ایک مقام پر فرمایا: "ہم نے کہا، اے آگ! تو ابراہیم (علیہ السلام) پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔" ایک مقام پر فرمایا: "ہر ایک شی اپنے رب کے حکم سے تباہ کرتی جاتی ہے۔" اور فرمایا: "ہم نے اس (قارون) کو اور اس کے گھر کو بھی زمین میں دھنسا دیا۔"

اس سارے بیان میں اس طبیعت کا رد ہے جو اصول شرعیہ کے مخالف ہے۔ اس بات کا بھی اشعار ہے کہ علوم عقلیہ کی نہر جو دقائقِ فلسفیہ کو متضمن ہے۔ اس کی حضور کے علوم شرعیہ کے سمندر اور معارف حقیقی کے چشمہ کے سامنے کوئی وقعت نہیں ہے۔

(۶۳) وَسَاءَ سَاوَةَ اَنْ غَاضَتْ بُحَيْرَتُهَا
وَرُدَّ وَارِدُهَا بِالْغَيْظِ حِيْنَ ظَمِیَ

ساوہ غمگیں شد چو گشتش آبِ دریاچہ خشک
تشنگاں زو باز گشتند جملگی در درد و غم

اہلِ ساوہ تھے پریشاں خشک چشمے دیکھ کر
لوٹتے تھے گھاٹ سے غصہ میں پیاسے پُر اَلم

ترجمہ: اور ساوہ دور ہو گیا کہ اس کے سمندر کا پانی نیچے اتر گیا۔ اور پانی کے طالب کو جب پیاس لگی تو وہ غیظ و غضب کے عالم میں لوٹ آیا۔

لفظی تشریح

ساء غمگین ہونا۔ ساوہ ایک شہر ہے جو زمانہ قدیم میں مکمل طور پر ہمدان کا تابع تھا اور ہارون الرشید کے زمانہ میں قُسم کے تابع ہو گیا جو کہ کاشان کے قریب ہے۔ غاص کم ہونا۔ بطور لازم و متعدی دونوں طرح آیا ہے۔ بحیرہ، بحر کی تصغیر۔ بعض نے کہا ہے، بحیرہ بڑا ہوتا ہے اور تصغیر برائے تعظیم ہے۔ رُدّ مجہول ہے۔ اور اس سے قبل واو عطف کے لیے ہے یا حال کے لیے۔ الوارد پانی میں جھانکنے والا پانی میں داخل ہو یا نہ ہو۔ آگے بڑھنے والے کو بھی کہا جاتا ہے۔ باء ملابست کے لیے ہے۔ غیظ اگر ظاء کے ساتھ ہو تو اس کا معنی غضب و غصہ ہے۔ اگر غیض ضاد کے ساتھ ہو تو پانی کا کم ہونا معنی ہو گا۔ یہ جار مجرور مل کر رُدّ کے متعلق ہو گا۔ اور حین، رُدَّ غَیْظ یا وَارِدُ کے

متعلق ہوگا۔ ظمی یہ ظمائے سے فعل ماضی ہے۔ معنی پیاس لگنا۔ جب ہمزہ وقف کے طور پر ساکن ہوا تو اس کو یار سے بدل دیا گیا۔ بعض نسخوں میں جو حذف یار کے ساتھ لکھا گیا ہے وہ قلم کا سہو ہے۔

معنوی تشریح

ساوہ کے ارد گرد یہود و نصاریٰ کی معتبر عبادت گاہیں اور مشہور سیر گاہیں تھیں جب اس صورت کے باوصف اہل ساوہ بڑے غمزدہ ہوئے جب انھوں نے خلاف عادت، میلاد کی رات کو وہاں کے سمندر میں سے پانی کی کمی کو دیکھا۔ اور پانی کا طالب و قاصد (بے نیل و مرام) قہر و غضب سے یا پانی کی کمی اور تھکاوٹ کے باعث واپس مڑ آیا جب اس کو پیاس لگی تھی اور اپنے آپ پر غصے کے عالم میں پیاسا ہی واپس ہے۔

اس میں اشارہ ہے کہ وہ اہل عذاب کا سمندر ہے وہ سراب کا ایک ٹکڑا ہے، جس کو پیاسا پانی خیال کرتا ہے۔ بخلاف کوثر کے جو خیر البشر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا ہے۔ وہ تو ایسا ہے کہ جس نے اس میں سے ایک گھونٹ بھی پی لیا وہ پھر اس کے بعد پیاسا نہ ہوگا۔

ایک نسخہ میں غاصت کے بدلے غاضت ہے۔ وہ معنی میں زیادہ واضح اور مدعا پر دلالت کرتا ہے۔ ناظم کے واردھا کہنے سے نقصان کا وہم دور ہو جاتا ہے۔ وارد کا معنی سابق ہے۔ جب سابق کا یہ حال ہے (کہ اس کو پانی نہیں مل رہا) تو لاحق کا کیا عالم ہوگا۔ پانی بالکل اٹھنے (ختم ہونے) کی تاکید اس قول سے کر دی۔

(۶۴) كَأَنَّ بِالنَّارِ مَا بِالْمَاءِ مِنْ بَلَلٍ
حُزْنًا وَّ بِالْمَاءِ مَا بِالنَّارِ مِنْ ضَرَمٍ

گوئیا بر جائے آتش آب بودے سرد و تر
از غم و بر جائے آب آتش بدے سوزاں و گرم

پانی پانی ہوگئی تھی آگ مارے رنج کے
اور پانی ہوگیا تھا آتشیں از سوز و غم

ترجمہ: آگ کو غم کے باعث نمی حاصل ہوگئی۔ اور پانی افسوس کے سبب آگ کی سی حرارت میں تبدیل ہوگیا۔

لفظی تشریح

الضرم آگ کا شعلہ یا چنگاری۔ النار اور الماء میں الف لام عہدی ہے یعنی فارس کی آگ اور بحیرہ کا پانی بعض نے کہا ہے کہ الف لام جنس کا ہے مگر پہلی بات اظہر ہے۔

معنوی تشریح

پانی میں جو گیلا پن تھا۔ وہ گویا کہ آگ کو حاصل ہوگیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ آگ کو کفر اور کفار کے زوال پر گہرا دکھ تھا۔ گویا کہ وہ کفر کے اضمحلال اور اپنے پجاریوں کی جلاوطنی پر آہ و بکا کر رہی تھی اور اپنے احباب کی جدائی پر رو رہی تھی۔ پانی کو آگ کا شعلہ اور بھڑک پہنچ گئی تھی۔ اس کو بھی اپنے ساتھیوں اور دوستوں کی جدائی کا غم تھا۔ گویا کہ وہ بھی اپنی سیر گاہوں کے ختم ہونے پر افسوس کرنے کے لیے اور روشوں کے مفقود ہونے پر درد کا اظہار کرنے

کے لیے جل رہا ہے۔

(۶۵) وَالْجِنُّ تَهْتِفُ وَالْاَنْوَارُ سَاطِعَةٌ
وَالْحَقُّ يَظْهَرُ مِنْ مَّعْنًى وَّمِنْ كَلِمِ

لشکر شیطاں فغاں کردند ز اندوہ تمام
نور حق تاباں ز معنٰی و کلم شد دمبدم

کی فغاں جنات نے انوار بھی چمکے ادھر
نورِ حق روشن ہوا الفاظ و معنی سے بہم

ترجمہ: اور جن آوازیں دے رہے تھے جب کہ انوار پھیلے ہوئے تھے۔ اور حق، معنی اور کلام سے ظاہر ہو رہا تھا۔

لفظی تشریح

الجن۔ جُنّۃٌ سے ماخوذ ہے جس کا معنی چھپانا ہے۔ چونکہ یہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کا نام جن رکھا۔ ھتف، چیخنا۔ بات کو اس طرح سمجھانا کہ سامع متکلم کو نہ دیکھ سکے۔ الحق، امر نبوت۔

معنوی تشریح

جنوں کے گروہ کو بھی حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا علم ہو گیا۔ اور ان کو حضور کی رسالت کا وقت آنے کی خبر دی گئی۔ اس نور کے ظہور کے وقت انوار دنیا پر اس طرح ظاہر ہوئے کہ روم اور شام کے محلات روشن ہو گئے۔ اور حق یعنی امر نبوت ایسے

معنی سے ظاہر ہوا جو کہ ولادت کو مقرون ہے۔ اور وہ روشن کرتا ہے۔ اور اس کلام سے ظاہر ہوا جو اشاعت کے ارادہ کے لیے جنوں سے منطوق ہوئی۔

مروی ہے کہ لوگوں نے ابوقبیس اور حجون پہاڑ سے اس درمکنون کی ولادت کے وقت آپ کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی مدح میں جنوں کی اصوات سنیں۔ کسی نے ان کو نہیں دیکھا۔

"تحقیق خیرالبریہ احمد پیدا ہوئے"

ام عثمان بن ابی الیاس سے منقول ہے۔ فرماتی ہیں : میں حضور کی ولادت کی رات حاضر تھی، تو میں نے دیکھا کہ انوار تمام لوگوں اور شہروں (ملکوں) پر چھاتے ہوئے ہیں صفیہ بنت عبدالمطلب کہتی ہیں کہ میں نے ایسا نور دیکھا جو دیئے کی روشنی پر غالب تھا۔

بعض نے کہا کہ جنوں کی آواز (شور) سے مراد یہ ہے جو انھوں نے کاہنوں کو خبر دی کہ عنقریب واضح اور پھیلنے والے انوار کی جلو میں ایک صاحب نبوت پیدا ہوگا۔ کہا گیا ہے کہ آپ کی حقیقت آپ کی صورت اور معنی سے ظاہر ہوتی ہے یا حضور کے ظاہر و باطن سے یا امور معقول محسوسہ سے یا قرآن کے معانی اور الفاظ سے آپ کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔

(۱۰۶) عَمُوْا وَصَمُّوْا فَاِعْلَانُ الْبَشَائِرِ لَمْ
تُسْمَعْ وَبَارِقَةُ الْاِنْذَارِ لَمْ تُشَمِ

کور و کر گشتند نشنیدند بشارت از خدا
ہم ندیدند برقِ بیم از غایتِ رنج و غم

اندھے اور بہرے تھے سنتے کس طرح خوشخبریاں
بلکہ خوفِ برق بھی ان کو نہ تھا از رنج و غم

ترجمہ : وہ اندھے اور بہرے ہو گئے۔ پس نہ تو بشائر کا اعلان سنا گیا اور نہ ہی انذار کی چمک کو ان سے دیکھا جا سکا۔

لفظی تشریح

عموا اور صموا میں ضمیر اہلِ عناد کی طرف راجع ہے۔ جس پر قرینۂ حال دلالت کرتا ہے ذکر حبیب (اہل عناد) کی تعداد پر دلالت نہیں کرتا۔ (قرینہ یہ ہے کہ) اشیاء اپنی اضداد سے واضح ہوتی ہیں۔ اعلان مصدر اعلن کا۔ ظاہر کرنا۔ اَعلان ہو تو وہ علن کی جمع ہے جس کا معنی علانیہ ہے۔ البشائر۔ بشیر کی جمع بعض نے کہا ہے کہ بشارۃ کی جمع ہے۔ بمعنی خوشخبری۔ ایسی خبر جو سرور اور خوشی کا سبب ہو اور پہلے نہ سنی ہو۔ یہ مذکر و مونث دونوں طرح مروی ہے۔ البارقۃ یہ مصدر ہے بمعنی برق (چمک) جیسے کہ الکاذبۃ۔ اللہ تعالےٰ کے اس قول میں لیس لوقعتہا کاذبۃ۔ (قیامت کے واقع ہونے میں کوئی جھوٹ نہیں ہے) بعض نے کہا ہے کہ یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ پھر اس کا معنی تلوار ہے۔ اس صورت میں اس سے مراد چمک دار انذار ہے۔ الانذار ایسا اعلان جس میں تخویف اور نصیحت دونوں ہوں۔ شام بجلی کی چمک کی طرف دیکھنا۔

معنوی تشریح

کفار انوار کے دیکھنے سے اندھے ہو گئے۔ پس انھوں نے انذارات کی طرف نہ دیکھا جو اپنی چمک دمک اور روشنی کے سبب نظر آ سکتی تھی اور وہ اخبار اور اطلاعات سے

بھی بہرے ہوگئے۔ پس انھوں نے نبوت کی بشارتیں نہ سنیں جو علی وجہ الاعلان واقع ہو رہی تھیں۔ شاعر نے کہا ہے

لقد اسمعت لو ناديت حيّا

ولكن لا حياة لمن تنادی

(بے شک تو نے سنایا۔ کاش! تو کسی زندہ کو پکارتا (تو تیری آواز کا جواب دیتا) لیکن تو جس کو پکار رہا ہے۔ اس میں زندگی (کی کوئی رمق بھی باقی) نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ کفار نے نہ تو خوشخبری دینے والے کی بشارت سے انتفاع کیا اور نہ ہی ڈرانے والے کی نذارت سے متاثر ہوتے۔ نہ ہی آیات و معجزات مرئیہ سے اور نہ سنائی دینے والی دلالات اور حکایات سے۔ نہ ہی آپ کی ولادت باسعادت کی رات پھیلنے والے انوار سے اور نہ ہی آپ کی رسالت کے ظہور سے متعلق جنوں کی اخبار سے نہ وہ متاثر ہوئے جب انھوں نے کسریٰ کا ٹوٹا ہوا محل دیکھا۔ اور نہ ہی کاہنوں کے قول سے۔ جب ان کو خبر دی گئی، کیونکہ وہ حق بات سننے اور قبول کرنے سے بہرے تھے اور حق دیکھنے اور پہنچنے سے اندھے۔

اس شعر میں لف و نشر مشوش ہے۔ اظہر یہ ہے کہ اس کا عکس ہے۔ مابعد لفظی و معنوی لحاظ سے ماقبل سے متعلق ہے۔ پس یہ اس قسم سے ہے۔ جیسے قرآن پاک میں ہے:

يوم تبيض وجوه وتسود وجوه۔ فاما الذين اسودت وجوههم... الخ

ـــــــ

(۶۷) مِنْ بَعْدِ مَا اَخْبَرَ اُلاَقْوَامُ کَاهِنُهُمْ
بِاَنَّ دِیْنَهُمُ الْمُعْوَجَّ لَمْ یَقُمِ

پس ازاں کاخبار ایشاں کردہ بودند کاہناں
آنکہ دینِ شاں کژ ست ونیست خواہد گشت ہم

دی خبر اقوام کے سب کاہنوں نے بعد ازاں
دین ان کے ہو گئے باطل ہوئے سب کالعدم

ترجمہ: باوجود اس کے کہ ان قوموں کے کاہنوں نے ان کو آگاہ کر دیا تھا کہ ان کا ٹیڑھا (غلط) دین قائم رہنے والا نہیں ہے۔ (پھر بھی وہ اندھے اور بہرے بنے رہے۔

لفظی تشریح

من بعد یہ جار مجرور میں دو سابقہ عوامل متنازع ہیں۔ الکاھن وہ شخص جو جنوں کے گروہ سے سن کر بعض امور غیبیہ کی خبر دیتا ہے۔ جنوں کے گروہ آسمانی فرشتوں سے چوری کر کے بتاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں سے کوئی بھی ماسوائے اللہ تعالےٰ کے غیب نہیں جانتا۔ الاعوجاج ٹیڑھا پن اور امور حسیہ میں صورت کے عدم استقامت کو کہتے ہیں اور غیر حسی امور میں معنوی استقامت معدوم ہونے کو اعوجاج سے تعبیر کرتے ہیں۔ قامت السوق (بازار کھڑا ہوا) یعنی جب بازار میں خرید وفروخت عروج پر ہو۔

معنوی تشریح

کفار بہرے ہی رہے جب کہ انھوں نے اِنذار کی بشارتوں کو اس کے بعد بھی نہ سنا جب کہ ان کے کاہنوں نے اپنی کفار قوم کو یہ بتادیا تھا کہ ان کا وہ طریقہ جس کو انھوں نے بطور دین اپنایا ہے اور وہ اس درست راستے سے نکل گئے ہیں جن پر ان کو فطری طور پر پیدا کیا گیا ہے۔ وہ طریقہ قائم نہیں رہے گا اور اس کو رواج حاصل نہیں ہوگا۔ اللہ تعالے نے فرمایا: کہہ دیں کہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ اس شعر میں اشارہ ہے کہ حضور کی نبوت و رسالت کی حقیقت و صداقت پر یہ (کاہنوں کی خبر) محق ومبطل ہے۔

بار بار انکاری طور پر آنکھوں کا نور بجھ جانے کے متعلق اللہ تعالے نے کہا۔ اسی وجہ سے ناظم بھی کہتا ہے ؎

(۶۸) وَبَعْدَ مَا عَايَنُوا فِي الْاُفُقِ مِنْ شُهُبٍ
مُنْقَضَّةٍ وَّفْقَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ صَنَمٍ

دیدہ بودند ز آسماں آتش بزیر افتادہ بود
در زمیں ہم سرنگوں از خواری افتادہ صنم

بعد ازاں یوں ٹوٹتے تاروں کو دیکھا چرخ نے
اور منہ کے بل گرے سب سرنگوں ہو کر صنم

ترجمہ: اور اس کے باوجود کہ انھوں نے افق میں ستاروں کو دیکھا جو کہ زمین کے اندر بتوں کے گرنے کی مانند گر رہے تھے۔

لفظی تشریح

بعد جر اور نصب دونوں طرح مروی ہے۔ ما مصدریہ ہے یا موصولہ۔ الافق فاء پر سکون برائے تخفیف ہے ویسے ضمہ ہے۔ آفاق کی واحد ہے۔ آسمان کی اطراف۔ الشھب۔ شہاب کی جمع ہے۔ روشن ستارے۔ اس کا اطلاق پھیلنے والی آگ کے شعلہ پر بھی ہوتا ہے۔ زیادہ صحیح یہ بات ہے کہ یہ شہاب ستارے کی آگ سے منفعل ہوتا ہے بذاتِ خود یہ کواکب نہیں۔ البتہ کوکب ان کو اپنے حال کے مطابق فلک میں کبھی کبھی ضم کر لیتا ہے۔ یہ اسی طرح ہے جیسے آگ کی چنگاری لی جائے جب کہ وہ ثابت اور کامل ہو ناقص نہ ہو۔ انقضاض سقوط۔ گرنا۔ انقض السھم تیر گر گیا۔ مُنْقَضَّةٌ میں (رفع، نصب اور جر) تینوں حرکات جائز ہیں۔ وفق، یہ منصوب بنزع الخافض یا بوجہ حال واقع ہونے کے ہے یعنی اس حال میں کہ شہاب اس بات کے موافق ہوں جو زمین میں ہے۔

معنوی تشریح

وہ کفار اندھے ہو گئے جب کہ انھوں نے انذار کی واضح بجلیوں کو اس کے بعد بھی نہ دیکھا جب کہ انھوں نے آسمان کے اطراف میں شہاب کے گرنے کا معائنہ کیا جو کہ زمین کے اندر گر کر خاک میں ملنے والے بتوں کی طرح گرے۔ حاصل گفتگو یہ ہے کہ ان کفار کو آفاقی نشانیوں، استراقاتِ سمعی (جنوں کی چوری کردہ اخبار کی سماعت) اور بتوں کا مغلوب ہو کر منہ کے بل گرنے جیسی مشاہداتی نشانیوں نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا۔ پس جیسے ان کو بیان سے کوئی فائدہ نہیں ایسے ہی عیاں یعنی مشاہدے سے بھی ان کی کوئی اصلاح نہ ہوئی۔

(۶۹) حَتّٰی غَدَا عَنْ طَرِیْقِ الْوَحْیِ مُنْهَزِمٌ
مِّنَ الشَّیَاطِیْنِ یَقْفُوْا اِثْرَ مُنْهَزِمِ

از طریقِ وحی دیواں جملہ آوارہ شدند
دل شکستہ از پئے ہم میرسیدند از ہزم

بھاگتے تھے راستے سے وحی کے شیطان یوں
ایک پیچھے دوسرے کے سر پہ رکھ اپنا قدم

ترجمہ: یہاں تک کہ شیاطین وحی کے راستے سے ایک دوسرے کے پیچھے پے درپے بھاگ گئے۔

لفظی تشریح

حتی عاطفہ ہے یا ابتدائیہ۔ یہ منقضۃ کے متعلق ہے۔ غدا بمعنی صار لقول بعض بمعنی ذھب ہے۔ اس کا عطف منقضہ پر ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا قول فالق الاصباح و جعل اللیل سکنا۔ (صبح کو پھاڑنے والا اور وہ جس نے رات کو پرسکون بنایا) منھزم غدا کا اسم۔ یقفوا اس کی خبر ہے۔ اثر ظرف ہے۔ من الشیا طین۔ منھزم کی صفت ہے۔ عن طریق الوحی۔ ایک نسخہ میں عن طریق الحق ہے۔ یہ یقفوا کے متعلق ہے، کیونکہ یقفوا، ھرب کے معنی کو متضمن ہے۔ ایسے ہی کہا گیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ غدا کے متعلق ہے۔ اظہر یہ ہے کہ یہ منھزم کے متعلق ہے۔ طریق الوحی سے آسمان کے دروازے مراد ہیں۔

معنوی تشریح

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت ستارے ٹوٹ کر گرے۔ یہاں تک کہ چوری کرنے والے شیاطین پیٹھ پھیرتے ہوئے آسمان کے دروازوں سے بھاگ کھڑے ہوتے۔ جو کہ انبیاء و مرسلین کی وحی کا راستہ ہیں، ہر شیطان نے ایک دوسرے کے پیچھے پے درپے اتباع کی۔

حاصل کلام یہ کہ شہاب کے مسلسل کثرت کے ساتھ گرنے کا واقعہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور قدسی اور ولادت کے وقت ظاہر ہوا۔ اور کفار اس قسم کے واقعہ سے قبل معہود نہ تھے۔ اگرچہ ان کو فی الجملہ یہ علم تھا کہ یہ ستارے ان کے لیے رجوم بن کر ٹوٹتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: ہم نے آسمان دنیا کو مصابیح سے مزین کیا۔ اور ان کو شیاطین کے واسطے رجوم بنایا۔ اور اللہ تعالےٰ نے ان (جنوں کی) حکایت کرتے ہوئے یہ جو فرمایا ہے:

ترجمہ: (اور بے شک ہم نے آسمان کو چھوا تو ہم نے اس کو پایا کہ وہ اس کی حراست کی گئی ہے اور شہاب سے پُر ہے۔ ہم پہلے تو سننے کے لیے آسمان میں اپنی جگہوں پر بیٹھا کرتے تھے پس اب جو بھی سنے گا وہ اپنی تاک میں شہاب پائے گا)

تو اس سے مراد بعثت کے بعد ہے۔ ایسے ہی شیخ جلال الدین محلی نے اس کی تحقیق کی ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کے مقام کو بلند کرے۔

(۷۰) كَأَنَّهُمْ هَرَبًا أَبْطَالُ أَبْرَهَةٍ
أَوْ عَسْكَرٌ بِالْحَصٰى مِنْ رَّاحَتَيْهِ رُمِيْ

چوں دلیرانِ یمن بودند گویا در گریز!
یا چوں آں لشکر کہ از خاکِ نفس گشتند کم

تھا وہ لشکر ابرھہ کا یا پراگندہ سی فوج
سنگریزے جن پہ پھینکے تھے یدِ شاہ امم

ترجمہ: گویا کہ وہ (شیاطین) بھاگنے کے لحاظ سے ابرھہ کے بہادر سپاہی ہیں۔
یا اس کے لشکر کی مانند بھاگ رہے ہیں جن پر حضور کی ہتھیلیوں سے کنکریاں
پھینکی گئیں۔

لفظی تشریح

کانھم کی ضمیر کا مرجع شیاطین ہیں۔ ھربا تمیز ہے یا حال ہے بمعنی ہاربین۔
والابطال۔ بطل کی جمع۔ بہادر۔ ابرھہ اصحاب فیل کے سالار کا نام ہے۔ عسکر۔
ابطال پر معطوف ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ والراحۃ۔ ہتھیلی کا اندرونی حصہ۔ دمی
میں ضمیر عسکر کی طرف راجع ہے۔

معنوی تشریح

شیاطین پر جب آسمانِ دنیا سے شہاب پھینکے جاتے اور نچلی زمین کی طرف بھاگ رہے ہوتے تو یوں معلوم ہوتا کہ گویا وہ ابرھہ کے بہادر ہیں۔ جب ابابیل نے ان پر سجیل پتھر کی کنکریاں پھینکیں۔ جب کہ وہ ہاتھیوں کے ساتھ حملہ کرنے لگے تھے۔ (تو وہ بھاگ گئے)، یا پھر وہ بدر یا حنین کے مقام پر کفار کے لشکر کی مانند ہیں کہ جب ان پر کنکریاں حضور کی مبارک ہتھیلیوں سے پھینکی گئیں تو وہ شکست کھا گئے۔ رُمی فعل کے مجہول ہونے میں اللہ تعالٰے

کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی (جب آپ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو وہ آپ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھیں۔)

پہلا مصرع اصحاب فیل کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ آپ بارہ[۱۲] ماہ ربیع الاول سوموار کی رات عام الفیل میں پیدا ہوئے۔ اس واقعہ کے سبب یہ ہوا کہ یمن کے بادشاہ نے صنعاء میں ایک گرجا تعمیر کرایا تاکہ حاجیوں کو (بیت اللہ سے) پھیر کر اس کی طرف متوجہ کرے۔ تو بنو کنانہ میں سے ایک آدمی نے اس میں گندگی کا ڈھیر لگا دیا۔ بادشاہ نے قسم کھائی کہ وہ ضرور بر ضرور کعبہ کو گرائے گا۔ اس نے ایک عظیم لشکر اور لاتعداد فوج کے ساتھ مکہ شریف کی طرف پیش قدمی کی۔ جب مکہ میں داخل ہونے کی تیاری کی، تو ان پر غشی طاری ہو گئی۔ وہ سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ اور سجیل پتھر کی کنکریاں پھینکی گئیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہر کنکری چنے کے دانے سے کم اور مسور کے دانے سے بڑی ہوتی۔ کنکری کا پتھر لشکر کے خود پر گرتی اور دبر سے باہر نکل جاتی اور ان کو کھائے ہوئے چارے کی مانند بنا دیتی اللہ تعالیٰ کے اس قول میں اس کی طرف ہی اشارہ ہے: الم تر کیف فعل ربك باصحاب الفیل (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمھارے رب نے اصحاب فیل کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ ——— دوسرے مصرع میں اشارہ ہے:۔

امام بخاری کی روایت کے مطابق غزوہ بدر کی طرف ہے۔ اور امام مسلم کی روائیت کے مطابق غزوہ حنین کی طرف ہے۔ یہ واقعہ حضور کے معجزات میں سے ہے۔ آپ نے مٹی کی ایک مٹھی لی اور فرمایا: شاهت الوجوه (چہرے بدصورت ہو جائیں) اور کافروں کے چہروں کی طرف پھینکا۔ کوئی آنکھ بھی باقی نہ رہی مگر یہ کہ اس سے کچھ مٹی داخل ہوئی۔ عصام الدین نے کہا ہے کہ مشہور یہ ہے کہ آپ نے کنکریوں کی مٹھی لی تھی۔ اور

اس شعر سے بھی کنکریوں کا مفہوم حاصل ہوتا ہے۔ میں (شارح) کہتا ہوں کہ ناظم نے جو "راحتہ" (ہتھیلی) کو تثنیہ استعمال کیا ہے وہ باعتبار دو[2] غزوات میں دو[2] واقعات کے ہے۔

(۷۱) نَبْذًا بِهٖ بَعْدَ تَسْبِيْحٍ بِبَطْنِهِمَا
نَبْذَ الْمُسَبِّحِ مِنْ اَحْشَاءِ مُلْتَقِمِ

اوفگندہ از پئے تسبیح در دست رسول
مثل تسبیحے کہ یونسؑ را بیفگند از شکم

لے کے نام اللہ کا پھینکا جو کنکر آپؐ نے
حضرت یونس کو اگلا جیسے ماہی کا شکم

ترجمہ: آپؐ نے کنکریوں کو اپنی ہتھیلیوں سے تسبیح کے بعد پھینکا جیسا کہ تسبیح کہنے والے (حضرت یونسؑ) کو مچھلی کے پیٹ سے باہر پھینکا گیا۔

لفظی تشریح

نبذا پھینکنا مصدر اپنے غیر لفظ سے ہے۔ اس کی تقدیر یوں ہے۔ نبذ نبذاً به۔ باء زائدہ ہے تاکہ مصدر کا عمل قوی ہو۔ بہ کے اندر ضمیر حصی کی طرف راجع ہے۔ اور اس کے مذکر لانے کی وجہ ہے کہ وہ ایک اسم جنس ہے۔ اور بطنہما میں ضمیر راحتیہ کی طرف راجع ہے المسبح تسبیح کہنے والا۔ مراد حضرت یونس علیہ السلام ہیں نبذ المسبح مضاف کے مقدر ہونے سے نبذا کی صفت ہے اصل میں ہے نبذاً مثل

المسبح، یا اس سے بدل ہے۔ دریں صورت وہ مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اس طرح عبارت یوں ہے؛ نبذ اللہ المسبح۔ الاحشاء جمع حشٰی۔ آنت (جو کچھ پیٹ کے اندر ہے) الملتقم، نگلنے والا۔ (مچھلی)

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کنکریاں عظیم تسبیح کیساتھ اپنی باکرامت ہتھیلیوں سے پھینکیں۔ یہ تسبیح اس قدر بلند آواز سے تھی کہ بعض صحابہ کرام نے سنی۔ آپ نے کنکریوں کو ایسے پھینکا جیسے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے نگلنے کے بعد اس کے پیٹ سے باہر نکالا گیا جب کہ انھوں نے یہ تسبیح کہی تھی؛ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین۔

اللہ تعالے نے فرمایا؛ فالتقمه الحوت..الخ پس ان کو نگل لیا بڑی مچھلی نے اس حال میں کہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔ اگر وہ مسبحین میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس مچھلی کے پیٹ میں رہتے۔ ہم نے ان کو کھلے میدان میں ڈال دیا اور وہ بیمار تھے۔

حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے کفر کے منہ پر کنکریاں پھینکی تھیں اور کفر بھاگ گیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو اللہ تعالے نے مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا اور وہ متحیر ہو کر واپس آئے، تو اس سے پہلے واقعہ کو دوسرے کے ساتھ تشبیہ دینے کا مقصد یہ ہے کہ

اوّلاً؛ یہ دونوں واقعات خارق عادت ہیں۔ ثانیاً؛ جس حضرت یونس کا مچھلی کے پیٹ سے نکلنا ان کی نجات اور قوم کی ہدایت کا سبب بنا، ایسے ہی حضور نبی اکرم

صلے اللہ علیہ وسلم کا کنکریاں پھینکنا مسلمانوں کی خلاصی اور بعض کافروں کی ہدایت کا سبب بنا۔

حضرت جلال الدین محلی نے کہا کہ ناظم پھینکی گئی کنکریوں کی تسبیح کی دلیل پر تو واقف ہو گئے مگر اس آدمی پر آگاہ نہیں ہوتے جس نے اس بارے میں نفی کا اعتراض کیا ہے۔ یا اس ثابت شدہ تسبیح کو کسی اور مقام کے لیے ثابت کرنے کا قصد کیا۔ حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے کنکریوں کی ایک مٹھی لی۔ ان کنکریوں نے آپ کی مٹھی مبارک میں تسبیح کہی ہم نے تسبیح کو سنا۔ اس کو صاحب شعاب وغیرہ نے ذکر کیا۔ اسی پر ناظم کا قول بھی ہے۔

لیکن اس صورت میں حضور کے کنکریاں پھینکنے کی کوئی وجہ تعبیر اور حضرت یونس علیہ السلام باہر نکلنے کے ساتھ کوئی وجہ تشبیہ ظاہر نہیں ہوتی۔

(۷۲) جَاءَتْ لِدَعْوَتِهِ الْاَشْجَارُ سَاجِدَةً
تَمْشِيْ اِلَيْهِ عَلٰى سَاقٍ بِلَا قَدَمِ

ہم درخت آمد بفرمانش بہ نزد و سجدہ کرد
می دوید سوے او دائم بساقِ بے قدم

ہو کے مسجود آپ کی دعوت پہ اشجار آ گئے
پیڑ سے چلتے ہوئے رکھتے نہ تھے گو وہ قدم

ترجمہ: درخت، حضور کے بلانے پر متواضع ہو کر قدموں کے بغیر اپنے تنوں

پر چلتے ہوتے آتے ۔

لفظی تشریح

السجدۃ بست ہونا. اور یہ سر کو زمین پر رکھنے سے مکمل ہوتا ہے. اس وجہ سے اس کی تفسیر یوں کی گئی ہے۔ وضع افضل الاجزاء (رأس) علی ارذل الاشیاء (الارض) سب سے بہتر چیز کو گھٹیا اور کمینی شئے پر رکھنا یا پھر وہاں پر مراد خضوع اور فرماں برداری ہے۔

درخت حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے سبب آتے. اور جب حضور ان کو طلب فرمایا تو انھوں نے دعوت کو قبول کیا. اور اس طرح آتے کہ وہ مطیع اور عاجزی کی حالت میں سر کے بل آتے اور اپنے تنوں پر خضوع کے ساتھ بغیر قدموں کے گئے ۔

اس شعر میں مختلف قسم کی خوارق عادت ہیں :

(۱) نباتات کا خطاب کو سمجھنا. حالانکہ وہ زندہ چیزوں میں سے نہیں ہیں۔
(۲) ان کا آنا۔
(۳) مختلف قسم کی متعدد حرکات و سکنات کرنا۔
(۴) ان کا حضور علیہ السلام کی طرف قصد کرنا۔
(۵) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے تواضع کرنا ۔
(۶) پھر ان کا بغیر قدموں کے تنوں کے بل چلنا. یا تو سر کے بل چلنا ہے. یا پھر عاجزی اور خضوع کے ساتھ۔

عصام الدین محلی نے فرمایا کہ یہ واقعہ ایک ہی درخت سے حاصل ہوا. درختوں

کے جمع کا صیغہ ذکر کرنا تکرار پر محمول ہے۔ یعنی وجود واحد ہونے کے باوجود حرکت کا تکرار مراد ہے، لیکن وہ اس چیز سے غافل ہیں۔ جو صاحب شفاء اور ان کے علاوہ دیگر اہل وفا نے شمائل مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ ایک ایک اعرابی حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کسی معجزہ (نشانی) کا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا: اس درخت سے کہو کہ تمہیں رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) بلاتے ہیں۔ (یہ حکم پہنچنے کی دیر تھی کہ) وہ درخت دائیں بائیں، آگے پیچھے جھکا۔ (اس طرح) اپنی جڑیں کاٹیں پھر وہ جڑیں زمین میں سے کھینچتا ہوا آیا اور حضور کے آگے آکر کھڑا ہوگیا۔ کہا: السلام علیک یارسول اللہ! اعرابی نے کہا: آپ اس کو حکم دیں کہ یہ اپنی جگہ واپس چلا جائے، تو وہ درخت اپنی جگہ جاکر سیدھا ہوگیا۔

امام مسلم نے کتاب کے آخر میں حضرت جابر سے ایک طویل حدیث روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قضائے حاجت کے لیے باہر تشریف لے گئے۔ ادھر ادھر دیکھا کوئی چیز ایسی نظر نہ آئی جو ستر کا کام دے سکے۔ اچانک آپ نے وادی کے دونوں کناروں پر دو درخت دیکھے۔ آپ ایک کی طرف تشریف لے گئے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑی اور فرمایا: اللہ تعالےٰ کے اذن سے میری اطاعت کرو۔ وہ اطاعت کرتا ہوا ساتھ چل پڑا یہاں تک کہ دوسرے درخت کے پاس تشریف لائے۔ اور اسے بھی فرمایا: اللہ تعالےٰ کے اذن سے میری اطاعت کرو۔ یہاں تک کہ پھر قضائے حاجت کے بعد دونوں جُدا ہوگئے۔ ہر ایک اپنے اپنے تنے پر کھڑا ہوگیا۔

(۷۳) كَأَنَّمَا سَطَرَتْ سَطْرًا لِّمَا كَتَبَتْ
فُرُوْعُهَا مِنْ بَدِيْعِ الْخَطِّ فِي اللَّقَمِ

گوئیا خطے کہ کردند شاخہا بر ہر درخت
می نوستند سے خطِ نیکو عجب اندر رقم

ان درختوں نے لکیریں خوب کھینچیں اور لکھا
ڈالیوں سے اپنی وسطِ راہ میں باپیچ و خم

ترجمہ: گویا وہ درخت ایک خط کھینچے ہوتے آئے۔ اور ان کی شاخیں ان سطور کے درمیان خوبصورتی پیدا کر رہی تھیں۔

لفظی تشریح

کانما میں ما کافہ ہے۔ السطر لکھنا۔ لما میں لام بمعنی وقت ہے۔ الفروع ٹہنیاں۔ البدیع عجیب و غریب۔ بروزن فعیل بمعنی مفعول ہے۔ اضافت از قسم صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ مِنْ۔ ما موصولہ کا بیان ہے۔ اور ضمیر عائد محذوف ہے اصل میں تھا، کتبتہ۔ اللقم، راستے کا درمیانہ حصہ۔ بعض نے کہا ہے، اس کا معنی لوح ہے۔ بعض نے کہا کہ روائت اور درائت کے اعتبار سے پہلا معنٰی ہی مناسب ہے۔ البأ بمعنی فی ہے۔ لقم میں قلم کی تقلیب ہے۔ الٹے ہوئے حروف ہیں۔ وہ لکھنے کا ایک آلہ ہے۔ اس میں کچھ غرابت ہے جو کہ محسنات بدیعیہ سے ہے۔

معنوی تشریح

(پچھلے شعر میں گذر چکا ہے کہ حضور نے درختوں کو بلایا تو وہ اپنی جڑیں گھسیٹتے ہوئے آئے۔ راستہ غبار آلود ہونے کے باعث درختوں کی ٹہنیوں سے راستہ میں گھسٹنے کے باعث

لکیریں پڑگئیں، ناظم نے زمین میں درختوں کی ٹہنیوں کے نشانات کو متدبر (سمجھدار) کے لیے ایسے خط سے تشبیہ دی جو کہ غور و فکر کرنے والے کے نزدیک معانی کا فائدہ دینے والے لفظ پر دلالت کرے۔

(۷۴) مِثْلَ الْغَمَامَةِ اَنّٰی سَارَ سَائِرَةً
تَقِیْهِ حَرَّ وَطِیْسٍ لِلْهَجِیْرِ حَمِیْ

ابر بودے بر سرش تا او برفتے ہر کجا
تا نگاہش داشت از گرمائے تابستان گرم

ابر کے مانند وہ سایہ فگن تھے آپؐ پر
تا بچائے گرم موسم کی حرارت سے بہم

ترجمہ: ان درختوں کا حضور کے پاس آنا بادل کی ٹکڑی کی طرح ہے کہ حضورؐ جہاں جہاں بھی تشریف لے جاتے وہ ساتھ چلتی رہتی۔ اور آپ کو دوپہر کی سخت گرمی سے بچاتی۔

لفظی تشریح

محذوف مصدر کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ای مجیئا مثل الغمامة۔ الغمامة غین پر فتحہ عصام الدین نے وہم کیا ہے کہ یہ بروزن عمامة ہے مگر یہ درست نہیں ہے، کیونکہ عمامة کی عین پر کسرہ ہے۔ جیسا کہ قاموس وغیرہ میں ہے۔ مثل کو اگر مرفوع پڑھیں تو یہ خبر مبتدا محذوف کی ہوگی۔ جو کہ "ھی" ہے جس کا مرجع الاشجار

ہے اس صورت میں معنی یہ ہے۔ درخت حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے خدمت کرنے میں بادل کے مانند ہیں یا ان کا آنا بادل کے سایہ کرنے کی طرح ہے اس طرح مضاف محذوف ہوگا۔ انّیٰ کا معنی ہے: کس جگہ سے کہاں تک۔ یا بمعنی کیف ہے۔ یعنی کیسے آئے پیدل یا سوار، تیز یا آہستہ۔ سائرۃٌ مرفوع بلحاظ خبر مبتدا مقدر کی جو کہ ھی ہے۔ تقیہ۔ حفاظت کرنا۔ یہ بھی مقدر مبتدا کی دوسری خبر ہے یا نیا جملہ ہے۔ یا اپنے مابعد کا واقع حال ہونے کے باعث منصوب ہے، تو معنی ہوگا: (درختوں کی آمد) وہ بادل کے مشابہ ہے جب کہ وہ چلنے والی ہو کر کیسے چلے۔ الوطیس تنور۔ مراد گرم ہوا کا تنور ہے۔ حمی فعل ماضی ہے۔ اس کے آخر کا سکون بوجہ وقف عارضی ہے۔ یہ وطیس کی صفت ہے۔ کہا جاتا ہے: حمی الوطیس جب کہ جنگ سخت گرم ہو جائے یا کوئی مشکل معاملہ درپیش ہو تو یہ محاورہ استعمال کیا جاتا ہے۔ الہجیر دوپہر۔

بار بمعنی فی ہے ایسے ہی لام بھی فی کے معنوں میں ہے۔ جیسا کہ بعض نسخوں میں مذکور ہے۔

معنوی تشریح

درخت حضور کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوتے چل کر آپ کے پاس آتے جیسا کہ بادل چلتے ہوئے اور دن کی سخت گرمی سے آپ کو بچاتے ہوتے آتے! اور اہل اخیار و اغیار جہاں کہیں نبی مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے جاتے، درخت آپ کی خدمت سے مشرف ہوتے۔ بادلوں نے (آپ کی خدمت کرنے پر) فخر کیا اور سایہ کرنے کے لیے بلند ہو گئے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تمام بلندیاں اور پستیاں آپ کے سامنے سرنگوں ہیں۔

محلی نے کہا ہے کہ ترمذی کی روایت کے مطابق بادلوں کا حضور علیہ السلام پر سایہ
کرنے کا واقعہ شام کی طرف تاجروں کے قافلہ میں اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ سفر
کے دوران پیش آیا تھا۔ عصام الدین نے کہا: ناظم یوں کہتا :

مثل الغمامه لما سار سائرة

وقته حر وطيس للهجير حمى

یعنی انی کی بجائے لما اور تقیه کی بجائے وقته ہوتا تو زیادہ مناسب تھا
کیونکہ اَنّٰی - اِن کے معنی کو متضمن ہے اور اس کا مدخول بہ مستقبل کے معنوں میں ہوتا ہے
اور حال یہ ہے کہ مقام ماضی کا مقتضی ہے۔

اس اشکال کو دور کرنے میں جو بات دل کو کھٹکتی ہے اس کی غائت یہ ہے کہ اس
سیر (سفر) سے ماقبل کی طرف نظر کرنے سے مستقبل سے یہ تعبیر کیا جائے کہ بادل
کے موجود ہونے کا وہ زمانہ ابتداً ہے۔

(۷۵) اَقْسَمْتُ بِالْقَمَرِ الْمُنْشَقِّ اِنَّ لَهٗ
مِنْ قَلْبِهٖ نِسْبَةً مَّبْرُوْرَةَ الْقَسَمِ

میخورم سوگند بہر ماہے کہ منشق شد ازو
نسبتے دارد ز قلبش زاں درست آمد قسم

قلب پاک مصطفیٰ سے چاند کو نسبت ہے خاص
ماہِ منشق کی قسم کھاتا ہوں میں سچی قسم !!

ترجمہ: میں دو ٹکڑے ہونے والے چاند کی سچی قسم اٹھا سکتا ہوں اس کو آپ کے قلب انور سے خصوصی نسبت ہے۔

لفظی تشریح

کہا گیا ہے کہ یہاں غیر اللہ کی قسم شاعروں کی عادت کے مطابق ہے وگرنہ شرع نے تو اس کو شرک شمار کیا ہے۔ اسی وجہ سے اس طرح کی قسموں میں مضاف مقدر سمجھا جاتا ہے تقدیر یوں ہوئی: اقسمت برب القمر اس اعتبار سے کہ یہ کلام اللہ سے حکایت کے طور پر ذکر کیا گیا ہو (تو وہ بھی جائز نہیں) کیونکہ اللہ تعالے کو اپنی بعض موجودات کی عظمت بیان کرنے کی خاطر مخلوقات میں جس کی چاہے، قسم اٹھانا روا ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالے کا قول: کلا والقمر .... الخ

عصام الدین نے اس کو غریب کہا ہے۔ اور کہا کہ جس قسم سے حکم کی تاکید مراد ہو وہ منع نہیں ہے۔ اسی وجہ سے محاورات میں چاند کی قسم وغیرہ اٹھائی جاتی ہے اور اس سے روکنا ممنوع ہے۔

میں (شارح) کہتا ہوں کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے آپ نے فرمایا: جس نے غیر اللہ کی قسم اٹھائی اس نے شرک کیا۔ اس کو امام ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالے عنہ سے صحیح سند سے روایت کیا ہے، اور صحیحین (بخاری و مسلم) میں آیا ہے کہ غیر اللہ کی قسم نہ اٹھاؤ۔ جو کوئی قسم اٹھاتے وہ اللہ کی قسم اٹھائے یا چپ کر جاتے۔

طیبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: بات دراصل یہ ہے کہ قسم محلوف بہ (جس کی قسم کھائی گئی ہے) کی تعظیم کے لیے کھائی جاتی ہے۔ اور صیغۂ تعظیم مخصوص ہے صرف

اللہ تعالےٰ کے ساتھ۔ (اس وجہ سے) اللہ تعالےٰ کے اسمار کے علاوہ قسم اٹھانا مکروہ ہے اس میں نبی، کعبہ، ملائکہ، مارنا (موت) زندگی اور روح وغیرہ سب برابر ہیں۔ قمر کا اطلاق ابتدائی تین راتیں گزرنے کے بعد رات کو روشن ہونے والے پر ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کو ہلال کہا جاتا ہے۔ لہٗ اور قلبہٗ دونوں کی ضمیریں حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی راجع ہیں مبرورۃ القسم ایسی نسبت کی صفت ہے جو قسم کو صحیح کرنے والی ہو۔ اس طرح کہ اگر قسم اٹھانے والا اس نسبت کے ثبوت کی قسم اٹھائے تو وہ سچا ہوا اور قسم سے پورا اتر جائے بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ یمین (قسم) کی صفت ہے۔ اس پر اقسمت نے دلالت کی۔

معنوی تشریح

بے شک شق ہونے والے چاند کو حضور کے قلب انور اور سینہ ازہر سے بالکل واضح مناسبت اور صحیح مشابہت ہے۔ اس طرح کہ اس نسبت کے متعلق قسم اٹھانے والا سچا ہے۔

یہ انشقاق بلا ضرورتِ التیام اور بغیر کسی اثر کے واقع ہوا۔ ان میں سے ایک آیات میں سے ایک آیت ہے اور دوسرا معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔

انشقاق قلب کے بارے میں امام مسلم نے حضرت انس سے روایت کی ہے ایک دفعہ جبرائیل علیہ السلام آئے جب کہ حضور (ایام طفولیت میں) بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ انھوں نے آپ کو پکڑ کر لٹا لیا۔ اور دل کے مقام پر سے سینے مبارک کو شق کیا۔ دل کو نکالا اور اس میں سے کوئی چیز نکالی۔ کہا یہ آپ میں سے شیطان کا حصہ ہے پھر اس کو سونے کے تھال میں دھویا اور نرم کیا۔ پھر اپنی جگہ پہ رکھ دیا۔ نبی پاک صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں اپنے سینے میں سلائی کا نشان دیکھتا تھا۔

صحیحین میں حضرت ابوذر سے ایک روایت مروی ہے۔ حضور نے فرمایا: میں جب مکہ تھا، تو میرے مکان کی چھت پھٹی، جبرائیل اترا۔ میرے سینے کو چیرا۔ پھر اس کو زمزم کے پانی سے دھویا۔ پھر وہ ایمان وحکمت سے بھرا ہوا سونے کا تھال لائے اور میرے سینے میں انڈیل دیا۔

پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا۔ اور مجھے آسمان پر لے گئے۔۔۔ الخ

انشقاقِ قمر کے بارے میں اللہ تعالےٰ نے اپنی کتاب مقدس میں بیان فرمایا ہے:

اقتربت الساعة وانشق القمر۔ وان یروا ایة یعرضوا ویقولوا سحر مستمر (قیامت قریب ہوگئی۔ اور چاند پھٹ گیا۔ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ مسلسل جادو ہے۔) اور صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آپ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں، تو انھوں نے چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا مطالبہ کیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے دو ٹکڑوں کے درمیان کئی اجزا دیکھے۔ انتہیٰ۔

یہ بات ثابت ہے کہ انشقاقِ قمر دو مرتبہ ہوا۔ اور یہ بھی پہلے گزر چکا ہے کہ شق صدر کا واقعہ بھی دو مرتبہ ہوا، تو قلب منیر اور قمر مستنیر کے درمیان دو نسبتیں ہوگئیں۔

(۷۶) وَمَا حَوَى الْغَارُ مِنْ خَيْرٍ وَّمِنْ كَرَمٍ
وَكُلُّ طَرْفٍ مِّنَ الْكُفَّارِ عَنْهُ عَمِيْ

جمع کردہ غار خیرات وکرامت ہا بسے
با محمد چشم کافر گشت زیں شاں کورہم

کیا نظر آتا انھیں کفار تھے سب کور چشم
غار میں جو ہو گئے تھے جمع با خیر و کرم

ترجمہ: اور یاد کرو جب کہ غار (ثور) نے خیر اور کرم کو اکٹھا کر دیا۔ اور کفار کی ہر آنکھ آپ کو دیکھنے سے اندھی تھی۔

لفظی تشریح

ثور مکہ میں ایک پہاڑ ہے۔ من، کفار کا بیان ہے۔ خیر اور کرم سے مراد افعال جمیلہ اخلاق جلیلہ، وہبی اور کسبی عادات مبارکہ ہیں۔ یہ حذف مضاف کے طریقہ سے ہے۔ اصل میں تھا۔ (من اھل خیر و من اھل کرم) اور اس طرح کا اطلاق مبالغہ کے طور پر ہوتا ہے۔ جیسے رجل عَدْلٌ (بہت عادل مرد)۔

معنوی تشریح

خیر اور کرم دونوں سے مراد نبی اور ولی (حضرت ابوبکر صدیق) ہو سکتا ہے یا یہ مراد لف و نشر مرتب کے طور پر ہے۔ پس خیر مطلق سے خیر البریہ حضور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم اور کرم سے افضل الامت (حضرت ابوبکر صدیق) مراد ہیں۔

ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسی کا ہم پر احسان نہیں مگر یہ کہ ہم نے اس کا بدلہ چکا دیا ہے سوائے ابوبکر کے۔ بے شک ابوبکر کا ہم پر احسان ہے۔ جس کا بدلہ اللہ تعالے ان

کو قیامت کے روز عطا کرے گا۔ مجھے کسی کے مال نے نفع نہیں دیا۔ جتنا ابوبکر کے مال نے نفع دیا ہے۔

حضور نبی اکرم اور حضرت صدیق کے نشانات کا کھوج لگانے کے لیے غار کے ارد گرد چکر لگانے والے کفار کی نظر کو پھیر دیا گیا۔ عنہ کی ضمیر کو مفرد ذکر کیا، کیونکہ اصل متبوع ہوتا ہے۔ یا اس کی تقدیر یوں ہے: عن کل واحد منهما۔ دونوں میں کسی کی طرف بھی ان کی آنکھ نہ اٹھ سکی، اندھی رہی۔

اللہ تعالٰے نے فرمایا: وتريهم ينظرون اليك وهم لا يبصرون آپ کا خیال ہے کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں حالانکہ ان میں بصارت ہی نہیں۔

کسی شاعر نے کہا ؎

ويؤذي ضوء شمس عين خفاش

وقال كما يَضُرُّ رياح الورد بالجعل

صحیحین میں ہے۔ حضرت صدیق اکبر نے کہا: "میں نے ان کے قدموں کو اپنے سر پر دیکھا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی اپنے قدموں کی طرف دیکھے تو ہمیں دیکھ لے تو حضور نے فرمایا: ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ اللہ تعالٰے ہو۔

قرآن پاک میں ہے: الا تنصروه فقد نصره الله اذ اخرجه الذين كفروا ثاني اثنين اذ هما في الغار اذ يقول لصاحبه لا تحزن ان الله معنا۔

(۷۷) فَالصِّدْقُ فِي الْغَارِ وَالصِّدِّيقُ لَمْ يَرِمَا
وَهُمْ يَقُولُونَ مَا بِالْغَارِ مِنْ اَرِمِ

صدق و صدیقند در غار و کس ایشاں را ندید
کافراں گفتند کس اینجا نہ باشد منکتم

صدق اور صدیق اکبر غار ہی میں تھے چھپے
غار میں کوئی نہیں کفار کہتے تھے بہم

ترجمہ: سراپا صدق (حضور نبی اکرم) اور صدیق (ابوبکر) غار میں دکھائی نہیں دیتے حالانکہ وہ (کفار) آپس میں کہہ رہے تھے۔ غار میں کوئی بھی نہیں۔

لفظی تشریح

الصدق مصدر بمعنی صادق و مصدوق ہے یا بالمعنی الاعم صاحب صدق مراد ہے۔ یا مبالغہ کے طور پر ہے۔ جیسے رجل عدل۔ یعنی ایسا صادق و مصدوق جس پر صدق منحصر ہو بلکہ وہ عین صدق ہو۔ مراد نبی اکرم کا غار ثور میں صدیق اکبر کی معیت میں تشریف فرما ہونا۔ جبکہ صدیق کا معنی ہوتا ہے، اکثرت سے سچ بولنے والا اس طرح کہ صدق سے مفارق نہ ہو۔ پس صدق کے لیے ایسی جز ہے جو ناقابل انفکاک ہے۔ بعض علماء نے لَمْ یَرِیَا کہا ہے۔ یا مفتوح اور راء مکسورہ کے ساتھ۔ بمعنی لَمْ یُبْصِرَا و لَمْ یَرْوَلَا۔ اس صورت میں اس کا اصل یوں ہوگا۔ اس فعل کا عین کلمہ واؤ اور اس کے بعد یاء واحد مذکر غائب صیغہ ہونے کی صورت میں التقا کے ساکنین کے سبب واؤ۔ یاء کی اتباع میں حذف ہوگئی۔ البتہ استعمال کی صورت میں اس کی ہیئت یوں ہی ہے یعنی یاء کو کسی عارضے کے سبب حرکت دینے کی صورت میں یاء برقرار رہتی ہے۔ اور یونہی میم کو بھی عارضی طور پر حرکت دے دی جاتی ہے۔ یہ دونوں صورتیں تنزیل کی ہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ ضرورت شعر پر محمول کرنے

کی بجائے عارضے پر اعتبار نہ کیا جائے کیونکہ یہ محل نظر ہے۔ اس لیے کہ ضرورات شعر میں اس قسم کا حذف غیر قیاسی ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے لیے مرادی معنی اخذ کرنے میں تشویشناک التباس کا باعث بنتا ہے۔ اور بالکل یہی صورتِ حال ہے اس قول میں جس میں کہا گیا کہ یہ لفظ روم سے مشتق ہے اور مجہول کا صیغہ ہے۔ روم کا معنی طلب کرنا ہے، عجیب بات تو یہ ہے کہ یہ دونوں باتیں صرف مطلوب ہی نہیں بلکہ محبوب بھی ہیں۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ ورم سے مشتق ہے یعنی اللہ تعالےٰ کے حکم کے باوجود ادب کی وجہ سے طیش میں نہیں آئے۔ بعض نے کہا ہے کہ زہروں سے پیدا شدہ ورم سے آپ برافروختہ نہیں ہوئے، کیونکہ غار سانپوں کا ٹھکانہ تھی۔ اس صورت میں یہ خوارق عادات میں سے ہوگا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ صیغہ مفرد کا موکد بانون خفیفہ ہے تو وقف کی وجہ سے نون کو الف سے بدل دیا ہے۔ ضمیر حضرت ابوبکر کی طرف راجع ہے اور (یہ بیان) کے بارے میں خبر ہے جب کہ آپ کے قدم مبارک کو سانپ نے ڈس لیا اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا سے درد ختم ہو گیا۔

بعض نسخوں میں "لم یُرَمْ" سے بصیغہ مجہول درج ہے۔ اس کا معنی ظاہر ہے، لیکن بعض شارحین نے کہا ہے کہ یہ کتاب میں تصحیف ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وھم یقولون۔ حال یہ ہے کہ غار کے دروازے پر کھڑے کفار، جو خدائے قہار کی مدد سے آنکھوں سے اندھے تھے، یہ کہتے ہیں کہ غار میں کوئی نہیں ہے۔

اِرَم و اَرَم۔ کوئی ایک۔ ادم سے پہلے من برائے مبالغہ ہے۔

وہ کفار غار کے منہ پر مکڑی کے جال، کبوتری کے انڈے اور اس کے غار کے اردگرد

اڑنے کو دیکھ رہے تھے۔

معنوی تشریح

جب نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ غار ثور کے اندر پناہ گزیں ہوتے ۔کفار بھی آپ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ اور غار ثور کے دھانے تک پہنچ گئے۔ مگر وہاں انھوں نے کچھ ایسی علامات دیکھیں جن سے ان کو یہ وہم بھی نہ گزرا کہ غار کے اندر کوئی ہے۔ اور ایک دوسرے کو کہنے لگے کہ یہاں غار کے اندر کوئی بھی نہیں ہے حالانکہ حضور نبی اکرمؐ اور حضرت صدیقؓ تقریباً سامنے ہی تھے مگر وہ دکھائی نہ دیئے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکرؓ سے منقول ایک خبر پچھلے شعر میں گزر چکی ہے۔

وہ علامات یہ تھیں :

(۱) کبوتری کا گھونسلا اور اس کا منڈلانا۔

(۲) گھونسلے میں انڈا۔

بعض روایات میں ہے کہ قدرت خداوندی سے غار کے آگے ببول کا درخت کہیں دور سے آگیا۔ اور اس پر کبوتری نے گھونسلا بنایا۔ اور انڈے دے کر سینے بیٹھ گئی۔

(۳) مکڑی نے غار کے منہ پر جالا تن دیا۔

مزید تشریح اگلے شعر میں ملاحظہ فرمائیں :

(۷۸) ظَنُّوا الْحَمَامَ وَظَنُّوا الْعَنْكَبُوْتَ عَلٰى
خَيْرِ الْبَرِيَّةِ لَمْ تَنْسُجْ وَلَمْ تَحُمِ

تخم بنہادہ کبوتر بُد بہ بفتِ عنکبوت
کافراں را شد گماں کانجا نیاسودہ نسم

دیکھ کر انڈے کبوتر کے اُدھر مکڑی کا جال
تھا گماں کفار کو اس میں نہیں شاہِ امم

ترجمہ : انھوں (کفار) نے کبوتری اور مکڑی کو خیال کیا کہ مکڑی نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم پر جالا نہیں تنا۔ اور کبوتری نہیں اڑی۔

لفظی تشریح

البریۃ۔ تشدید اور ہمزہ کے ساتھ۔ مخلوقات۔ خیر البریہ سے مراد سید الانبیاء و الاولیاء نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لَمۡ تَحُمۡ (حام ۓ) کسی شے کے گرد چکر لگانا۔ دونوں فعلوں کو مؤنث لانے کا سبب یہ ہے کہ ناظم نے کبوتری اور مکڑی کی جنس مراد لی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عنکبوت میں مشہور ہے کہ جالا بننا مؤنث کا شغل ہوتا ہے جیسا کہ انڈے دینا مؤنث کے ساتھ مخصوص ہے۔

معنوی تشریح

کفار نے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عدم تعیین کے باعث گمان کیا کہ مکڑی نے جالا نہیں تنا اور کبوتری غار کے گرد نہیں اڑی، تو انھوں نے خیال کیا کہ گھر میں کوئی مکین نہیں ہے۔ اور وہ نشانات کا کھوج لگانے سے باز آگئے۔ کہنے لگے۔ اگر کوئی غار میں ہوتا تو یہ نشانات ختم ہو چکے ہوتے۔ جب کسی نے کہا کہ تم اس غار میں داخل ہوتے ہو کیا تم اس پر مکڑی کا جالا نہیں دیکھتے تو امیہ بن خلف بولا: یہ علامات تو میں نے

(حضرت) محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی ولادت سے قبل دیکھی تھیں۔

یہ واقعہ اللہ تعالےٰ کے کمال قدرت پر واضح ترین دلیل ہے کہ اللہ تعالےٰ نے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو بہت بڑے دشمن سے ایک کمزور ترین شے (جالا) کے ذریعے بچالیا۔ نیز یہ اللہ تعالےٰ کے بلند مرتبہ نبی اور واضح دوست کے مراتب کی بلندی پر اظہر علامات میں سے ہے کہ پرندے اور کیڑے مکوڑے آپ کی خدمت کرتے ہیں جیسا کہ آپ کے لیے ظاہر ہوا۔

ناظم نے بہت بہتر انداز میں مختلف قسم کے معجزات اور خوارق عادات ذکر کی ہیں کہا گیا ہے کہ حرم کے کبوتر اس وقت اسی کبوتری کی نسل سے ہیں۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس جالا بننے کی وجہ سے عنکبوت (مکڑی) کو قتل کرنے سے روک دیا ہے۔

(۷۹) وِقَايَةُ اللهِ اَغْنَتْ عَنْ مُّضَاعَفَةٍ
مِّنَ الدُّرُوْعِ وَعَنْ عَالٍ مِّنَ الْاُطُمِ

چوں خدا او را از مکرِ دشمناں محفوظ داشت
بر زرہ حاجت نبودش و بحصنِ قلعہ ہم

کی حفاظت آپ کی ایسی خدائے پاک نے
زرہ اور قلعوں سے مستغنی ہوئے شاہِ امم

ترجمہ: اللہ تعالےٰ کی حفاظت نے آپ کو متعدد زرعوں اور اونچے قلعوں سے مستغنی کر دیا۔

لفظی تشریح

الاطم ۔ اطمۃ، کی جمع ہے ۔ قلعہ ۔

معنوی تشریح

اللہ تعالےٰ ملک جبار کی حفاظت نے اپنے نبی مختار کو ذرعوں اور متعدد اسلحہ اور بلند و بالا قلعوں سے مستغنی کر دیا۔ اس کی توجہ کافی ہے ۔ اور اس کی حفاظت مکمل حفاظت ہے ۔ کیونکہ اپنی مرضی کے مطابق جس کو چاہے اس کو اپنی مخلوقات میں سے جس سے چاہے اس سے حفاظت کرتا ہے ۔ جو بھی اس کی پناہ اور حفاظت کا ارادہ کرے اس کو اپنی عجیب و غریب مصنوعات سے بچاتا ہے ۔ جیسے کہ اس نے غار کو مضبوط قلعہ اور مکڑی کے جالے کو قوت میں مضبوط ذرع بنا دیا ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنی حفاظت فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت اتری ؛ و اللہ یعصمک من الناس ۔ (اللہ تعالےٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا ۔) تو آپ نے قبہ مبارک سے سر نکالا اور فرمایا ؛ لوگو! واپس چلے جاؤ ۔ میرے رب نے مجھے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عصمت (پہلے بھی اللہ تعالےٰ ہی کی طرف سے تھی مگر) پہلے بواسطہ حجاب تھی ۔ جب حجاب اٹھ گیا تو رب الارباب نے (بغیر حجاب) کے حفاظت کی ۔

شعر میں اللہ تعالےٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے ؛ الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ ۔ اگر تم نے اس کی مدد نہ کی تو اللہ تعالےٰ نے اس کی مدد کی ہے ! اور ناظم اللہ تعالےٰ کے اس قول کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے ؛ وما النصر الا من عند اللہ

العزیز الحکیم۔ (نہیں ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے جو کہ غالب حکمت والا ہے۔)

(۸۰) مَاسَامَنِی الدَّھْرُ ضَیْمًا وَّاسْتَجَرْتُ بِهٖ
اِلَّا وَنِلْتُ جِوَارًا مِّنْهُ لَمْ یُضَمِ

رنج اگر دیدم ز دہر و خواستم از وے اماں
در جوارِ او خلوص از ہر بلائے یافتم

جب زمانے نے ستایا میں نے لی اُن کی پناہ
جب ملی ان کی مدد بس دور تھا سب رنج و غم

ترجمہ: زمانہ نے مجھے ظلم کی سختی نہیں چکھائی۔ حال یہ ہے کہ جب بھی میں نے حضور کی پناہ مانگی۔ مجھے پناہ مل گئی۔ اور زمانہ مجھ پر کوئی ظلم نہ کر سکا۔

لفظی تشریح

السوم۔ شدت اور محبت کا ذائقہ چکھانا۔ اسی سے اللہ تعالٰے کا یہ قول ہے: یسومونکم سوء العذاب (وہ تم کو بُرے عذاب کا ذائقہ چکھائیں گے۔ ایک نسخہ میں سامنی کے بجائے ضامنی ہے جو کہ ضیم بمعنیٰ ظلم ہے۔ اور دہر کی طرف نسبت مجازی عرفی ہے۔ جو کہ مطلق زمانہ مراد ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں پر مضاف مقدر مانا جائے یعنی خالق الدھر کہا جائے۔ ضیما نسخہ سین (سامنی) کے مطابق مفعول ثانی ہے اور نسخہ ضاد (ضامنی) کے مطابق مفعول مطلق ہے ایک نسخہ ضیما کی بجائے یومًا ہے جو کہ منصوب علی الظرفیت ہے۔ استجرت کا سامنی

پر عطف ہے۔ الاستجار پناہ طلب کرنا۔

بعض نے اس کا معنی پناہ حاصل کرنا، التجا کرنا اور نجات چاہنا کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ استجرت حال ہے (چونکہ حال جب فعل ماضی واقع ہو رہا ہو تو اس کے لیے قد کا آنا شرط ہے) قد مقدر ہے اور یہی اظہر ہے۔ استثنا مفرّغ ہے۔ بہ کی ضمیر کا مرجع حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ نلت۔ نال سے مشتق ہے۔ مراد تک پہنچ جانا۔ اپنی آرزو اور مقصود کو حاصل کرنا۔ منہ میں ضمیر ضیم کی طرف راجع ہے الجوار بکسر جیم۔ مجاورت کرنا۔ حفاظت کرنا۔ اگر جوار کا معنی خلاص ہو تو۔ اور اگر جوار کا معنی طلب ہو تو خیر البریۃ کے لئے ہے۔ لم یضم مجہول استعمال کیا گیا ہے پھر یہ شعر اور اس کا مابعد بعض نسخوں میں قصیدہ کے آخر میں اس قول خدمت بمدیح۔الخ سے پہلے واقع ہوتے۔

معنوی تشریح

اللہ تعالے نے امور اکوان میں سے کوئی تکلیف مجھے کسی زمانہ، کسی وقت اور کسی گھڑی بھی نہیں پہنچائی۔ اور حال یہ ہے کہ جب بھی میں نے اس کی طرف التجا کی اور خلاصی کو اس کے حوالے کیا تو میں نے اس سے خلاصی کو حاصل کیا اور پناہ کو پایا۔ زمانہ (مجھ پر) نہ غالب ہو سکا۔ اور نہ ہی ظلم کر سکا۔ نہ مجھے حقیر جانا، بلکہ احترام کیا۔

(۸۱) وَلَا الْتَمَسْتُ غِنَى الدَّارَيْنِ مِنْ يَدِهٖ
اِلَّا اسْتَلَمْتُ النَّدٰى مِنْ خَيْرِ مُسْتَلَمِ

ہر چہ کردم التماس از نعمتِ ہر دو سرا
یافتم بر وجہ بہتر انچہ از وے یافتم

دستِ اقدس سے طلب کی دین و دنیا جب کبھی
سرفرازی ہو گئی جب مل گیا دستِ کرم

ترجمہ : میں نے جب بھی دونوں جہاں کی دولت آپ سے مانگی تو میں نے بہترین عطا کنندہ سے سخاوت اور بخشش حاصل کی۔

لفظی تشریح

المستلم بفتح اللام۔ یہ اسم مکان ہے یا اسم مفعول۔

معنوی تشریح

میں نے غنائے دنیا بالکفایت اور غنائے عقبی بالسلامۃ، آپ کے احسان و امتنان سے نہیں مانگا مگر یہ کہ میں نے عطاء کو حاصل کیا اور بہترین مطلوب اور مستلم سے اپنی آرزوؤں کو پالیا۔ دونوں شعروں کا حاصل یہ ہے کہ صوری اور معنوی تکلیف کا دور کرنا، دینی اور دنیاوی نفع کا اکتساب حضور کی ذاتِ مقدسہ کے تمسک سے حاصل ہے اور آپکے آستانہ عالیہ پر کھڑا ہونے سے ملتا ہے۔

(۸۲) لَا تُنْكِرِ الْوَحْيَ مِنْ رُّؤْيَاهُ اِنَّ لَهٗ
قَلْبًا اِذَا نَامَتِ الْعَيْنَانِ لَمْ يَنَمِ

ــــ

پس مکن انکار وحی از خواب پیغمبرؐ از آنک
چشمش او در خواب رفتی دل بُدش بیدار ہم

اس وحی کا تو نہ منکر ہو جو آئے خواب میں
آنکھیں سوتی تھیں مگر رہتا تھا دل بیدار ہم

ترجمہ: خوابوں میں آپ پر وحی اترنے کا انکار نہ کر کیونکہ بے شک آپ کا ایک ایسا دل ہے کہ جب آنکھیں سو جاتی ہیں تو وہ نہیں سوتا۔

لفظی تشریح

لم ینم بفتح النون۔ ایک نسخہ میں اذا کی بجائے متی ہے۔

معنوی تشریح

اے منکر! تو اس بات سے انکار نہ کر۔ اور نہ ہی وحی ربانی اور الہام صمدانی جو کہ آپ کو نیند کے دوران خوابوں میں حاصل ہوتا ہے، کو بعید سمجھ۔ کیونکہ کا دل مقدس عظیم اور سینہ بے کینہ وسیع ہے۔ اور جب آپ کی آنکھیں سو جاتی ہیں۔ تو خوابوں میں آپ کا دل مبارک نہیں سوتا۔ صحیحین میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں دل نہیں سوتا۔

(۸۳) فَذَاكَ حِيْنَ بُلُوْغٍ مِّنْ نُّبُوَّتِهٖ
فَلَيْسَ يُنْكَرُ فِيْهِ حَالُ مُحْتَلِمٖ

وحی در خواب دل پیغمبری بودی ورا
خوابِ او منکر مشو تو مثل خواب محتلم

تھا وہ معراجِ نبوّت کا زمانہ آپ کے
پس نہ کر انکار ہرگز مثلِ خوابِ محتلم

ترجمہ: یہ حال تو حدِ نبوت پر پہنچنے کا ہے لیکن بالغ ہونے کی حالت میں تو وحی کے بارے میں انکار نہیں کیا جاسکتا ہے۔

لفظی تشریح

فیہ کی ھا کو شعر میں اشباع کے ساتھ پڑھیں گے۔ اور یہ ضمیر حین البلوغ کی طرف ہے۔ المحتلم بفتح اللام مصدر میمی ہے بمعنی احتلام۔ (بالغ ہونا) ایسے ہی کہا گیا۔ اظہر یہ ہے کہ یہ مکسور اللام ہے۔ بمعنی بالغ۔

معنوی تشریح

وہ عظیم الشان اور مکرم وحی امر نبوت کے آغاز اور رسالت کی ابتداء کے وقت تھی۔ آپ کو نبوت چالیسویں سال کے بعد عطا کی گئی۔ اور یہ ابتدائے نبوت کی حد ہے، لیکن اس زمانہ میں ان اوقات کے پہنچنے سے قبل جب کہ آپ رجولیت کی حد تک پہنچ گئے اور اوصاف کمال سے موصوف ہو گئے۔ خواب میں وحی کے دعویٰ کا انکار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ مقدمات وحیِ نبی میں سے ہے۔

شرح السنۃ میں ہے کہ آپ کے تمام ایام وحی کی مدت ۲۳ سال ہے جس میں سے چھ ماہ خواب (کے ذریعہ وحی) کے ہیں۔ اسی وجہ سے حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی تشریح کی گئی ہے۔ مومن کا خواب اجزائے نبوت میں سے چھیالیسواں جزو ہے۔

(۸۴) تَبَارَکَ اللہُ مَا وَحْیٌ بِمُکْتَسَبٍ
وَّلَا نَبِیٌّ عَلٰی غَیْبٍ بِمُتَّھَمِ

پس بزرگ است آں خدا و وحیِ او کسبے نہ بود
ہم رسولِ او نہ بُد بر علمِ غیبش متہم

بارک اللہ سعی سے حاصل نہیں ہوتی ہے وحی
اور نہ علمِ غیب پر کوئی نبی رہے متہم

ترجمہ: اللہ تعالے کی ذات برکت والی ہے۔ وحی کسبی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی نبی غیب سے متہم ہے۔

لفظی تشریح

مکتسب اور متہم دونوں مجہول کے صیغے ہیں۔

معنوی تشریح

اس کی خیر کثیر ہو۔ نفع دائمی ہو۔ اس کی کبریائی عظیم اور عالی ہو۔ یہ بطور تعجب انشاً ہے۔ یعنی سبحان اللہ اس کی وحی اکتساب اعمال سے حاصل نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ گمان کر کہ اخلاق اس کا سبب ہیں، بلکہ یہ تو محض اس کی موہبت اور مجرد عطیہ ہے۔ یہ اس کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالے رسالت کے مستحق کو سب سے بہتر جانتا ہے۔ امور کائنات کی خبریں اور مغیبات کی اطلاع ہر اس نبی نے دی ہے جس کی نبوت ثابت اور معجزات متحقق ہیں۔ اللہ تعالے نے فرمایا:

وماھو علی الغیب بضنین ظا رشلشتہ کی قرأت کے مطابق اس کے معنی متہم ہیں۔

(۸۵) کَمْ اَبْرَأَتْ وَصِبًا بِاللَّمْسِ رَاحَتُہٗ
وَاَطْلَقَتْ اَرِبًا مِّنْ رِّبْقَۃِ اللَّمَمِ

پس کساں را او شفا دادے بمالیدن بدست
وا رہانیدے بسے دیواں گاں را از لمم

جب چھوا دستِ مبارک ہو گئی کامل شفا
اور رہا پائی جنوں سے اکثروں نے از کرم

ترجمہ: کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کو حضور کی ہتھیلی نے بیماری سے بری کیا، شفا دی۔ اور حاجت مندوں کو گناہوں اور جنوں کے فتنوں کی بندھن سے خلاصی دی۔

لفظی تشریح

کم خبریہ ہے۔ الوصب درد اور تعب۔ ایک نسخہ میں بکسر صاد یعنی وصِب ہے بمعنی مرض۔ یہی زیادہ واضح ہے۔ راحتہ ہتھیلی یا اس کا اندرونی حصہ۔ اطلاق قید سے نکلنا۔ اَرَب حاجت ایک نسخہ میں بکسر را (اَرِب) ہے بمعنی صاحب حاجت۔ معنی کے لحاظ سے یہی اظہر ہے۔ الربقۃ ایسا رسہ جس کی گانٹھ ہو اور اس سے چوپائیوں کو باندھا جاتا ہے۔ اللَّمَمْ چھوٹے گنا۔ جنوں کا کچھ حصہ، کیونکہ جنون فتنہ انگیز ہوتا ہے۔

معنوی سرن

بہت سے مصیبت زدہ اور بیمار لوگوں کو دکھ اور بیماری سے حضور کی رفیع الشان اور عظیم المرتبت ہتھیلی مبارک کی برکت سے راحت نصیب ہوئی۔ کتنے ایسے حاجت مند لوگ ہیں جن کو حضور کی ہتھیلی نے گناہوں کے ڈھنگے سے خلاصی دی یا تو نبوت کے ساتھ اور یا شفاعت کے سبب جو کہ بلندی درجات کا باعث ہے۔ کتنے ایسے ظاہری و باطنی جنوں میں مبتلا لوگ ہیں۔ جن کو اپنے جنوں اور فتنہ انگیزی کی تاریکی کی گانٹھ سے رہائی دلائی۔ اور ان کو محراب کی طرف توجہ کرنے والے مجذوب بنا دیا۔

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ ایک لڑکا آپ کے سامنے لایا گیا جس کو جنوں تھا۔ آپ نے اپنا ہاتھ مبارک اس کے سینہ پر پھیرا۔

اس کے پیٹ سے کالے کتے کے بچے کی مانند کوئی شئی نکلی

حضور نے اس کو اپنے ہاتھ مبارک سے کاٹ دیا۔ اور اس کا کوئی اثر بھی باقی نہ رہا۔ اس صاحب شفا اور دیگر اصحاب نے کثیر واقعات کے ساتھ بیان کیا ہے۔

(۸۴) وَاَحْیَتِ السَّنَةَ الشَّهْبَاءَ دَعْوَتُهٗ
حَتّٰى حَكَتْ غُرَّةً فِى الْاَعْصُرِ الدُّهُمِ

دعوتِ او قحط و تنگی از جہاں برداشتہ
تا جو رد اسپید بودی در سیاہی و نسم

خشک سالی کی سفیدی ہو گئی کافور سب
اِک دُعا نے آپؐ کی برسا دیا ابرِ کرم

ترجمہ: آپ کی دعا نے قحط سالی کو زندہ کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ تاریک زمانوں میں، پیشانی کی (چمک کی) حکایت کرنے لگا۔

لفظی تشریح

قاموس میں ہے کہ الشھب کا معنی ہے، وہ سفیدی جو کنپٹی کے ساتھ ہو۔ سنہ شھباء وہ سال جس میں کوئی سبزہ اور بارش نہ ہو۔ الغرۃ پیشانی کی سفیدی۔ الاعصر جمع عصر کی۔ زمانہ۔ الدُّھْمُ جمع ادھم کی، سیاہ۔ دعا کی طرف احیاء کی نسبت مجازی وسببی ہے۔

معنوی تشریح

آپ کی دعا نے اس سال کو پانی سے سیراب کر کے زندہ کر دیا جس میں زمین بارش کی کمی کے باعث خشک تھی۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا، ہم نے پانی سے ہر شئے کو زندہ کیا یعنی ایسی قحط سالی تھی کہ نباتات کے باعث جو سیاہی (تر و تازگی) زمین پر ہوتی، نباتات نہ ہونے کے باعث زمین کی سفیدی اس سیاہی پر غالب آنے کے سبب وہ سال شہباءؔ کہلایا۔ اور یہ سفیدی کے طور سے ہے۔ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ رزق کم ہوتا ہے، لیکن بالکل معدوم نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ وہ سال واضح طور پر اپنی پیشانی پر سفیدی کو سیاہی مائل کر دے اور روشنی کو ظاہر کر دے۔

الغرۃ یہ لفظ غرۃ الفرس (گھوڑے کی پیشانی میں سفیدی) سے مستعار ہے۔ سیاہ زمانوں سے مقصد زراعت کی بہت زیادہ سبزی ہے یہاں تک کہ کثرتِ زراعت

کے باعث زمین پر سیاہی معلوم ہوتی ہے ۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ وہ سال باقی سالوں سے سرسبز و شاداب تھا گویا کہ وہ باقی سالوں میں ماتھے کی سفیدی (غرہ) ہے اور ہر شئی کی غرّہ اچھی ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ سیاہ زمانوں سے مراد قحط اور مہنگائی کے زمانے ہیں ۔

(۸۷) بِعَارِضٍ جَادَ اَوْ خِلْتَ الْبِطَاحَ بِهَا
سَيْبًا مِّنَ الْيَمِّ اَوْ سَيْلًا مِّنَ الْعَرِمِ

بردعائش آمدے باراں و وادی پُر شدے
گوئیا دریا بُدے یا گوئیا سیلِ عرم

ہوگئی کثرت سے بارش ندیاں بہنے لگیں
موج دریا کی نظر آتی تھی سیلابِ عَرم

ترجمہ : (آپ کی دعا نے خشک سال کو زندہ کیا اس) بادل کے ساتھ جو خوب برسا۔ یا اے مخاطب! تو نے اس خشک سال میں وادیوں کو خیال کیا کہ ان میں دریا کا وافر پانی یا شدید سیلاب ہے۔

لفظی تشریح

العارض بادل۔ بار کا تعلق احیت یا دعوتہ یا حکت یا جاد سے ہے۔ یہ مشتق جود سے ہے۔

خلت بکسر الخار۔ خیال سے مشتق ہے ظن کرنا یا گمان کرنا۔ البطاح بطحا کی جمع

ایسی وسیع وادی جو کنکریوں پر مشتمل ہو۔ بھا کی ضمیر السنۃ الشہباء کی طرف راجع ہے۔ سیبا عطایا جاری پانی۔ یہ کلمہ خلت کا مفعول ثانی ہونے کے باعث منصوب ہے۔ اور یہ مرفوع بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس طرح کہ یہ مبتدا مؤخر ہو اور بھا اس کی خبر مقدم ہو۔ اور جملہ اس کا مفعول ثانی بن کر محل نصیب میں ہو۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا نے مردہ زمین کو بسبب بادلوں کی آمد کے زندہ کر دیا۔ اس بادل نے بہت زیادہ بارش برسائی۔ یا اس قدر بارش برسائی کہ اے مخاطب! تو نے اس سال وسیع وادیوں کو پانی کی عطایا (بہت بڑا طوفان) پانی کی کثرت سے کے باعث گمان گیا کہ یہ پانی سمندر سے ہے یا وادی میں چلنے والا سیل عرم ہے۔

اس شعر میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی دعا میں اللہ تعالےٰ کے آسمان اور زمین کے ملکوت میں تاثیر موجود ہے۔

شیخین نے حضرت انس سے روایت کیا ہے کہ جمعہ کے روز ایک آدمی مسجد میں داخل ہوا جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مال ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے۔ اللہ تعالےٰ سے دعا فرمائیں کہ ہماری مدد کریں، تو حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور تین دفعہ کہا اے اللہ! ہماری مدد کر۔ حال یہ تھا کہ ہم آسمان پر نہ کوئی بادل اور نہ ہی بادل کا ٹکڑا دیکھ رہے تھے، تو اچانک ایک کالی گھنگھور گھٹا اٹھی اور خوب بارش برسائی۔ خدا کی قسم! ہم نے ایک ہفتہ تک سورج نہ دیکھا۔ پھر اگلے جمعہ ایک آدمی داخل ہوا جب کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے، عرض کیا، یا رسول اللہ! اموال ہلاک ہو گئے،

اور راستے منقطع ہو گئے۔ اللہ تعالٰے سے دعا کریں کہ اس کو روک لے۔ حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہا: اے اللہ! اب ہم پر نہیں بلکہ ہمارے اڑوس پڑوس میں (بارش برسا) پس وہ بادل اکھڑ گیا اور ہم باہر نکل کر چلنے پھرنے لگے۔ حضرت انس سے پوچھا گیا۔ کہا یہ وہی پہلا آدمی تھا، تو آپ نے کہا: میں نہیں جانتا۔

سبت سے مراد کچھ عرصہ (مدت) مراد ہے۔ بخاری کی روایت میں ہے ہم پر اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ القرعۃ بادل کا ٹکڑا ایسے ہی محلی نے ذکر کیا ہے۔ آخری امام بخاری کی روایت کے مطابق زیادہ مناسب یہ ہے کہ سبت کی تفسیر ہفتہ (سات دن) سے کی جائے یعنی ہفتہ سے ہفتہ تک۔ جیسا کہ صاحبِ نہایۃ نے کہا ہے۔ اس نے مزید کہا: کہا گیا ہے کہ سبت سے مراد زمانے کی کچھ مدت ہے۔ خواہ زیادہ ہو یا کم۔

(۸۸) دَعْنِیْ وَوَصْفِیْ اٰیَاتٍ لَّہٗ ظَہَرَتْ
ظُہُوْرَ نَارِ الْقِرٰی لَیْلًا عَلٰی عَلَمِ

گوش کن تا معجزش گویم کہ آں روشن بود
ہمچوں آتش در شبِ تاریک بر فوق علم

چھوڑ دے مجھ کو بیاں کرنے نبی کے معجزات
جو ہے شب میں مثلِ مہمانی کی آگ اوپر علم

ترجمہ: اے مخاطب! مجھے آپؐ کی وہ نشانیاں بیان کرنے دے جو اس قدر واضح اور ظاہر ہیں جس طرح کہ رات کے وقت پہاڑ پر ضیافت کی آگ ظاہر

ہوتی ہے۔

لفظی تشریح

القرٰی بکسر قاف۔ضیافت مہمانی۔العلم پہاڑ۔

واؤ معیت کی ہے، کیونکہ ضمیر منصوب پر عطف کرنے سے مقصود و مطلوب میں خلل آتا ہے۔

معنوی تشریح

اے ناصح مجھے کلام میں اختصار کرنے کی نصیحت چھوڑ دے کہ یہ بات انسان کو ملال اور اکتاہٹ کی طرف سے جاتی ہے، کیونکہ حبیب اپنے ذکر سے سیر نہیں ہوتا۔ مجھے بشمول میرے وصف کے چھوڑ دو جو کہ میں نے آیاتِ بینات اور واضح علامات اور ظاہر ہونے والے معجزات سے توصیف کی۔ یہ معجزات اور دیگر مذکورہ باتیں دنیا میں جہالت کی تاریکی محاسن اخلاق کے باعث اس طرح ظاہر ہیں جس طرح کے رات کے وقت علامت کے طور پر پہاڑوں کی چوٹیوں پر آگ نمودار ہوتی ہے، کیونکہ رات محتاج لوگوں کی حاضری اور مجاہدین اور مسافرین میں سے مشتاق لوگوں کی رسائی میں ہلاکت کا باعث ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آیات قرآنیہ اور دلالات فرقانیہ اس وقت ظاہر ہوئیں، جب ان کی شدید ضرورت تھی اور حضور اس قدر بلند مرتبہ ہو گئے کہ اس سے مزید بلندی کا امکان نہیں ہے۔

(۸۹) فَالدُّرُّ یَزْدَادُ حُسْنًا وَّھُوَ مُنْتَظِمٌ
وَلَیْسَ یَنْقُصُ قَدْرًا غَیْرَ مُنْتَظِمِ

در اگر در رشتہ باشد حسن او زاید بُود
ورنہ در رشتہ بود قدرش نہ گردد ہیچ کم

حُسن ہوتا ہے دو بالا موتیوں کا ھار میں
یا لڑی سے بھی جدا کر دو نہ ہوگی قدر کم

ترجمہ: موتی حسن میں بڑھ جاتا ہے جب کہ وہ پرو دیا ہوا ہو۔ (یعنی ہار میں ہو) اور اس کی قدر ہار میں نہ ہونے کے باوجود کم نہیں ہوتی۔

لفظی تشریح

حسنا و قدرا دونوں تمیزیں ہیں۔ ینقص معلوم و مجہول دونوں طرح مروی ہے اور غیر منتظم یہ حال ہے۔ فاء علت بیان کرنے کے لیے ہے۔

معنوی تشریح

حضور کے اوصاف جمال اور اسباب کمال نہایت مشہور ہیں جیسا کہ اخبار و آثار میں وارد ہے۔ میں نے ان میں سے صرف بعض کو نظم کی لڑی میں پرو دیا ہے، کیونکہ اس طرح وہ زیادہ مضبوط اور محفوظ ہوں گے اور فہم کے زیادہ قریب ہوں گے جس طرح کہ موتی لڑی میں پروئی ہوتی حالت میں از روے حسن زیادہ بڑھا ہوا ہوتا ہے، لیکن ارباب علم کے نزدیک بکھری ہوئی حالت میں بھی اس کا مرتبہ کچھ کم نہیں ہوتا۔

(۹۰) فَمَا تَطَاوُلُ آمَالِ الْمَدِيْحِ اِلٰى
مَا فِيْهِ مِنْ كَرَمِ الْاَخْلَاقِ وَالشِّيَمِ

ہرچہ کاں گوید مدیح مصطفےٰ بسیار نیست
کو مزیّن بد بہ خُلقِ نیک و احسان و شیم

اِس لیے مدّاح ہیں توصیف میں عاجز تمام
فہمِ انساں سے ہیں بالا ان کے اخلاق و شیم

ترجمہ: کیوں نہ بڑھیں مدیح کی آرزوئیں اس ذات کی طرف جو اخلاق کریمہ اور خصائل محمودہ کا پیکر ہے۔

لفظی تشریح

تطاول کسی شے پر مزید آگاہی حاصل کرنے کے لیے اپنی گردن آگے بڑھانا۔

الامال جمع امل کی۔ اُمید۔ یہ مدیح کی طرف مضاف ہے۔ بعض نے کہا ہے: مدیح بمعنی ممدوح ہے۔ اس پر الف لام عہدی یا استغراقی ہے۔ اور یہی بات اَولیٰ ہے۔ ایک نسخہ میں اٰمالی المدیح ہے یعنی اٰمالی بیائے متکلم اور مدیح منصوب بنزع الخافض ہے۔ اخلاق کریمہ عادات کسبیہ یا طبعیہ۔ الشیم جمع شیمۃ کی خصائل محمودہ و پسندیدہ۔ جو کہ وہبی احوال میں سے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ پہلا ما استفہامیہ ہے بمعنی نفی۔ کسی چیز کا مقدر ماننا ضروری ہے۔ پس اگر قصیدہ کے ساتھ آپ کی صفات حسنہ کی طرف بڑھ گئی ہیں، لیکن میں ان سب کو بیان کرنے تک نہیں پہنچ سکتا۔ اگرچہ میری عمر ہزار سال تک ہی طویل ہو جائے۔

بعض نے کہا کہ ما نافیہ ہے۔ اور فاء برائے تعلیل ہے، اور بعض نے کہا کہ ما موصولہ ہے اور فاء وصفی پر عطف کے لیے ہے۔

معنوی تشریح

حاصل معنی یہ ہے کہ میں تو صرف اس لیے ہر قسم کے اشغال اور حالات زندگی کے بیان سے منتقل ہو کر آپ کی نشانیوں اور معجزات کی طرف آیا کہ آرزوئیں شاندار وضع و عادات اور عمدہ اخلاق کی گہرائی تک نہیں جا سکتیں۔ میں نے چاہا کہ آیات بنیات کے بیان سے مشرف ہو جاؤں۔ اور ان کے لطائف کے سمندروں سے فیوضات کا چھڑکاؤ کروں۔ جو چیز مکمل نہ حاصل کی جا سکے وہ مکمل طور پر چھوڑی بھی جاتی۔ ساری شئے کو ترک کرنے کی بہ نسبت بعض بھلائی کو حاصل کرنا بہتر ہوتا ہے۔

(۹۱) اٰیَاتُ حَقٍّ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثَةٌ
قَدِیْمَةٌ صِفَةُ الْمَوْصُوْفِ بِالْقِدَمِ

آیہ ہائے حق کہ از رحمٰن فرود آمد بہ تو
آں قدیم است و لود وصفش بموصوفِ قدم

مصحفِ رحمٰن کی سب آیتیں ہیں لاجواب
ہے صفت اس کی قدیم اور ہے وہ موصوفِ قدم

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ آیات حادث ہیں لیکن یہ موصوف کی صفت کے اعتبار سے قدیم ہیں۔

لفظی تشریح

اٰیات حق بطور مبتدا مرفوع ہے۔ من الرحمٰن صفت ہے۔ اس کی خبر محدثۃ

قدیمۃ ہے یا اس طرح کہ محدثۃ قدیمۃ خبر مبتدا محذوف کی ہے جو کہ ھیَ ہے یعنی وہ آیات جو موصوف ہیں۔ اور باقی تمام آیات اخبار مترادفہ یا صفات متلاصقہ ہے یا یہ (آیات حق) منصوب ہے۔ اس صورت میں یہ یا تو منصوب علی المدح ہے اور یا یہ عطف بیان ہے آیات کا جو کہ اس قول (عنی وصفی آیات میں مذکور ہے اور محدثۃ وقدیمۃ کا بھی یہی حال ہے۔ اور صفۃ الموصوف کا بھی۔

ایک نسخہ میں محدثۃ کی بجائے محکمۃ ہے پھر مصنف نے صفت شبہ کا اس کے بعد ذکر کیا یعنی آیات ثانیہ یا آیات صادقہ۔ اور صفۃ الموصوف مبتدا ہے اور قدیمۃ خبر ہے۔ اسی طرح علما نے فرمایا؛

اظہر یہ ہے کہ صفۃ الموصوف خبر مبتدا محذوف کی ہے جو کہ ھیَ ہے۔ (مرجع اس ضمیر کا) یہ آیات ہیں۔

معنوی تشریح

آیات قرآنیہ اور کلمات فرقانیہ ثابت شدہ آیات اور سچے معجزات ہیں جو افراد انسانی کے تقاضے کے مطابق رحمٰن کی طرف سے نازل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا؛ الرحمن ...... الخ وہ رحمٰن جس نے قرآن سکھایا۔ انسان کو تخلیق کیا اور اس کو بیان (گویائی کا طریقہ) سکھایا۔

یہ (آیات) از روئے نزول کے حادث ہیں۔ اور از روئے وجود وحصول کے قدیم ہیں۔ یا از روئے لفظ کے حادث از روئے معنی کے قدیم ہیں۔ اور یہ صفت قدیمی سے موصوف ہیں بس ان پر سمت عدم جاری نہیں ہو سکتا۔

اس شعر میں معتزلہ کا رد ہے کہ انھوں نے اللہ تعالےٰ کے قدیم کلام کو حادث کہا۔

اور حنابلہ کا یہ رد ہے، کیونکہ وہ اس کے الفاظ بھی قدیم مانتے ہیں، بلکہ انھوں نے کہہ دیا کہ اس کی کتابت سیاہی اور اوراق بھی قدیم ہیں۔ حالانکہ یہ نہایت کم عقلی کی بات ہے جو کہ دانش مند لوگوں کے لیے بالبداہت ظاہر البطلان ہے۔

اہل تحقیق کے، اس مسئلہ میں دو مذہب ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن صرف کلام نفسی کا نام ہے اور اس کا اطلاق مرکب من الاصوات و الحروف پر مجازی ہے یہ مذہب قدیم مشائخ کا ہے اسی وجہ سے انھوں نے اس کی یوں تعریف کی ہے۔ قرآن ایک ایسی صفت ہے جو کہ حروف اور اصوات کے روپ میں جلوہ نما ہوئی ہے۔ پس قرآن باعتبار مظہر کے حادث ہے اور بہ اعتبار صفت مظہر کے قدیم ہے۔

دوسرا مذہب یہ ہے کہ قرآن کا اطلاق بالاشتراک دونوں (کلام نفسی ولفظی) پر ہے پس وہ معنیٰ اول کے لحاظ سے قدیم ہے اور معنیٰ ثانی کے اعتبار سے حادث ہے۔ یہی مشہور اور مذہب منصور ہے اور مکمل تفصیل تطویل کی مقتضی ہے۔

(۹۲) لَمْ تَقْتَرِنْ بِزَمَانٍ وَّهْيَ تُخْبِرُنَا
عَنِ الْمَعَادِ وَعَنْ عَادٍ وَّعَنْ اِرَمِ

مقترن نامد بوقتے دائماً ثابت بداں!
او خبر داد از معاد و حشر و ز عاد و ارم!

ہر زمانہ سے بری ہیں اور سناتی ہیں ہمیں
عاقبت کا حال بھی اور قصہ عاد و ارم

ترجمہ: یہ آیات کسی زمانہ کے ساتھ مقترن نہیں ہیں حالانکہ یہ ہمیں قیامت، قوم عاد اولیٰ اور عاد ارم کے متعلق آگاہ کرتی ہیں۔

معنوی تشریح

آیات قدیمہ اور نشانات کریمہ ماضی، حال اور مستقبل میں سے کسی زمانہ اور حال سے مقترن نہیں ہیں کیونکہ زمانہ کے اقتران سے دو چیزیں لازم آتی ہیں۔

(۱) حدوث آیات

(۲) قِدَمِ زماں (زمانہ کا قدیم ہونا)

اور یہ دونوں باتیں اہل عرفان کے ذوق کے خلاف ہیں۔ حالانکہ یہ (آیات) ہمیں امور معاد اور امور مبادی کے متعلق آگاہ کرتی ہیں۔

معاد کہتے ہیں بروز قیامت مخلوق کا مرنے کے بعد اصلی حالت میں لوٹ آنا۔ اور عن عاد اور عن ارم سے وہی مبادی مراد ہیں۔ عن عاد سے مراد عاد اولیٰ ہے جو کہ ایک قوم تھی۔ اور عاد ارم بھی اسی طرح ہے۔ اور ان جیسی ہی مثالیں ہیں۔ قوم نوح و قوم ثمود کے قصے۔

ناظم کا مقصود یہ ہے کہ قرآن کے معانی سے جو زمانہ ماضی یا مستقبل کا مفہوم نکلتا ہے۔ وہ صرف ہماری طرف اضافت کی وجہ سے ہے۔ وگرنہ کلام نفسی تو حدوث سے مبرا ہے۔ جیسا کہ وہ (قرآن) ہمارے سامنے پختہ ہے۔

(اس شعر میں یہ بات بھی مفہوم ہے) کہ جس طرح آیات بشمول اپنے الفاظ کے معجزہ ہیں۔ ایسے ہی یہ آیات بہ اعتبار معانی کے بھی معجزہ ہیں، کیونکہ یہ آنے والے زمانوں میں ہونے والے امور کے بارے میں خبر دیتی ہیں۔

(۹۳) دَامَتْ لَدَيْنَا فَفَاقَتْ كُلَّ مُعْجِزَةٍ
مِنَ النَّبِيِّيْنَ اِذْ جَاءَتْ وَلَمْ تَدُمِ

نزد ما باقی بماند بهتر از هر معجزات
معجز پیغمبراں باقی نہ ماندہ در امم !

معجزہ قرآں کا برتر رہے گا تا ابد
اس کے آگے معجزاتِ انبیاؑ ہیں کالعدم

ترجمہ : (یہ آیات) ہمارے پاس ہمیشہ رہیں گی پس (یہ نشانیاں یا معجزات یا آیات)
ہر اس معجزہ سے فائق ہوگئیں ہیں جو باقی انبیا سے رونما ہوئے اور نہ رہے۔

لفظی تشریح

جاءت میں ضمیر کل معجزۃ کی طرف راجع ہے۔ جاءت کا صیغہ واحد مؤنث
بسبب مضاف الیہ (معجزۃ) کے ہے۔

معنوی تشریح

آیات قرآنیہ اور معجزات فرقانیہ کو دوام و استمرار حاصل ہے۔ پس یہ بہ سبب قدم
کے ساتھ موصوف ہونے، معاد و ارم کی خبریں دینے اور نسخ و تبدیل عارض نہ ہونے
کے فائق ہوگئیں ہیں۔
نسخ و تبدیل ہر معجزہ پر عدم کے حکم میں ہے جو کہ انبیاؑ سے حاصل ہوتے ہیں
اگرچہ ہمارے نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم سے کوئی معجزہ ظاہر ہو تو (نسخ و تبدیل کے

اطلاق سے معجزہ حادث ہو جاتا ہے۔ تو اس طرح وہ قدیم، دوام کی صفت سے موصوف نہیں ہو سکتا۔ ہر نبی کا معجزہ اس کی دنیاوی زندگی ختم ہونے کے ساتھ منقضی ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا بے شک ہم نے اس ذکر (کتاب) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ (تغیر و تبدیل اور نسخ و تحویل سے)

حاصل گفتگو یہ ہے کہ آیات قدیم اور ثابت ہیں۔ اور معجزات دائمی اور مستمرہ ہیں، بخلاف دیگر معجزات کے۔

(۹۴) مُحَكَّمَاتٌ فَمَا يُبْقِيْنَ مِنْ شُبَهٍ
لِّذِیْ شِقَاقٍ وَّلَا يَبْغِيْنَ مِنْ حَكَمِ

محکم است آیاتِ قرآں شبۂ کس را نماند
وز ہمہ الفاظ از و تاباں بود نورِ حکم

ہیں وہ مستحکم مخالف کو نہیں اس میں جگہ
شبہ و شک کی اس لیے ہیں وہ بجائے خود حکم

ترجمہ: یہ آیات محکم ہیں پس یہ آیات، کسی اختلاف کرنے والے کے لیے کوئی شبہ باقی نہیں رہنے دیتیں۔ اور نہ ہی کسی منصف کا تقاضا کرتی ہیں۔

لفظی تشریح

یبقین بضم الیاء (یاء پر پیش کے ساتھ) اور یبغین - یاء پر زبر کے ساتھ۔ شبہ جمع ہے شُبْهَةٌ کی۔ شبہ ایسی باطل شئی جو کہ حق کے مشابہ ہو۔ الشقاق - شین پر کسرہ کے

ساتھ بمعنی خلاف، کیونکہ مخالفین میں سے ہر ایک اختلاف میں ہوتا ہے۔ یا دوسرے کی مشقت کو زیادہ کرتا ہے۔ الحَکَم بفتحتین بمعنی حاکم بعض نے کہا ہے کہ کسرہ و فتحہ کے ساتھ یعنی حِکَم جمع حکمة کی ہے۔ محکمات تشدید کے ساتھ۔ محکمات (بالتخفیف) کا مبالغہ ہے۔ اس کی تائید وہ روایت کرتی ہے جو کہ واو کے ساتھ مروی ہے۔ (ومحکمات) اور تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اسی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول احکمت اٰیاتُہٗ آیات سے تقدیر محکمات ہے۔ پس یہ اللہ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے: ھو الذی انزل علیك الکتاب منه ایات محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات (وہ ذات جس نے آپ پر کتاب اتاری۔ اس میں بعض محکم آیات ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں۔ اور بعض دوسری متشابہات ہیں۔ یہ معنی زیادہ موافق ہے اور سیاق و سباق سے زیادہ مربوط ہے۔ لا یبغین ایک نسخہ میں ما یبغین ہے۔

معنوی تشریح

بے شک اللہ تعالیٰ نے آیات کو محکم بنا دیا۔ جو کہ فسخ ہوتی ہیں نہ تبدیل۔ یا ان کو حکم اور مثل پر مشتمل بنایا۔ یا ان کو حکم والا بنایا کہ وہ مجمل پر حکم بیان کریں اور یا ان کو کتب سماویہ سنن نبویہ، قیاسات عقلیہ اور اتفاقات اجتماعیہ پر حاکم مقرر کیا۔ یا یہ کہ وہ حق و باطل پر دلالت کرتی ہیں۔ یا حرام و حلال کا فیصلہ کرتی ہیں۔ پس وہ آیات اختلافات میں سے حق کی مخالفت کے لیے کوئی شبہ بھی باقی نہیں چھوڑتیں۔ اور نہ ہی اپنے سوا کسی حاکم کا مطالبہ کرتی ہیں۔ کیونکہ ان کی براہین واضح ہیں۔

یا کسی حکم زائد حکمتوں کا۔ جو ان کی طرف محتاج ہو۔

(۹۵) مَا حُورِبَتْ قَطُّ اِلَّا عَادَ مِنْ حَرَبٍ
أَعْدَى الْاَعَادِیْ اِلَیْهَا مُلْقِیَ السَّلَمِ

ہر کہ با قرآن بہ جنگ آمد باآخر بازگشت
آں کہ دشمن تر بدے نزدش بفگندے سلم

جو لڑا قرآن سے آخر وہ عاجز آ گیا
کر دیا دشمن نے بھی اپنا سر تسلیم خم

ترجمہ: ان آیات قرآنیہ کے ساتھ جب بھی کسی سخت ترین دشمن نے مقابلہ کی جسارت کی تو وہ جنگ سے باز آیا اس حال میں کے وہ صلح کا خواہشمند تھا۔

لفظی تشریح

حوربت محاربہ سے مشتق ہے۔ بمعنی معارضہ۔ الحرب بفتحتین۔ شدت حقیقت میں سلب مال کو کہتے ہیں۔ اور مسلوب کو شدت لازم ہو جاتی ہے بعض نے کہا ہے کہ یہ بھی حوب میں ایک لغت ہے۔ السلم بفتحتین۔ اطاعت، صلح اور فرمانبرداری اعادی جمع الجمع عدو کی۔ اعدیٰ عداوت سے اسم تفضیل ہے۔

معنوی تشریح

جب بھی کسی نے آیات کے ساتھ معارضے کی کوشش کی تو ان کی کمال بلاغت و فصاحت کی بدولت بڑے بڑے معارضین اور بڑے قوی معاندین نے معارضہ سے

رجوع کرلیا۔

وہ (قرآن) معاندین کے معارضہ سے محفوظ ہوگیا۔ تو گیا وہ اس لیے قرآن پاک کمال فصاحت میں سے جزیل الفاظ اور حسین معانی پر مشتمل ہے۔ اور اس وجہ سے کہ یہ بلاغت کے اعلیٰ طبقات پر فائز ہے، تو اسی طرح ہے جیسے مردوں کو زندہ کرنا، چھڑیوں کا قلب کرنا اور کنکریوں کا تسبیح کرنا۔

اور معارضہ ان کے مقدور میں تھا۔ پس اس میں علماء اہل سنت اور جمہور کا اختلاف ہے پہلے قول پر۔ اور اسی پر اعتماد ہے۔ دوسرا مذہب شیخ ابوالحسن الاشعری اور ان کے چند ساتھیوں کی جماعت کا ہے۔

شاطبی نے دونوں قولوں پر الرائۃ میں اس کی تردید کی ہے۔ اہل عرب نے معارضہ [redacted] کیا بہ سبب اس بات کے جو ان کے مقدور میں تھا۔ یا جو ان کی جنس مقدور میں سے تھا، کیونکہ وہ اس کی مثل لانے سے عاجز تھے ورنہ وہ شہروں اور دیہات سے جلاوطنی اور اسیری، اپنے مساکن کو فارغ کرنا، جھڑکوں اور اپنے اموال اور جانوں کے سلب ہونے پر راضی نہ ہوتے۔ تحقیق اللہ تعالےٰ نے انہی احوال کی خبر دیتے ہوتے فرمایا: و ان کنتم فی ریب .... الخ اگر تم کسی شک میں ہو اس چیز کے بارے میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے، تو تم کوئی سورت اس جیسی (بنا کر) لے آؤ (اور سورت بنانے میں) تم اپنے حامیوں کو بھی ماسوائے اللہ تعالیٰ کے بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم ایسا نہ کرسکے (اور یہ بات پختہ ہے کہ) تم ایسا ہرگز کر بھی نہیں سکو گے، تو ڈرو تم اس آگ سے جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہیں۔ اور جو کافروں (منکروں) کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(۹۶) رَدَّتْ بَلَاغَتُهَا دَعْوٰی مُعَارِضِهَا
رَدَّ الْغَیُوْرِ یَدَ الْجَانِیْ عَنِ الْحُرَمِ

ازبلاغت دعوئے جملہ معارض کرد رَد
چوں غیورے کو کند رد دست جانے از حرم

اس نے سب اپنی بلاغت سے کیا دعووں کو ختم
جیسے ہوں محفوظ غیرتمند کے اہلِ حَرم

ترجمہ: ان (آیات) کی بلاغت نے معارضہ کرنے والے کے دعوی کو ایسے لوٹایا جیسے ایک غیور آدمی نقصان پہنچانے والے ہاتھ کو اپنی حریم سے دور کرتا ہے۔

لفظی تشریح

البلاغۃ ایسا کلام جو حال کے تقاضہ کے مطابق ہو۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جو اس بات کو واجب کرتا ہے کہ متکلم کسی مخصوص کیفیت میں کلام کرے۔ عارض کسی شے سے مقابلہ کرنا۔ اور اس کے ساتھ برابری کرنا۔ الحرم حرمۃ کی جمع ہے۔ جیسے غرف عرفۃ کی جمع ہے۔ مرد کی حریم۔ جو شے داخل ہو وہ حرم کہلاتی ہے۔

معنوی تشریح

پہلے مصرع میں جمہور کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرے مصرع میں ان کے علاوہ کسی اور کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ پس اس میں دلالت اس بات پر ہے کہ اس جگہ ایسی وجوہ ہیں جو اپنی جگہ پختہ ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ کی بلاغت اور کلماتِ فرقانیہ کی فصاحت نے معارضہ کرنے والے کے دعویٰ معارضہ کو رد کر دیا۔ چہ جائیکہ معارضہ ظاہر ہو اور مقابلہ واقع ہو۔ اس طرح رد کیا جیسے وہ آدمی جو کمال غیرت سے موصوف اور شدۃ حمیت سے منعوت ہے۔ مجرم کی دست درازی اور باغی خائن کے تصرف کو اپنی حرم کے حصول کی طرف پہنچنے سے روکتا ہے۔

(۹۷) لَهَا مَعَانٍ كَمَوْجِ الْبَحْرِ فِي مَدَدٍ
وَفَوْقَ جَوْهَرِهٖ فِي الْحُسْنِ وَالْقِيَمِ

معنی بسیار ہمچوں موجِ دریا دارد آں
بہتر است از دُرِّ دریا جملہ در حسن وقیم

ہے معانی آیتوں کے مثلِ دریا موجزن
گوہرِ دریا سے بہتر ان کا ہے حسن قیم

ترجمہ: ان آیاتِ قرآنیہ کے سمندر کی موجوں کی مانند معانی ہیں اور حسن و قیمت میں یہ سمندر کے موتیوں سے فائق ہے۔

لفظی تشریح

فوق اس کا عطف کموج پر ہے۔ یہ معان کی صفت ہے جو کہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ بطور ظرفیت اس کو نصب لازم ہے۔ اگرچہ یہ (ظرفیت) مجازی ہے۔ ایسے ہی قرآن پاک میں ہے:

و فوق کل ذی علم علیم

معنوی تشریح

قطع نظر ان آیات کی فصاحت و بلاغت کے، یہ آیات و بینات جو کہ معجزات کے نام سے موصوف ہیں، ان کے معانی کثیر ثابت ہیں جیسے کثرت اور فراوانی میں سمندر کی موجیں ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: لو کان البحر مدادا.... الخ

(اگر سمندر میرے رب کے کلمات لکھنے کے لیے سیاہی بن جائے تو سیاہی ختم ہو جائے قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں۔ کلمات سے مراد کلمات کے معانی ہیں۔)

اس سے وہ قوی اشکال زائل ہو جاتا ہے جو کہ قبلیہ کی طرف سے وارد ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہم اس کو جلالین کے حاشیہ میں یا النصرت والامداد میں تحریر کیا ہے، کیونکہ قرآن میں سے بعض حصہ اپنے بعض کی تفسیر کرتا ہے جیسے کہ سمندر کی موج، بعض بعض کی تائید کرتی ہے۔

ان آیات کے بہت زیادہ معانی، بہترین احکام اور مستحسن حکمتیں ہیں۔ اور اربابِ بصیرت و اصحاب خبرت کے نزدیک یہ (معانی، احکام اور حکمتیں) سمندر کے جواہر جیسے موتی مرجان وغیرہ سے، قیمت اور حسن میں بڑھ کر ہیں۔

اور ہر آدمی نے اپنا مشرب پہچان لیا ہے۔

(۹۸) فَمَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰی عَجَائِبُهَا
وَلَا تُسَامُ عَلَی الْاِکْثَارِ بِالسَّاٰمِ

پس عجائب اندراں وکس نہ بتواند شمرد
وز چہ بسیاری بخواند کس نہ بیند شوق کم

جو عجائب ان میں پوشیدہ ہیں ان کا کیا شمار
خواہ کثرت سے پڑھو ہوگا نہ اس کا شوق کم

ترجمہ: پس ان (آیات) کے عجائب لاتعداد اور بے شمار ہیں۔ اور ان (آیات کو) کثرت تلاوت سے اکتاہٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

لفظی تشریح

فاء نتیجہ ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ ایک نسخہ میں فلا کی بجائے فما تعد ہے اسی طرح عجائبھا کی بجائے ایک نسخہ میں عجائبہ ہے یعنی ضمیر مؤنث کی بجائے مذکر مذکور ہے۔ اس صورت میں ضمیر کا مرجع القرآن ہے۔ لا تسام یہ مشتق السوم سے ہے۔ بمعنی مقابلہ کرنا۔ یہاں معنی ہوگا۔ مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ اور علی بمعنی مع ہے۔ الاکثار کثرت لانا۔ السأم بفتحتیں۔ اکتاہٹ۔

معنوی تشریح

آیات کے معانی کی گنتی حدود کی حیز میں داخل نہیں ہوسکتی ہے اور نہ اس کے عجیب و غریب معانی کی تضبیط ممکن ہے۔ اور وہ (آیات) عبرت آموز، حکمت آفرین، آداب و اخلاق، مواعظ و براہین، عوارف و معارف، ترغیب و ترہیب، وعید و احکام اور ضرب الامثال وغیرہ پر مشتمل ہے۔ کثرت تلاوت سے ملال اور اکتاہٹ طاری نہیں ہوتی۔ (گویا کہ) وہ (قرآن) مشک کستوری ہے جتنی بار تم اس کو رگڑو اور مہک

زیادہ ہوتی ہے۔

حدیث پاک ہے۔ قرآن پاک کثرت ورد سے پرانا نہیں ہوتا۔ نہ اس کے عجائب فنا ہوتے ہیں اور نہ ہی اس کے غرائب ختم ہوتے ہیں۔ اور نہ ہی اس سے علما سیر ہوتے ہیں۔

شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آیات کے معانی کا حسن و جمال سمندری ہیروں سے فائق ہے، کیونکہ جواہر اور ہیروں کی کثرت اور قیمتی ہونے کے باعث رغبت رکھنے والا اکتا جاتا ہے۔

(۹۹) قَرَّتْ بِهَا عَيْنُ قَارِيهَا فَقُلْتُ لَهٗ
لَقَدْ ظَفِرْتَ بِحَبْلِ اللّٰهِ فَاعْتَصِمِ

چشم خوانندہ بداں روشن شود من گفتمش
بافتی حبل خدا محکم بگیر اے معتصم

ہوگئیں آنکھیں جو ٹھنڈی میں نے قاری سے کہا
تھام حبل اللہ کو ہے فتح تیری معتصم

ترجمہ: ان آیات کو پڑھنے والے کی آنکھیں ان سے ٹھنڈی ہوگئیں تو میں نے اس کو کہا۔ تحقیق تو کامیاب ہوگیا ہے۔ اب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑلو۔

لفظی تشریح

ناظم نے قاریہا کا ہمزہ پہلے ساکن کیا پھر اس کو (یا میں) بدل دیا، (کیونکہ قادی،

قَرَءَ سے مشتق اسم فاعل ہے)۔ القرۃ۔ اصل میں برودت کو کہتے ہیں۔عربوں کے نزدیک عزیز ترین شئ کو کہتے ہیں۔اسی وجہ سے عرب لوگ آنکھوں کی ٹھنڈک اور عیش و عشرت کی تمنا کے طور پر کہتے ہیں۔

معنوی تشریح

ان (آیات) کو پڑھنے والا بہت خوش ہوا جب اس نے ان کو پڑھا اور جب وہ ان کی تلاوت سے متلذذ ہوا تو ان کی ٹھنڈک سے اس کی آنکھوں کا نور زیادہ ہوگیا۔ تو میں نے اس کو رغبت اور رشک کے طریقہ پر کہا۔" خدا کی قسم! تو ایسی چیز پانے میں کامیاب ہوگیا جو تجھے اللہ تعالٰی کی خوشنودیوں تک پہنچائے گی اور اس کی جنتوں کے درجات کی طرف ترقی دے گی پس تو اب اس کے الفاظ و معانی اور اس کے مآل کی تحقیق کو تھام لے اس کے اوامر اور نواہی پر عمل کر۔

(۱۰۰) اِنْ تَتْلُهَا خِيفَةً مِّنْ حَرِّ نَارِ لَظٰی
اَطْفَأْتَ حَرَّ لَظٰی مِنْ وِرْدِهَا الشَّبِم

گر بہ خوانیش ز ترس آتش دوزخ کنی
سرد بر خود گرمی آتش بران من ضامنم

آتش دوزخ کے ڈر سے تو اگر ان کو پڑھے
شعلۂ نارِ جہنم اس سے ہو جائے گا کم

ترجمہ: اگر تو نے ان آیات کی تلاوت جہنم کی آگ کی گرمی کے خوف کی وجہ سے کی.

تو یہ آیات دوزخ کی گرمی کو اپنے ٹھنڈا کرنے والے ورد سے بجھا دیں گی۔

لفظی تشریح

لظی، جہنم کا ایک نام ہے۔ یا اس کے کسی طبقہ کا نام ہے۔ اور یہ غیر منصرف ہے۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ اس پر تنوین برائے ضرورت ہے، تو یہ میزان کی معرفت سے غفلت کا نتیجہ ہے، کیونکہ تنوین اور الف وزن میں مساوی ہوتے ہیں۔ لظی دوسری مرتبہ ضمیر کی جگہ پر رکھا گیا ہے تاکہ التباس پیدا نہ ہو جو کہ شکوک کا باعث ہوتا ہے۔ ایک نسخہ میں نار لظی کی بجائے حر لظی آیا ہے، لیکن نار لظی۔ اطفاء (بجھانا) کے زیادہ مناسب ہے، جیسے کہ اہل علم سے مخفی نہیں ہے۔ الورد کا اطلاق قرآن پاک کے ورد کرنے پر بھی ہے اور پانی کے وارد کرنے پر بھی۔ پس اگر ورد کی اضافت آیات کی طرف کی جائے تو پہلے کی تائید ہوتی ہے، لیکن ورد کو شَبِم کے ساتھ موصوف ہونے کے باعث دوسرے قول کی تقویت ہوتی ہے۔ شبِم کا لغوی معنی ٹھنڈا کرنے والا ہے۔ اگر اس کے پہلے اطلاق پر محمول کیا جائے تو اس کا معنی ہوگا، حرارت کو دور کرنے والا۔ اور اگر دوسرے اطلاق پر اس کو محمول کیا جائے تو یہ لفظ آیات کو اپنے ساتھ تشبیہ دیتا ہے، کیونکہ آیات ارواح کی زندگی کا سبب ہیں، جس طرح کہ پانی اشباح (اجسام) کی زندگی کا سبب ہے۔

معنوی تشریح

(اے قرآن کے پڑھنے والے!) اگر تو نیکو کاروں اور آزاد لوگوں کے درجہ سے نزول کر کے، آگ کی گرمی کے خوف سے آیات قرآنیہ کی تلاوت کرتا ہے یا احکام فرقانیہ کا اتباع کرتا ہے، تو یہ اس کی گرمی کو بجھا دیں گی۔ اور پابندی کے ساتھ ورد قرآن کرنے سے جو کہ آگ کی حرارت کو دور کرنے والا ہے، آگ کی تکلیف کو اٹھا

دیں گی۔

اس شعر میں ایک حدیث کا اقتباس ہے کہ مومن جب پل صراط پر کھڑا ہوگا، تو آگ کہے گی۔ اے مومن! جلدی چلو۔ تمھارے نور نے میری حرارت بجھا دی ہے۔

(۱۰۱) كَاَنَّهَا الْحَوْضُ تَبْيَضُّ الْوُجُوْهُ بِهٖ
مِنَ الْعُصَاةِ وَقَدْ جَاءُوْهُ كَالْحُمَمِ

آں چوں حوضے واں کہ دارد روئے خوانندہ سفید
گرچہ عاصی آمدست و روسیہ ہمچوں حمم

ہیں وہ مثلِ حوضِ کوثر جس سے ہوتی ہیں سفید
عاصیوں کی صورتیں جو تھیں سیاہ مثل حمم

ترجمہ: (یہ آیات) گویا کہ حوض ہے جس سے نافرمانوں کے چہرے روشن ہوتے ہیں۔ حالانکہ (لوگ) کوئلوں کی مانند کالے (چہرے) لاتے تھے۔

لفظی تشریح

ناظم نے پانی کو حوض سے تعبیر کیا، کیونکہ وہ (حوض) پانی کا محل ہے! اور یہ بلاغت کا ایک طریقہ ہے کہ محل بول کر حال مراد لیتے ہیں۔ یا مضاف کو حذف کر کے ذکر کیا۔ اصل میں یوں ہے: ماء الحوض۔ حوض سے مراد حوض کوثر ہے۔ اور وجوہ سے مراد لوگ، اشخاص ہیں، کیونکہ ناظم نے وجوہ کا بیان (تشریح) عاصیوں سے کی۔ اور وُجوہ کو حمم

سے تشبیہ دی، جو کہ حممۃ کی جمع بمعنی کوئلہ ہے۔

معنوی تشریح

آیات قرآنیہ کی تلاوت اور احکام صمدانی (اللہ تعالٰے کے) پر عمل، اس دار دنیا میں مومنوں کے دلوں کی سفیدی کا باعث ہے۔ مومنین کے سینوں کا نور، دارِ آخرت میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حوض کی مانند ہے جب کہ نافرمانوں کے چہرے حوض پر سفید ہو جائیں گے۔ حالانکہ جب وہ حوض کے پاس آئے تھے تو ان کے چہرے کوئلے کی مانند کالے تھے۔

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ جب وہ اس سے نکلیں گے، تو ان کو نہر حیات میں ڈالا جائے گا۔ ایک روایت میں ہے، تو پھر ان پر آب حیات انڈیلا جائے گا، تو ان کی سیاہی (کالاپن) ختم ہو جائے گا اور سفیدی ظاہر ہو جائے گی۔ اسی طرح آیات ہیں کہ ان کی تلاوت اور ان پر عمل کے باعث چہرے روشن ہو جاتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالٰے نے فرمایا: یوم تبیض وجوہ .... الخ جس دن کہ کچھ چہرے سفید (روشن) ہوں گے اور کچھ سیاہ۔

(۱۰۲) وَكَالصِّرَاطِ وَكَالْمِيزَانِ مَعْدِلَةً
فَالْقِسْطُ مِنْ غَيْرِهَا فِي النَّاسِ لَمْ يَقُمِ

چوں صراط است آں و چوں میزاں بود در راستی
راستی از غیر آنہا کس ندیدہ بیش و کم

ہیں ترازو عدل کی اور راستی کے ہیں صراط
ہے بغیر ان کے قیام انصاف کا بس کالعدم

ترجمہ: اور (یہ آیات) پل صراط اور میزانِ عدل کی مانند ہیں عدل کرنے کے لحاظ سے۔ پس ان کے سوا لوگوں میں عدل قائم نہیں رہ سکتا۔

لفظی تشریح

یہ آیات حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کے اعتبار سے پل صراط کی مانند ہیں اور عدل کرنے کے لحاظ سے یہ میزان کی مانند ہیں۔ یہ ہر ایک کا حق بیان کرتی ہیں جیسے کہ مناسب ہے۔ اور خصومت کو شرعی طریقہ سے رفع کرتی ہیں جو کہ دلیل عقلی کے ساتھ مبعوث ہے۔

جب ایسی صورت ہے۔ تو دنیا میں لوگوں کے درمیان آیات قرآنیہ کے علاوہ کسی اور سے عدل کو طلب کرنا مستقیم اور ثابت نہیں رہتا، کیونکہ تمام احکام شرعیہ انھیں کی طرف راجع ہیں۔ اور سنت، اجماع اور قیاس بھی آیات پر مبنی ہیں۔

(۱۴۳) لَا تَعْجَبَنْ لِحَسُوْدٍ رَّاحَ يُنْكِرُهَا
تَجَاهُلًا وَّهُوَ عَيْنُ الْحَاذِقِ الْفَهِمِ

گر حسود انکار آں کردہ مدار اں را عجب
کو تجاہل کردہ ورنہ نیک کرداست آں فہم

مت تعجب کر تو حاسد پر جو ہے انکار اسے
ہے تجاہل اس کا گرچہ ہے وہ یکا ذی فہم

ترجمہ: اے مخاطب! تو ہرگز بہت زیادہ حسد کرنے والے پر تعجب نہ کر جو انکار کرنے لگا ہے۔ تجاہل عارفانہ کے طور پر حالانکہ وہ خود بڑا ماہر اور فہیم ہے۔

لفظی تشریح

الحسود، حا پر فتحہ کے ساتھ۔ حاسد کا مبالغہ ہے۔ حاسد وہ شخص ہے جو دوسرے کی نعمت زائل ہونے کی خواہش رکھتا ہو۔ الفہم بکسر الہاء۔ بہت زیادہ سمجھنے والا

معنوی تشریح

اے مخاطب! تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر حسد کرنے میں مبالغہ کرنے والے پر ہرگز تعجب نہ کر اور نہ ہی تو حیران ہو۔ جیسے کہ یہود، نصاریٰ اور بعض مشرکین ہیں، کیونکہ تجاہل عارفانہ کر کے آیات بینات کا انکار کرتے ہیں اور واضح معجزات کو نہیں مانتے ہیں جب کہ منکر کو ان (آیات و معجزات) کی حقیقت کا علم اور معرفت حاصل ہے۔ حالانکہ یہ جان بوجھ کر جاہل بن کر انکار کرنے والا ماہرین کا عین اور سمجھداروں میں سے بہترین دانشمند ہے، کیونکہ آیات مختلف قسم کی دلالات پر مشتمل ہیں۔

پس اس منکر سے آیات کا انکار واقع ہونا صرف کے اس کے عناد پر مبنی ہے جس کا باعث حضور پر اللہ تعالے کی نعمت نبوت اور عطیۂ رسالت پر حسد ہے جیسے کہ اللہ تعالے نے فرمایا: ام یحسدون الناس .... الخ یا وہ لوگوں کا حسد کرتے ہیں، اس بات پر جو اللہ تعالے نے ان کو دیا ہے۔ پس حسد کے طور پر ان (آیات) کا انکار کرنا کوئی عجیب بات

نہیں ہے، کیونکہ بعض اوقات کسی خاص وجہ سے موجود شے کا بھی انکار کر دیا جاتا ہے جیسے کہ ناظم نے اگلے شعر میں کہا ہے ؎

(۱۰۴) قَدْ تُنْكِرُ الْعَيْنُ ضَوْءَ الشَّمْسِ مِنْ رَّمَدٍ
وَيُنْكِرُ الْفَمُ طَعْمَ الْمَآءِ مِنْ سَقَمِ

گہ گہے چشم از رمد منکر شود خورشید را
ہم دہن منکر شود طعم خوشِ آب از سقم

روشنی سورج کی کیونکر دیکھتی بیمار آنکھ
ذائقہ کیا آبِ شیریں کا ملے جب ہو سقم

ترجمہ: کبھی آنکھ آشوبِ چشم کی وجہ سے سورج کی روشنی کا انکار کر دیتی ہے۔ اور بیماری کے باعث منہ پانی کے ذائقہ کو صحیح نہیں مانتا۔

لفظی تشریح

الرمد آشوبِ چشم۔

معنوی تشریح

کبھی آنکھ کسی علت (بیماری) کی وجہ سے سورج کے نور کے وجود کا انکار کر دیتی ہے اگرچہ وہ حقیقت ضیا کا مشاہدہ کر رہی ہوتی ہے۔ ایسے ہی آیات ہیں کہ ان کا ظہور اظہر من الشمس ہے لیکن اندھا اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ اور چمگادڑ اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ آشوبِ چشم میں انسان سورج کو دیکھنا پسند نہیں کرتا، تو دیکھنے والے کے نقصان کی وجہ سے دکھائی دینے والی

شے کو نقصان لازم نہیں ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا؛ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔

کبھی منہ لبسبب علت کے اس پانی کے ذائقہ کا انکار کر دیتا ہے جو کہ ہر شے کی زندگی کے طور پر مشہور اور متعارف ہے۔ وہ بیماری اس کو پانی کی لذات کے ادراک سے روکتی ہے۔ ایسے ہی ان (کافروں) کے دلوں میں بھی بیماری ہے جن کو قرآن کی شفا بھی نفع نہیں دیتی اور فرقان کے ذائقہ سے شیرینی حاصل نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا؛ و ننزل من القران الخ اور ہم نے اتارا ہے قرآن میں سے ایسی شے جو کہ مومنین کے لیے شفا، اور رحمت ہے اور ظالم لوگوں کو خسارہ میں زیادتی نصیب ہوگی۔ پس وہ نیل کی مانند محبوبین کے لیے پانی اور محجوبین کے لیے خون ہے۔ جس سے کئی گمراہ ہوتے ہیں اور کئی ہدایت پاتے ہیں۔

پھر ناظم اپنے ممدوح کی نعت میں غائب سے خطاب کی طرف متوجہ ہوا، تو فرمایا؛

(۱۰۵) یَا خَیْرَ مَنْ یَّمَّمَ الْعَافُوْنَ سَاحَتَهٗ
سَعْیًا وَّ فَوْقَ مُتُوْنِ الْاَیْنُقِ الرُّسُمِ

اے کہ بہتر زاں کہ مردم قصدِ درگاہش کنند
یا پیادہ یا بہ پشتِ اشترانِ باد دم

اے شہِ والا ترے دربار میں آتے ہیں سب
یا پیادہ اور سوارِ اشترانِ تازہ دم

ترجمہ: اے سردار! آپ ان سب سے بہتر ہیں کہ مانگنے والے جن کے صحن کا قصد

کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ پا پیادہ اور مضبوط، طاقتور اونٹنیوں کی پیٹھ پر سوار ہو کر آتے، آپ بہتر ہیں۔

لفظی تشریح

یَمَّمَ قصد کرنا۔ العافون العافی کی جمع بمعنی سائل۔ الساحۃ گھر کا صحن۔ سعیا بمعنی ساعین دوڑ کر۔ فوق، سعیا پر عطف ہے بمعنی کائنین فوقھا اس حال میں کہ وہ ان کے اوپر ہو گئے۔ متون جمع متن کی۔ (سواری کی) پشت۔ الاینق میں یا، نون پر مقدم ہے۔ یہ کلمہ انیق (جب کہ نون، یا پر مقدم ہو) سے مقلوب ہے۔ اصل میں انوق تھا۔ پہلے واؤ کو نون پر مقدم کیا۔ پھر مزید تخفیف کے لیے واو کو یا سے قلب کیا۔ یہ ناقہ کی جمع ہے۔ الرُّسُم بضمتین۔ وہ اونٹ جو شدت کے ساتھ چلنے کی وجہ سے زمین میں قدموں کے نشانات لگا دیتے ہیں۔

معنوی تشریح

اے آقا! آپ ایسے آقا ہیں جس کی سخاوت کے صحن کا سائلین قصد کرتے ہیں آپ کے علم و حکمت کی طرف طالبین توجہ کرتے ہیں۔ اس حال میں کہ وہ پا پیادہ تیزی کے ساتھ چل کر آتے ہیں۔ یا وہ طاقت ور اونٹنیوں کی پشتوں پر سوار ہو کر حاجیوں کی ہیئت میں آتے ہیں۔

یا رسول اللہ! آپ کے پاس پا پیادہ آتے ہیں اور ہر مضبوط سواری پر جو کہ دور دراز اور گہری وادیوں سے گزر کر آتی ہیں۔

اس شعر میں آپ دربار میں چل کر آنے والوں کی اقسام اور آپ کی خدمت میں حاضری دینے والوں کی اصناف کی عمومیت پر اشارہ ہے کہ ہر کوئی خواہ وہ قوی ہے یا

کمزور، راستہ کی مسافت قریب ہے یا بعید، آپ کا قصد کرتا ہے۔

(۱۰۶) وَمَنْ هُوَ الْاٰيَةُ الْكُبْرٰى لِمُعْتَبِرٍ
وَمَنْ هُوَ النِّعْمَةُ الْعُظْمٰى لِمُغْتَنِمِ

اے کہ ہستی آیتِ کبریٰ کہ باشد معتبر
اے کہ ہستی نعمتِ عظمیٰ کہ باشد مغتنم

ہیں وہ برتر اور ذی شاں معتبر کے واسطے
اور وہ ہیں نعمتِ عظمیٰ برائے مغتنم

ترجمہ: (اے وہ ذات!) جو عبرت حاصل کرنے والے کے لیے بہت بڑی نشانی (دلیل) ہے اور (اے وہ ذات!) جو غنیمت جاننے والے کے لیے نعمتِ عظمیٰ ہے۔

لفظی تشریح

(یہ شعر) سابقہ شعر میں منادی پر معطوف ہے۔ الاٰیۃ ایسی علامت جو دلیل پر صادق آئے۔ تاکہ اس سے عبرت حاصل کرے اور اس سے اندازہ لگائے وہ شخص جو اس بات کی تائید کرتا ہو کہ حق و باطل کے درمیان تمیز کی جائے۔ النعمۃ بمعنی منعم بہ ہے۔ (وہ شئی جس کو بطور نعمت دیا گیا ہو) پہلے مصراع میں انک لتھدی الی صراط مستقیم کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت آنے والا شعر کفاک بالعلم فی الاُمّیّ معجزۃ، کر رہا ہے۔ دوسرے مصراع میں اللہ تعالےٰ کے فرمان وما

ارسلناک الا رحمۃ للعالمین کی طرف اشارہ ہے۔ اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم اس صفت میں منفرد ہیں۔ آپ صلے اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ تعالٰے کی نعمتیں ہیں ان کو بصیغہ جمع ذکر اس لیے کیا تاکہ مبالغہ کا اظہار ہو۔

معنوی تشریح

آپ صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت اقدس نہایت عمدہ ہے۔ اور اس میں علم اور حلم کی ایسی چمک دمک ہے کہ جس نے بھی آپ کی سیرت پاک کا مطالعہ غور وفکر سے کیا اور آپ کے عمدہ خصائل پر خوب تدبر کیا، اسے آپ کی نبوت کی صحت اور دعوت اسلام کی سچائی میں ذرہ بھر بھی شک نہ رہے گا۔

ندا کا تکرار اس بات کے اظہار کے لیے ہے کہ اس کی طرف توجہ کی جائے۔

(١٠٧) سَرَيْتَ مِنْ حَرَمٍ لَيْلًا اِلٰى حَرَمٍ
كَمَا سَرَى الْبَدْرُ فِيْ دَاجٍ مِّنَ الظُّلَمِ

در شبے رفتی زمکہ تا باقصیٰ شریف
چوں کہ ماہ چاردہ گردوں رواں گردد ظلم

بدر کامل جس طرح سے رات میں کرتا ہے سیر
مکہ سے اقصیٰ گئے معراج میں شاہ امم

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ نے رات کو ایک حرم سے دوسرے حرم تک سیر کی۔ جیسے کہ چودھویں رات کا چاند ظلمت کی تاریک رات میں چلتا ہے۔

لفظی تشریح

سریٰ۔ اسریٰ میں ایک لغت ہے۔ رات کو چلنا۔ لیلاً ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے۔ اس کو تاکید کے لیے ذکر کیا۔ اور تقلیل کے طور پر اس کو نکرہ ذکر کیا۔ حرم اول سے مراد مکہ ہے جس کو اللہ تعالےٰ نے مشرف کیا ہے اور دوسرے حرم سے مراد مسجد اقصٰی مراد ہے۔ اس کا حرم نہیں ہے، تو اس سے مراد قابلِ احترام جگہ ہے۔ داج۔ دجو سے اسم فاعل ہے۔ دجو، سخت تاریکی کو کہتے ہیں۔ یہ (داجٍ) صفت ہے اور موصوف اس کا محذوف ہے۔ اصل میں تھا، لیل داج۔ الظلم ضمہ اور فتحہ دونوں سے پڑھا جاتا ہے۔ جمع ظلمۃ (تاریکی) کی۔

معنوی تشریح

یارسول اللہ! آپ نے اللہ تعالےٰ کے سیر کرانے سے عجیب و غریب سیر کی۔ جیسے کہ اللہ تعالےٰ کے قول سے اشارہ ہے: سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا... (پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو سیر کرائی رات کو۔) وہ سیر ایک جلیل رات کی قلیل ساعت میں مکہ کے حرمِ محترم سے قدسی حرم معظم تک ہوئی۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا یہ قول دلالت کرتا ہے: من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ۔ (مسجد حرام سے لے کر مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا)۔

وہ سیر اس طرح ہوئی جیسے کہ بدر (چودھویں کا چاند) اپنے ظہور کے کمال اور اپنے نور کے جمال کی بلندی میں، اغیار سے مخفی ہونے کے وقت پردوں گنبدوں کے نیچے چلتا ہے۔

(یہاں پر ناظم نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سیر کو چاند کی سیر سے تشبیہ دی ہے)

اس میں وجہِ تشبیہ دو ہیں:

(۱) مقام (منزل مقصود) کی طرف پہنچنے میں تیزی سے چلنا۔

(۲) سخت تاریکی میں مکمل طور پر روشن ہونا۔

یہاں پر ناظم نے ظلمت کا ذکر بدر کے وجود کے ساتھ کیا جس سے ہمارے زمانہ کے بعض فضلاء کے فہم میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ یہ (اس طرح ظلمت اور چاند کا اکٹھا ذکر) تناقص ہے اور تعارض کا باعث بنتا ہے، تو اس ظلمت سے مراد ظلمت بالقوۃ ہے۔ یعنی اگر چاند کا نور نہ ہوتا۔

کہ فی الجملہ چاند کے نور کے ساتھ ساتھ رات کچھ نہ کچھ تاریکی ظاہر کرتی ہے جیسے کہ اللہ تعالےٰ اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وجعلنا اللیل والنھار ایتین.... الخ ہم نے رات اور دن کو دو نشانیاں بنا دیا، تو ہم نے رات کی نشانی کو محو کر دیا۔ اور دن کی نشانی کو دکھائی دینے والا بنا دیا۔

آپ کی سیر اور اس سے واپسی کے بارے میں منقول ہے کہ وہ سیر تین یا چار گھنٹوں میں ہوئی۔ بالاجماع معراج کی اتنی مقدار آپ کے جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوئی۔ اور بلا اختلاف اس کا منکر کافر ہے۔ اس سے مافوق جو اس کے بعد ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا منکر اہلِ بدعت میں سے ہے۔

(۱۰۸) وَبِتَّ تَرْقٰی اِلٰی اَنْ نِلْتَ مَنْزِلَةً
مِنْ قَابَ قَوْسَيْنِ لَمْ تُدْرَكْ وَلَمْ تُرَمِ

برشدی بالا و گشتہ قاب قوسینت مقام
واں نہ دید ست و نہ بیند ہیچ کس در ہیچ دم

طے کیے سارے مدارج اور ملا ایسا مقام
ہے پرے ادراک کے اور قاب قوسین سے نہ کم

ترجمہ: رات کو آپ ترقی کرتے رہے یہاں تک کہ آپ قاب قوسین مقام تک پہنچ گئے جس کا نہ ادراک کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی قصد۔

لفظی تشریح

بِتَّ۔ فعل ماضی مخاطب کا صیغہ بیتوتۃ سے مشتق ہے۔ اور ایک نسخہ میں بِتَّ کی بجائے ظَلْتَ (ظا پر فتحہ اور کسرہ دونوں سے پڑھا جاتا ہے) ہے۔ اس کا اصل ظَلَلْتَ ہے بمعنی صارَ۔ ترقیٰ قاب پر زبر۔ آپ نے صعود کیا۔ نلت اگر فعل معروف ہو تو یہ مشتق نَیْلٌ سے ہے جس کا معنی پہنچا ہے۔ اگر مجہول ہو تو یہ نَوْلٌ بمعنی عطا ہے۔ لیکن پہلی بات اظہر اور روایت میں مشہور ہے۔

اور وہ زیادہ قریب ہے۔ لم تدرك صیغہ مجہول ادراک سے مشتق ہے۔ اور لم ترم روم سے مشتق ہے بمعنی قصد کرنا۔

معنوی تشریح

یارسول اللہ! آپ مخفی رات میں ترقی کرتے رہے اور جلی معارج اور عمدہ بلندیوں کی طرف ساتوں آسمانوں کو چیرتے ہوئے بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ آپ بلند مقام اور بہترین مرتبہ کو پہنچ گئے۔ اور وہ (مقام و مرتبہ) رب کونین کے ساتھ طرفین کی ملاقات کے وقت دو کمانوں کا فاصلہ ہے۔ اور یہ چیز کمالِ قرب سے کنایہ ہے۔ اس سے مراد قرب مرتبہ ہے، مکان نہیں، کیونکہ اللہ تعالےٰ مکان و زمان سے منزہ ہے۔ یا کہا

جائے کہ حضور عرش رحمٰن یا مقام وحی کے قریب ہیں علیٰ وجہ الامتنان اور اَوْ اَدْنیٰ کو ترک کرنا بمعنی بَلْ اقرب الی الملک الاعلیٰ (بلکہ یعنی آپ ملک اعلیٰ کے قریب ترین ہیں ضرورت شعر کی وجہ سے ہے۔ سابقہ بیان میں دارئ کا احساس دلایا گیا ہے کہ وہ بلند مقام علمی وعملی فضائل کے باعث مکاسب اجتہادیہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا، یہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی خصوصی عنایات سے حاصل ہوتا ہے۔ اس بلند منصب کی طلب و قصد آپ علاوہ دیگر انبیا نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اولیاء۔ (اس منصب کی طلب کریں۔)

اس ترقی (معراج) میں اختلاف ہے کہ آیا یہ تمام جسمانی تھا۔ یا روحانی اور آیا حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کو بصارت کی آنکھوں سے دیکھا یا بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا۔ اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ معراج کب ہوئی۔ اور کتنی دیر میں ہوئی۔

ضرورت مندوں کو قصہ معراج کی تفصیل سیر کی کتاب سے معلوم ہوگی۔

(۱۰۹) وَقَدَّمَتْكَ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَآءِ بِهَا
وَالرُّسْلِ تَقْدِيْمَ مَخْدُوْمٍ عَلٰى خَدَمِ

انبیا و مرسلینت پیشوا کردند وراں
ہمچوں مخدومے کہ گردد پیشوا اندر خدم

مسجدِ اقصیٰ میں بن کر انبیاء کے پیشوا
آپ تھے مخدوم باقی انبیاء سب تھے خدم

ترجمہ: تمام انبیاء اور رسولوں نے آپ کو اس (بلند مقام) کے سبب مقدم کیا جیسے خادم اپنے مخدوم کو مقدم کرتا ہے۔

لفظی تشریح

الرسل رسول کی جمع۔ اس کا سین ساکن ہے۔ یہ حالت جری میں ہے رسول نبی سے خاص ہوتا ہے۔

معنوی تشریح

یارسول اللہ! آپ کو سب انبیاء اور تمام اصفیاءؑ نے اس بلند مقام عظیم مرتبہ کی ایسے مقدم کیا جیسے مخدوم خادم پر مقدم ہوتا ہے۔ اور جیسے مقتدی تمام احوال میں امام کی اطاعت کرتے ہیں۔

اس بات میں اختلاف ہے کہ امامت مسجد اقصیٰ میں ہوئی یا بلند آسمانوں میں۔ اور لفظ جمیع جو جمع سے مشتق ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مقام جمع عالم الملک میں اللہ تعالےٰ کی توفیق سے جو کہ حیّ لایموت ہے، ہوئی ہے۔

(۱۱۰) وَاَنْتَ تخترق السَّبْعَ الطِّبَاقَ بِهِمْ
فِیْ مَوْکِبٍ کُنْتَ فِیْهِ صَاحِبَ الْعَلَمِ

زآسماں ہا برگزشتی بر جمیع انبیاءؑ
در گروہ کاندر ایشاں تو بدی صاحب علم
طے کیا سات آسمانوں کا سفر با انبیاءؑ
ساتھ افواجِ ملائک کے تھے باشان وحشم

ترجمہ: آپ ان (انبیاء) کے ساتھ ساتوں طبق طے کرتے گئے ایک ایسے موکب میں کہ جس میں جھنڈے والے (سردار) آپ تھے۔

لفظی تشریح

واؤ حالیہ ہے۔ الخرق گذرنا فعل مضارع کی طرف عدول کرنے کی وجہ، گذشتہ حالات کا استحضار ہے۔ الموکب۔ کاف کے کسرہ کے ساتھ سواروں کی جماعت۔ العلم، جھنڈا۔ اسکو بالاشباع پڑھا جائے گا۔

معنوی تشریح

یارسول اللہ! اور آپ نے ساتوں آسمانوں کو طے کیا جو کہ ایک دوسرے کے اوپر تہہ در تہہ ہیں۔

اس حال میں کہ آپ انبیاء کے پاس سے گذر رہے تھے یا ان کی ارواح کے پاس سے گذر رہے تھے۔ پس آپ آسمان دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس سے گذرے دوسرے میں حضرت عیسیٰ اور یحییٰ کے پاس سے تیسرے میں حضرت یوسفؑ کے پاس سے، چوتھے میں حضرت ادریسؑ کے پاس سے، پانچویں میں حضرت ہارونؑ کے پاس سے، چھٹے میں حضرت موسیٰ کے پاس سے اور ساتویں میں حضرت ابراہیم علیہم السلام والتحیہ والاکرام۔ آپ ایک عظیم جمعیت میں جو ہیئت کریمہ کے ساتھ مصحوب تھی، کیونکہ آپ کے ساتھ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو جمع کے صیغے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ کا قول ہے، فنادته الملائکة۔ تو یہاں ملائکہ کی تفسیر جبرائیل کے ساتھ کی گئی ہے، یا اس کو بزرگوں اور باعظمت قوم کے قائم مقام بنا دیا گیا ہے۔

اس لشکر میں صاحب علم (جس کی طرف اشارہ کیا جاتے۔ اور جس پہ مدار ہو) آپ تھے۔

عَلَم ایسا تیر جس کے سرے پر جھنڈا ہو، تاکہ وہ بادشاہ پر علامت اور نشانی ہو۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہتے۔ تو ان سے پوچھا جاتا کہ تمھارے ساتھ کون ہے، وہ جواب دیتے، محمد۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۱۱۱) حَتّٰی اِذَا لَمْ تَدَعْ شَاوًا لِّمُسْتَبِقٍ
مِنَ الدُّنُوِّ وَلَا مَرْقًی لِّمُسْتَنِمِ

زینتے از قرب بہر ہیچ کس نگزاشتے
جائے بالاتر نہ ہشتی دیگراں را در رقم

مرتبہ باقی نہ رکھا بڑھنے والوں کے لیے
ہر بلند و پست پر تھا آپ کا فیض قدم

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ نے کسی آگے بڑھنے والے کے لیے قرب کی کوئی غائت نہ رہنے دی اور نہ ہی اوپر جانے والے کے لیے کوئی سیڑھی۔

لفظی تشریح

حتی اختراق کی غائت بیان کرنے کے لیے ہے۔ اذا ظرفیہ مجازیہ ہے۔

معنوی تشریح

یارسول اللہ! آپ دروازے میں داخل ہوتے اور آپ نے حجاب کو قطع کیا یہاں تک کہ آپ نے اللہ تعالےٰ کی طرف قرب مطلق کا کمال حاصل کرنے کی کوشش کرنے کے لیے کوئی غائت نہ چھوڑی۔ (اس سے زیادہ قرب کا تصور بھی نہیں ہو سکتا) اور نہ ہی آپ نے

عالم وجود میں کسی بلندی کے طلب گار کے لیے اٹھنے، بیٹھنے اور ترقی وصعود کی جگہ رہنے دی بلکہ آپ اس سے مقام قاب قوسین کی طرف بڑھ گئے یا اس سے بھی قریب، تو آپ کے رب نے آپ کو علم وحکمت کی وحی کی جو بھی وحی (اس کا علم اللہ تعالٰی کے پاس ہے. کسی انسان کو اس بات کی قدرت نہیں کہ وہ اندازہ یا تخمینہ لگائے. اللہ تعالٰی نے کس قدر علم و حکمت اپنے حبیب کو عطا فرمایا۔)

(۱۱۲) خَفَضْتَ کُلَّ مَقَامٍ بِالْاِضَافَةِ اِذْ
نُوْدِیْتَ بِالرَّفْعِ مِثْلَ الْمُفْرَدِ الْعَلَمِ

پست کردی بہش قربت ہر مقام دیگراں
چوں ترا بردند بالا وندراں گشتی علم

کر دیئے پست آپ نے سب کے مدارج اور مقام
جب ہوئے مدعو بلندی پر یگانہ با حشم

ترجمہ: جیسے اضافت کی وجہ سے کلمہ کو زیر آتی ہے یوں ہی آپ نے ہر مقام کو پست کر دیا، کیونکہ آپ کو بلندی کی طرف ندا دی گئی جیسے کہ منادی مفرد علم مرفوع پڑھا جاتا ہے۔

لفظی تشریح

یہ بیان حضور کے ساتھ قرب کی خصوصیّت میں ہے. جس کا اشارہ اَوْ اَدْنٰی کے ساتھ کیا گیا ہے. اور اللہ تعالٰی کی ذاتی محبت کے ساتھ کیا گیا ہے جو کہ نہائت ہی اعلٰے اور

قیمتی مقام ہے۔ اور ناظم کا قول خفضت کل مقام یہ اذا کے جواب میں ہے جب کہ اس کو شرط مانا جائے۔ اس معنی پر سابقہ شعر کے یہ کلمات اذا لم تدع دلالت کرتے ہیں جب کہ اس کو ظرف مانا جائے۔ الخفض مقام و مرتبہ کا گرنا۔ کسی شئ کو کسی شئ کے نیچے کر دینا۔ نحویوں کی اصطلاح خفض فی الاعراب اور خفض فی الاضافة بھی اسی سے ہے۔ ایسا الصاق کے لیے کہتے ہیں۔

معنوی تشریح

یا رسول اللہ! آپ نے مقامات اور مراتب اصفیاء میں سے ہر مقام و مرتبہ کو پست کر دیا اور یہ بات ہے اس اضافت کی جو آپ کو اللہ کے حضور عالی سے ہے اور اس نسبت کی جو آپ کو بہترین محبت کے ساتھ ہے یا یہ اس اضافت کی برکت کی بدولت ہے جو آپ کو اپنے جلی مقام سے ہے یا جو نسبت آپ کو اپنے بلند حال سے ہے۔ جب آپ کو اس مقام اعلیٰ کی طرف ندا دی گئی جس کو قاب قوسین او ادنیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ ندا تعظیم میں ایسی تھی جیسے فرد واحد اور علم جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور تکریم کے ساتھ مشہور ہے جس کو اپنی جنس کے افراد سے یکتا اور اپنے ہمسروں سے ممیز کر دیا گیا ہے۔

یہ بات مخفی نہیں ہے جو کچھ اس شعر میں اصطلاحات نحویہ کی اشارتی صفت خفض، رفع، اضافت، ندا اور مفرد علم اور مناسبات جلیہ پائی جاتی ہے۔

(۱۱۳) كَيْمَا تَفُوْزَ بِوَصْلٍ اَيِّ مُسْتَتِرٍ
عَنِ الْعُيُوْنِ وَ سِرٍّ اَيِّ مُكْتَتِمِ

تا مقامِ وصل پنہاں یافتی از چشمِ خلق
سرِّ پنہانی بدانستی ز اوصافِ قدم

تا کہ ہوں اسرارِ پوشیدہ سے واقف بعدِ وصل
حق نے ظاہر کر دیئے سب راز از فضل و کرم

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ ایسے وصل سے کامیاب ہوئے جو بہت پوشیدہ ہے۔
اور ایسا راز حاصل کرنے میں کامران ہوتے جو آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔

لفظی تشریح

یہ شعر سے بیت و بت سے لے کر آخر تک جتنے اشعار آئے ہیں ان کی علت غائت ہے۔
یعنی یارسول اللہ! آپ سدرۃ المنتہیٰ سے قاب قوسین اَوْ ادنیٰ کے مقام تک پہنچے تاکہ آپ اللہ تعالٰے کے وصال اور اس کے ماسوا سے قطع تعلق کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ ایسا وصال جو کہ لوگوں کی آنکھوں سے نہایت پوشیدہ ہے۔ اور آثار مطلوب و اسرارِ محبوب سے ایک ایسا عظیم راز حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو اغیار کی آنکھوں سے بالکل مخفی ہے۔

ایّ دونوں جگہ مجرور ہے کیونکہ یہ اپنے ماقبل کی ایسی صفت ہے جو معنی کمال پر دلالت کرتی ہے۔ (تو ای مستتر کا معنی ہوگا) ایسا وصال جو استتار میں کامل ہے۔ اور (ای منکتم کا معنی ہوگا) ایسا راز جو خفیہ ہونے میں کامل ہے۔

تفوز فعل مضارع اَنْ مقدرہ جو کَیْ بمعنی لام کے بعد آتا ہے۔ یا لکی بمعنی ان اور لام مقدرہ کے بعد آتا ہے اس کے سبب منصوب ہے۔ اور ما دونوں وجہ سے کے

مطابق زائدہ ہے۔

معنوی تشریح

علامہ جلال الدین المحلی نے فرمایا کہ یہ راز اس حدیث سے ماخوذ ہے جو کہ حضور نے ارشاد فرمایا: میرے رب نے مجھے معراج کی رات مختلف قسم کے کئی علوم سکھائے۔ ایک وہ علم جس کے چھپانے کا مجھ سے عہد لیا گیا۔ دوسرا وہ علم جس کے ظہور و خفا کا اختیار مجھے سونپ دیا گیا۔ تیسرا وہ علم جس کی تبلیغ کرنے کا مجھے اللہ تعالےٰ نے حکم دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا: کہ جن علوم کے ظہور و خفا کا آپ کو اختیار دیا تھا ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات ابوبکر، عمر، عثمان اور مجھے آگاہی بخشتے رہتے تھے اس حدیث کو بہت سے شارحین نے ذکر کیا ہے لیکن میں کتب حدیث میں اس کے اصل پر آگاہ نہیں ہوا۔ البتہ یہ بات امام بخاری کی روایت کے منافی نہیں جو انھوں نے ابو جحیفہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے بیان کی۔ ابو جحیفہ نے کہا: میں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے پوچھا کیا آپ کے پاس کوئی ایسی وحی بھی ہے جو قرآن میں نہ ہو۔ آپ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی! جس نے دانے کو پھاڑا اور بادِ نسیم کو پیدا کیا۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ مگر قرآن کی سمجھ جو اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو عطا کرتا ہے اور اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا: دیت کے احکام۔

اور یہ کہ مسلمان کو کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے، کیونکہ یہ (مسلمان) لوگوں کی تبلیغ سے متعلق ہے اور وہ غیر تبلیغ سے۔ جیسے ظاہر بات ہے۔

اس شعر میں رویت باری تعالےٰ اور اس کی مناجات کی طرف اشارہ ہے۔ بے شک اس میں اختلاف ہے کہ حضور نے اپنے رب کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا۔ یا جبرائیل کو اس کی صورت میں دیکھا۔ ایسے ہی حضور کی مناجات میں اختلاف ہے کہ حضور نے اپنے رب،

سے مناجات کی، یا جبرائیل سے۔ ان دونوں باتوں کی اصل یہ دو آیات ہیں:

(۱) رویت کی اصل ما کذب الفواد ما رای۔

(۲) مناجات کی اصل فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ۔

بمطابق ان باتوں کے جو تفاسیر میں درج ہیں۔

قرب اور وصل سے قرب مکانی یا قرب صوری مراد نہیں ہے، بلکہ یہاں پر صرف مقصود یہ ہے۔ حضور کے مرتبہ کی عظمت ظاہر کرنا۔ آپ کی معرفت کے انوار کو روشن کرنا غیب اور قدرت کے اسرار کا مشاہدہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا۔

(۱۱۴) فَحُزْتَ كُلَّ فَخَارٍ غَيْرَ مُشْتَرَكٍ
وَجُزْتَ كُلَّ مَقَامٍ غَيْرَ مُزْدَحَمِ

جمع کردی ہر بزرگی کاں نبودہ مشترک
بر شدی از ہر مقامے کاں نبودی مزدحم

ہر بزرگی غیر شرکت جمع کرلی آپؐ نے
طے کئے سب مرتبوں کو آپؐ غیر مزدحم

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ نے ہر قابلِ فخر شیٔ کو حاصل کیا کہ جو مشترک نہیں ہے۔
اور ہر ایسے مقام سے گزر گئے جو بھیڑ والا نہ تھا۔

لفظی تشریح

حُزْتَ اور جُزْتَ دونوں قُلْتَ کے وزن پر ہیں۔ پہلا حاز سے مشتق ہے بمعنی جمع کرنا۔

اور دوسرا جاذ سے بمعنی تجاوز کرنا۔ الفخار۔ وہ فضائل، عادات اور نعمتیں جن پر انسان فخر کرسکتا ہے۔ یا یہ مصدر ہے بمعنی مفاخرت اور غیر۔ دونوں مقامات پر مابعد کی صفت ہونے کے باعث مجرور ہے یا منصوب ہے اس اعتبار سے کہ یا تو کُل کی صفت واقع ہو رہے ہیں۔ یا فاعل سے حال واقع ہو رہے ہے۔

المشترك۔ اور المزدحم دونوں اسمائے مفعول بمعنی مصدر ہیں۔

معنوی تشریح

کہا گیا ہے کہ فخار غیر مشترک سے مراد مثل وسیلہ، فضیلت۔ اعلےٰ درجہ۔ حوض کوثر شفاعت عظمیٰ، مقام محمود اور لواء الحمد وغیرہ کے ہیں۔ اور مقام غیر مزدہم سے مراد مقام محبت، ختم نبوت، معراج، رسالت عامّہ اور ان جیسے مقامات ہیں۔ یا اس سے مراد عارفین واصلین کے مقامات ہیں۔

ان کے نزدیک سالکین اور سائرین کی منازل ہیں۔ جن کو معین کرکے تعبیر کرنا اور ان کی طرف اشارہ کرنا ناممکن ہے۔ جو ان کو حاصل کرنا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ مجاہدہ کرے تاکہ مشاہدہ کرسکے، کیونکہ خبر مشاہدہ کے برابر نہیں ہوتی۔ اور یہ درجات بحر تفرید میں استغراق اور توحید میں منتہی ہوتے ہیں۔

(۱۱۵) وَجَلَّ مِقْدَارُ مَا وُلِّيتَ مِنْ رُتَبٍ
وَعَزَّ إِدْرَاكُ مَا أُولِيتَ مِنْ نِّعَمِ

پس بزرگ است آنچہ دادندت ز فضل مرتبت
پس عزیز ست آنچہ بخشید ست خداوند از نعم

ہیں عظیم الشان رُتبے جو ملے سرکار کو
ہیں پرے ادراک کے جو کچھ ہوئے حاصل نعم

ترجمہ: جو مراتب آپ کو عطا کئے گئے۔ ان کی مقدار بڑی جلیل ہے اور وہ نعمتیں آپ کو عطا کی گئیں جن کا ادراک نہایت دشوار ہے۔

لفظی تشریح

وُلِیتَ آپ کو والی بنایا گیا۔ اُولِیتَ آپ کو والی بنا کر عطا کیا گیا۔ الادراک کسی شیٔ کا احاطہ کرنا۔ ذاتی طور پر یا صفاتی طور پر۔ المقدار وہ آلہ جس سے کمیّت و کیفیت کا انداز لگایا جاتے الرتب جمع ہے رتبۃ کی۔ النعم جمع ہے نعمۃ کی۔

معنوی تشریح

کہا گیا ہے کہ پہلا مصراع فاوحی الی عبدہ ما اوحی کی طرف اشارہ ہے۔ اور دوسرا مصراع لقد رای من اٰیات ربہ الکبریٰ سے عبارت ہے۔ آیات کی تفخیم میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ افہام (ذہن یا عقول) ما اوحی کی تفسیر کی تفصیل سمجھنے سے حیران (قاصر) ہیں، کیونکہ افہام آیات کبری کی تعیین میں سرگرداں ہیں۔

(۱۱۰۶) بُشْرٰی لَنَا مَعْشَرَ الْاِسْلَامِ اِنَّ لَنَا
مِنَ الْعِنَایَةِ رُكْنًا غَیْرَ مُنْهَدِمِ

مژدگانی باد مارا اے مسلماناں کہ ماں
از عنایت ہست رکنے کاں بود دور از ہدم

اے مسلمانو! یہ خوشخبری ہے اپنے واسطے
ایک ستون ایسا ملا مضبوط از فضل و کرم

ترجمہ: اے معشر اسلام! ہمارے لیے خوشخبری ہے کہ ہمیں بطور عنایت وہ رکن عطا کیا گیا جو منہدم ہونے والا نہیں ہے۔

لفظی تشریح

بشریٰ یہ مصدر ہے۔ اور اس سے ایسی خوشی مراد ہے جو چہرے کی حالت کو بدل دے۔ (چہرے پہ خوشی کے آثار ظاہر ہوں۔) وہ اچھی حالت اور نیک پر رونق صورت ہوتی ہے۔ معشر الاسلام کو نصب بطور اختصاص ہے۔ جیسے کہ حضور نے فرمایا: نحن معاشر الانبیاء لا نورث۔ (ترجمہ) ہم انبیاء کا گروہ وارث نہیں ہوتے۔) بعض نے کہا: یہ منادی ہے (منادی مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے) اِنَّ مکسورہ برائے تعلیل (سبب بیان کرنے کے لیے) ہے۔ عنایۃ سے مراد وہ الطاف خفیہ ازلیہ مراد ہیں جو دائمی اور واضح سعادت کا سبب بنتے ہیں۔ رکن۔ کسی شئے کا رکن اس کا ایسا جزو اور ایسا مرجع ہے جس پر وہ اعتماد کرتا ہے۔

معنوی تشریح

اقبال مندی اور سعادت کی صبح (طلوع ہونے) کی تاثیر سے بشارت خوشی اور جلال سے روشن ہوئی۔ اور معاشر الاسلام کی اقوام عرب اور عجمی جماعتیں کے لیے پھیل گئی۔ اور اس کو رکن رکین اور پختہ اور تاقیامت اس کو دین ناسخ و راسخ کے نام سے مخصوص ہو گیا۔

(۱۱۷) لَمَّا دَعَا اللّٰهُ دَاعِيْنَا لِطَاعَتِهٖ
بِاَكْرَمِ الرُّسْلِ كُنَّا اَكْرَمَ الْاُمَمِ

چوں خدا مارا بطاعت خواند لفرستاد او
بہتر پیغمبراں گشتیم ما خیر الامم

جب کہ ان کو حق نے خود خیر الرّسل فرما دیا
طاعتِ حق کے سبب ہم ہو گئے خیر الامم

ترجمہ: جب اللہ نے اپنی اطاعت کی طرف ہمیں بلانے والے نبی کو اکرم الرسل (سب رسولوں سے بزرگ) کے لقب سے پکارا تو ہم اکرم الامم (سب امتوں سے بزرگ) ہوے۔

لفظی تشریح

دعا پکارنا۔ نام رکھنا۔ دعا کا فاعل اللہ ہے۔ داعینا اس کا مفعول بہ ہے۔ (قانون
کے مطابق داعی کی یاء کو بصورت مفعول نصب آنا چاہیئے۔ مگر) یہاں یاء کا سکون ضرورت
کی وجہ سے ہے اور ایک قوم کے نزدیک بعض اوقات بغیر ضرورت بھی آجاتا ہے مثلاً
اعط القوس باریہ لطاعتہ داعینا کے متعلق لطاعتہٖ میں لام (حرفِ جار) بمعنی الی
ہے۔ اور اس میں ضمیر کا مرجع اللہ کی طرف ہے۔ باکرم الرسل (جار مجرور) دعا کے متعلق
ہے۔ الرسل۔ رسول کی جمع۔ بسکون سین۔ یہ ایک لغت ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ
داعینا فاعل سے بدل ہے۔ اور لطاعتہ دعا کے متعلق ہے اور ایسے ہی باکرم الرسل

ہے، کیونکہ آپ ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطہ ہیں۔

معنوی تشریح

کنا اکرم الامم کا معنی یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ باکرامت امت ہیں کیونکہ امت کا شرف اس کے نبی کے شرف کی وجہ سے ہے۔ قرآن پاک میں ہے: کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالی گئی ہو۔

ناظم نے یہاں ایک ہلکا سا اشارہ بھی کیا ہے۔ وہ یہ کہ امت کا سب سے بہترین ہونے کی صفت سے موصوف ہونے کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ایسی امت کا رسول بھی اکرمیت کی صفت سے موصوف ہوگا، لیکن ناظم نے اس استدلالی قضیہ کو رسالت کے بلند مرتبہ مصطفوی، مرتضوی کی تکریم کی خاطر معکوس کر دیا، کیونکہ ہمارا بہترین امت ہونا آپ کے فضائل میں سے ہے کیونکہ معقول و مشروع تقاضے کے مطابق تابع کی عزت متبوع کی عزت کے باعث ہے۔

جب ناظم قصۂ معراج اور اس کے متعلق باتوں (جیسے وصال کا حاصل ہونا اور آرزوؤں کا پورا ہونا) سے فارغ ہوتے تو انھوں نے آپ کی غزوات، شجاعت۔

جہاد کے مجاہدہ اور اہل کفر و عناد اور کجرو اور فاسدین کے دفاع میں جو بڑی بڑی تکالیف برداشت کیں ان کا بیان شروع کیا۔

(۱۱۸) رَاعَتْ قُلُوْبَ الْعِدٰی اَنْبَاءُ بِعْثَتِہٖ
كَنَبْاَۃٍ اَجْفَلَتْ غُفْلًا مِّنَ الْغَنَمِ

دشمناں را دل بہ ترسانید اخبارِ رسولؐ
ہمچوں آوازے کہ ناگہ بر جہانید سے غنم

سن کے بعثت کی خبر تھرّا گئے اعدا کے دل
شیر کی آواز سے جیسے ڈرے غافل غنم

ترجمہ : حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبروں نے دشمنوں کے دلوں کو خوفزدہ کر دیا جیسے کہ شیر کی گرج بکریوں کے ریوڑ پر کپکپی طاری کر دیتی ہے۔

لفظی تشریح

الروع ڈرانا۔ العدی اسم جمع عدو کی۔ انباء جمع نبا کی۔ ایسی خبر جو ذی شان ہو۔ البعثۃ رسالت۔ النباۃ شیر کی گرج۔ الاجفال دشمن کو کپکپا دینا۔ لرزہ طاری کرنا۔ اضطراب پیدا کرنا۔ غُفُلٌ جمع غافل کی۔ جیسے بُزُلٌ جمع بازلٌ کی۔

معنوی تشریح

حضور کی نبوت کی اخبار اور آپ کی رسالت کے آثار نے کفار اور مشرکین میں دشمنوں کے دلوں کو یوں ڈرایا۔ جیسے شیر کی گرج (دھاڑ) غافل ریوڑوں کو ڈرا دیتی ہے کیونکہ وہ کپکپانے لگتے ہیں اور اس کی آواز سے بھاگ جاتے ہیں بغیر اس کے حملہ کیے۔

ناظم نے غافلہ کی قید اس لیے لگائی ہے کہ (اس بیان کی، ہیئت میں تاثیر زیادہ ہو۔ اور اس شعر میں صحیحین کی حدیث کی طرف اشارہ ہے : نصرت بالرعب مسیرۃ شھر۔

اور طبرانی نے روایت کیا : نصرت بالرعب شھرین۔

اس سے مراد وہ باتیں ہیں جو ابن ملقن کی شرح العمدہ میں موجود ہیں۔ اور یہیں روایت کی گئی کہ آپ نے فرمایا ۔ رعب کے ساتھ ایک ماہ میرے سامنے ایک ماہ میرے پیچھے میری مدد کی گئی ہے۔ اور اس روایت کے مطابق دائیں اور بائیں سمت کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ تو اس طرح پہلی روایت سے مُراد ہر سمت میں ایک مہینہ ہے۔

(۱۱۹) مَازَالَ يَلْقَاهُمْ فِيْ كُلِّ مُعْتَرَكٍ
حَتّٰى حَكَوْا بِالْقَنَا لَحْمًا عَلٰى وَضَمِ

چوں بہ جنگِ دشمناں رفتے بدر در جنگ گاہ
آں بدنہا بر سرِ نیزہ چو لحم اندر وضم

جنگ کے میدان میں کفار کی حالت نہ پوچھ
جسم تھے نیزوں پہ ان کے جیسے کندوں پر لحم

ترجمہ: حضور ہر معرکہ میں کفار کے ساتھ جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ کافر نیزوں پر یوں معلوم ہوتے تھے گویا کہ وہ قصاب کے پھٹے پر گوشت کی طرح پڑے ہوئے ہیں۔

لفظی تشریح

یلقاھم کی میم کو اشباع کے ساتھ پڑھیں گے۔ المعترك صیغہ مفعول کے ساتھ بمعنی معرکہ۔ حکاہ (حکایت) مشابہ ہونا۔ القنا، نیزہ۔ الوضم لکڑی کا ایسا پھٹہ جس پر قصاب گوشت کاٹ کر رکھتا ہے تاکہ مشتری اس میں رغبت کرے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ہر معرکہ، میدان اور مقام میں دشمنانِ اسلام سے جہاد کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کو نیزوں کی انیوں پر اس طرح مقتول چھوڑا کہ وہ اس گوشت کے مشابہہ ہو رہے تھے جس کو آسمان سے معلق لکڑی پر گوشت رکھا ہوا ہے۔ تاکہ وہ دیکھنے والوں کے لیے عبرت ہو اور دل لگی کرنے والوں کے سامان تفریح ہو۔

اپنے ساتھیوں کو قصاب سے تشبیہ دینا اور کفار کو غنم (بکریوں) سے۔ یہ ہر شجاعت میں مبالغہ ہے۔ اور دشمنوں کے دلوں کے کمزور ہونے پر دلیل ہے۔

(۱۲۱) وَدُّوا الْفِرَارَ فَكَادُوا يُغْبِطُونَ بِهِ
أَشْلَاءَ شَالَتْ مَعَ الْعِقْبَانِ وَالرَّخَمِ

آرزوِ شان بد گریز و غبطہ بر ندے بر آں
عضو ہائے شاں پریدے با عقاب و بارخم

جنگ کی دہشت سے ان کو بھاگنا منظور تھا
آرزو رکھتے تھے کھالیں چیل و گدھ ان کا لحم

ترجمہ: انھوں نے بھاگنے کو پسند کیا پس وہ قریب تھے کہ وہ ان اعضا پہ رشک کرتے جو عقاب اور دوسرے گوشت خور پرندے اپنے ساتھ اٹھا کر لے گئے تھے۔

لفظی تشریح: الغبطۃ نعمت حاصل کرنے کا اس طرح ارادہ کرنا جب کہ

صاحبِ نعمت سے زوالِ نعمت کا قصد نہ ہو۔ اشلاء بروزن اشیا۔ جمع مکسر ہے شِلو کی بمعنی عضو۔ شالت بلند ہونا۔ عقبان جمع عقاب کی۔ الرخمۃ، پرندے کی ایک قسم۔ یہ دونوں قسم کے پرندے مردار پر آتے ہیں اور اس میں سے کھاتے ہیں۔ اور اس میں سے اپنے بچوں کے لیے بھی اٹھا کر لے جاتے ہیں۔

معنوی تشریح

کفار نے اس سید ابرار اور سند اخیار حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے فرار ہونے کی تمنا کی جس کی خدمت کرنے کی تمنا آزاد لوگ بھی کرتے ہیں۔ پس وہ کمال نفرت اور کمزوری کے باوجود وہ اس قدر قریب ہو گئے کہ وہ ایسی باتیں حاصل کرنے کی تمنا کرنے لگے ان اعضاء کو حاصل تھیں جن کو پرندے ان کو اٹھا کر ہوا میں لے گئے تا کہ وہ سیّد الانبیاء اور صحابہ کرام کے ساتھ جنگ کرنے سے خلاصی پائیں جو کہ تمام اولیا کرام کے سردار ہیں۔ اللہ تعالے ان سب سے راضی ہو۔ امین!

(۱۲۱) تَمْضِی اللَّیَالِیْ وَلَا یَدْرُوْنَ عِدَّتَھَا
مَا لَمْ تَکُنْ مِّنْ لَّیَالِی الْاَشْھُرِ الْحُرُمِ

پس شبے بگزشت و آں را کس نہ دانستے عدد
در غزاہا چوں نہ بودے از شبِ ماہ حرم

ڈر کے مارے یوں گزر جاتی تھیں راتیں بیشمار
ہاں سوا راتوں کے جن کے ہیں مہینے محترم

ترجمہ: راتیں گذر جاتی تھیں اور کافر لوگ ان کی تعداد کو نہیں جانتے تھے جب تک کہ حرمت والے مہینوں کی راتیں نہ ہوتیں۔

معنوی تشریح

راتیں اپنے دنوں سمیت گذر جاتی ہیں اور اوقات اپنی علامات کے ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔ لیکن کفار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نبرد آزما ہونے کی تکالیف پہنچنے کی وجہ سے راتوں کی تعداد سے بے خبر رہتے ہیں سوائے اشہر حرام کی راتوں کے۔ اشہر حرم چار ہیں، رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ کفار صرف ان چار مہینوں کو جانتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ و جدال سے رک جاتے تھے۔

ناظم نے بجائے اوقات یا ایام کا ذکر کرنے کے راتوں کا ذکر کیا۔ اس میں ان کے تمام اوقات کے حال کے بُرا ہونے کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ رات کی تاریکی اور سیاہی اسی بات سے کنایہ ہے۔ یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب ان کی راتوں کا یہ عالم ہے جو کہ آرام اور استراحت کا وقت ہے تو پھر ان کے پریشان دنوں کا کیا عالم ہو گا جو کہ متنوع کدورتوں اور مختلف ضرورتوں کے باعث ان کے لیے تشویش کا سبب ہیں۔

(۱۴۲) كَاَنَّمَا الدِّيْنُ ضَيْفٌ حَلَّ سَاحَتَهُمْ
بِكُلِّ قَرْمٍ اِلٰى لَحْمِ الْعِدٰى قَرِمِ

گوئیا دیں بود مہمانی کہ او آمد فرود
بر سرائے آں کہ بد مشتاق لحم دشمنم

لشکرِ اسلام تھا مہمان ان کے صحن میں
چاہتا تھا ہر نفس مل جائے دشمن کا لحم

ترجمہ: گویا دین اسلام ایسا مہمان تھا جو ہر کافر سردار کے گھر کے صحن میں اترا۔ اور دشمنوں کا گوشت کھانے میں بہت حریص تھا۔

لفظی تشریح

القَرْم سردار۔ القَرِم گوشت کی بہت زیادہ خواہش رکھنے والا۔

معنوی تشریح

کفار پر جو مصائب آتے اس کی وجہ ان کی کمزوری تھی۔ دین اسلام کی مثال ایک ایسے بادشاہ کی ہے جو اپنے لشکر سمیت آیا۔ اور ہر لشکری اعداء کو کھانے میں حریص ہے۔ اور دشمنوں کو نظروں میں بہت بہادر اور خوفناک ہے۔

بے شک کفار جس مصیبت میں واقع ہوتے وہ صرف اپنی کمزوری کی وجہ سے واقع ہوتے

کیونکہ دینِ اسلام

ایک بادشاہ کے مجسمے کے ساتھ جس نے ایک مہمان کو اپنے گھر کے صحن میں چھوڑا۔ پس انھوں نے نہیں جانا کہ وہ کیا شئے ہے اور سرگرداں رہے۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ دین ایک ایسی شئے ہے جس کی خدمت اس کے وصول کرنے کے لیے اور اس کے حضور حاضر ہونا اور حاصل کرنے کو غنیمت جاننا ضروری ہے۔ ورنہ وہ ارباب کمال کے دلوں میں منتقل ہو جائے گا۔

اس میں اس بات ہے کہ ضمیر ضیف (مہمان) اور اہلِ ارتحال میں

سے ہے۔

(۱۴۳) يَجُرُّ بَحْرَ خَمِيْسٍ فَوْقَ سَابِحَةٍ
يَرْمِيْ بِمَوْجٍ مِّنَ الْأَبْطَالِ مُلْتَطِمِ

میکشیدے بحرِ لشکر جملہ بر اسپاں سوار
موج میزد از دلیرانے کہ رفتندے بہم

تیز رَو گھوڑوں پہ تھا وہ لشکرِ دریا مثال
جنگ کے میدان میں موجیں لگا تا دمبدم

ترجمہ: آپ صلے اللہ علیہ وسلم تیز رفتار سواریوں پر سوار ایک لشکر جرار سے نکلے جس میں بہادر دریا میں ٹھاٹھیں مارنے والی موجوں کی مانند تھے۔

لفظی تشریح

الجر کھینچنا۔ الخمیس ایسا لشکر جس کے پانچ ارکان ہوں، مقدمہ، ساقہ، قلب، میمنہ اور میسرہ۔ لشکر کو سمندر کے ساتھ تشبیہ، ہیبت، رفتار، ہلاکت اور چمک میں ہے۔ اور لشکر بعض بعض پر میدان اور ہیجان میں موج مارتا ہے۔

بڑے بڑے لشکر جنگ میں آپ کے حکم کے مطابق چلتے ہیں۔ اور آپ کے حکم سے جنگ سے رک جاتے ہیں۔ (فوق سابحۃ) یہ بجر کی صفت ہے۔ یعنے اونٹوں اور گھوڑوں پر چلنے والا گروہ ایسے ہی ترمی بموج ہے۔ (یعنی یہ بھی بحر کی صفت ہے۔ یہاں پر با، متعدی بنانے والی ہے۔ جیسے اللہ تعالے کے اس قول میں ترمی بشہو ترمی میں ضمیر بحو کی طرف یا خمیس کی طرف راجع ہے۔ سابحۃ کی طرف نہیں جیساکہ

بعض کا وہم ہے۔ الموج سمندر کی وہ کیفیت جو تلاطم اور اضطراب کے نتیجہ میں حاصل ہو۔ من یہاں پر بیانیہ ہے۔ ملتطم موج کی صفت ہے یعنی سمندر کا بعض شدت ہیجان کے ساتھ بعض کو مارنے والا ہے۔ الالتطام پہلوانوں کا ٹکرا جانا۔ مسابقہ اور ہتھیاروں کے ٹکراؤ کی ضد ہے۔ ابطال، بطل کی جمع، بہادر۔

معنوی تشریح

حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایسے لشکر کی قیادت فرماتے تھے جو پانچ ارکان پر مشتمل ہوتا اور جو سمندر کی موج کے مشابہ ہوتا۔ وہ لشکر اور ہلاکتوں کے میدان میں داخل ہونے والے گھوڑوں اور اونٹنیوں پر سوار ہو کر چلتا ہے۔ یہ سواریاں ہر تکلیف کو قبول کرتی ہیں میدان جنگ کے محل وقوع اور اوقات کی تدبیر کرتی ہیں اور زمانہ جنگ میں بوجھ اٹھا کر (منزل مقصود) تک پہنچاتی ہیں۔ یہ (لوگوں کا سمندر) سمندر تلاطم خیز موجیں مارتا ہے۔

(۱۲۴) مِنْ كُلِّ مُنْتَدِبٍ لِّلّٰهِ مُحْتَسِبٍ
يَسْطُوْ بِمُسْتَأْصِلٍ لِّلْكُفْرِ مُصْطَلِمِ

جملہ از بہرِ خدا در کار بودند و غزا
بیخ کفر از بُن بکندند نیست کردند آں شیم

اجر کی امید والے دعوتِ حق کے مرید
کفر کی بنیاد کو کرتے تھے بالکل کالعدم

ترجمہ: وہ نوجوان اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہیں اور ثواب کی امید کرتے ہیں۔ ان میں

سے ہر ایک کفر کو ہلاک اور جڑ سے اکھیڑنے کے عزم سے حملہ کرتا ہے۔

لفظی تشریح

کہا جاتا ہے: ندبہ، اس نے پکارا۔ و انتدب اور اس سے جواب دیا۔ علامہ جلال الدین محلی نے فرمایا ہے کہ منتدب دال پر زبر کے ساتھ ہے۔ اس کا معنی ہے مدعو (جسے پکارا جائے) پس وہ غیر محل میں ہے۔ شیخ زکریا نے اس کو غریب جانا۔ جب کہ انھوں نے تعقب کے طور پر اس کی اتباع کی۔ قاموس میں ہے: ندبہ الی الامر اس کو پکارا۔ برانگیختہ کیا اور اس کو اکسایا (وغیرہ معانی ہیں) اور انتدب اللہ لمن جزع فی سبیلہ یعنی جو اللہ تعالٰی کے راستے میں جزع کرتا ہے اللہ تعالٰی نے اس کی دعا وغیرہ کو بخشش کے ساتھ قبول کیا۔ الاحتساب: ثواب طلب کرنا۔ اور نیت حاصل کرنے میں کوشش کرنا۔ اور اخلاص اور اجر کا حساب حاصل کرنا۔

للہ بعض نے کہا ہے کہ اس کا تعلق محتسب کے ساتھ ہے۔ اور واضح یہ بات ہے کہ اس کا تعلق منتدب کے ساتھ ہے، کیونکہ اس کے ساتھ اس کا مخصوص ہونا بدلیل احتساب ہے۔ بخلاف انتداب کے۔ اور اس میں تنازع کا بھی احتمال ہے۔

یسطو حملہ کرنا۔ استاصلہ۔ جڑ سے اکھیڑنا۔ اصطلم ہلاک کرنا۔ "من کل" یہ کلمہ یا تو من الابطال کا بدل ہے یا اس کا بیان ہے۔ اور یہی وجہ سب سے بہتر ہے۔ یہ شعر ان نوجوانوں کی بلند آرزوں اور قیمتی مقاصد کے وصف میں کہا گیا ہے جیسے کہ پہلا شعر تعداد کی کثرت اور افراد کی عمدگی اور مدد کی غائت و نہایت کے لحاظ سے جیش کے وصف میں کہا گیا ہے۔

معنوی تشریح: وہ ماہر نوجوان، گمراہوں کے نوجوانوں میں موجود ہیں۔ اور

وہ سب کامل رغبت کے ساتھ دعوت کو حقیقی طور پر قبول کرنے والا ہے اور شامل ثواب کی وجہ سے اخلاص نیت کے ساتھ کوشش کرنے والا ہے۔ ہر ایک اللہ تعالےٰ کی قوت سے حملہ کرتا ہے اور چکر لگاتا ہے۔ وہ چکر لگاتا ہے اس طرح کہ ملتبس ہو کر کفر اور کفار کو جڑ سے اکھیڑتا ہے اور جنگ کے ہتھیار تلوار اور نیزے کے آلات کے ساتھ باطل کو اس کی اصل ونسل سے ہلاک کرنے والا ہے۔

(۱۲۵) حَتّٰى غَدَتْ مِلَّةُ الْاِسْلَامِ وَهِيَ بِهِمْ
مِنْ بَعْدِ غُرْبَتِهَا مَوْصُولَةَ الرَّحِمِ

تاقوی شد ملتِ اسلام از سعی ہمہ
دیں در اول بد غریب وشد در آخر محترم

دینِ حق یوں ان کے دم سے آخرش ظاہر ہوا
مل گئے بچھڑے ہوئے اور ہوگئی غربت بھی کم

ترجمہ: حتی کہ ملتِ اسلامیہ اپنی اجنبیت (غربت) کے بعد اقربا سے مل گئی حالانکہ وہ پہلے بھی انھیں میں سے تھی۔

لفظی تشریح

حتی یہ حرف جر کی غایت کے لیے ہے۔ (وھی بھم) یہ جملہ حالیہ ہے۔ اور موصولۃ الرحم یہ غدت کی خبر ہے۔ الرحم بمعنی قرابت۔ صلہ الرحم قریبی رشتہ داروں کی رعایت کرنا انعام دینے سے یا زیادہ عطا کرنے سے یا ان سے

کوئی عہد وپیمان کیا یا ان کو تلاش کیا (ان کا حال احوال دریافت کیا) یا ایسی کوئی چیز ان کو دی جس کی ان کو ضرورت ہے۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛ آپس میں صلہ رحمی کرو۔ اگرچہ سلام کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ من بعد۔ یہ غدت کے متعلق ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم بڑے اور چھوٹے لشکروں کو کھینچتے رہے۔ (قیادت فرماتے رہے) اور گھوڑوں اور سواریوں سے سفر طے کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ملت اسلام اس طرح ہو گئی کہ شدت جنگ اور بار بار کے حملے بھی ان کے درمیان مفارقت نہ کر سکے۔ حالانکہ وہ ملت اسلامیہ آپس میں ملتبس ہے۔ یہ امت کمزور اور اجنبی ہونے کے بعد صاحب شوکت اور مددگار بن گئی۔ اور یہ کہ غربت اور وصل سے مراد جو اس مقام کو لازم ہے وہ اہانت اور اکرام ہے۔

اس شعر میں حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کی طرف اشارہ ہے؛ "اسلام غریب ہو کر شروع ہوا۔ اور عنقریب غریب کی طرف لوٹ جائے گا۔ پس مبارک ہے غرباء کے لیے" اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

یعنی اسلام آیا اور ایسی قوم کے درمیان ظاہر ہوا جو اس کو قائم نہیں رکھ سکتی تھی پس وہ (اس طرح) مقطوع الرحم تھی۔ پھر اسی کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا؛ تو پھر انھوں نے صلہ رحمی کی۔ اور اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا۔

(۱۲۶) مَكْفُولَةً أَبَدًا مِّنْهُمْ بِخَيْرِ أَبٍ
وَخَيْرِ بَعْلٍ فَلَمْ تَيْتَمْ وَلَمْ تَئِمِ

دیں از ایشاں یافت بہتر شوہر و بہتر پدر
زاں نشد در بیوگی و ہم نماند در یتم

جیسے مل جائے کسی کو نیک شوہر اور پدر
بیوگی کا اور یتیمی کا اُسے پھر کیا ہو غم

ترجمہ: (وہ ملت) کفار کے شر سے محفوظ ہو گئی بہ سبب بہترین باپ اور بہترین خاوند کے۔ پس اب (وہ ملت) نہ تو یتیم ہو گی اور نہ ہی بیوہ۔

معنوی تشریح

مکفولة یہ غدت کی دوسری خبر ہے۔ یا یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے جو ھی ہے۔ مکفولة بمعنی محفوظة ہے۔ اس معنی کی صورت میں منھم میں جمع کی ضمیر کا مرجع کفار ہیں یا بمعنی متکلفة اس صورت میں ضمیر نیک نوجوان (ابطال ابرار) کی طرف راجع ہے۔

ایک نسخہ میں منھم کی بجائے منہ (یعنی جمع کی بجائے واحد کی ضمیر ہے) ہے پس ایسی صورت میں ضمیر نبی مختار صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ أبٌ اور بَعْلٌ سے ناظم قصیدہ کی مراد سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کے بعد خلفاء راشدین ہیں۔ ان کے بعد علماء مجتہدین اور امرائے مجاہدین مراد ہیں۔ کہا جاتا ہے: یتم الولد جب کہ بچے کا والد فوت ہو جاتے اور وہ چھوٹا ہو۔ اور آمت المرأة سے فعل مضارع ییم جیسے باع یبیع باب ضرب یضرب۔ جب وہ (عورت) اپنے خاوند سے چھوٹ جاتے۔ ناظم نے جو ابداً کہا ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ نسخ اور تبدیل سے محفوظ ہے۔

معنوی تشریح

ملتِ اسلامیہ محفوظ ہو گئی۔ پس اللہ کی کفالت حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ اس طرح کہ ایک مشفق مربی اس کو اپنی فصیل اور ایک نرمی کرنے والا قائم رہنے والا اپنی حمائت میں رکھے گا بلکہ وہ ہمیشہ اولی الامر اولوالعلم جو کہ اصحابِ عدل، کرم اور حلم ہیں ان کے ساتھ مربوط ہیں اور جلیل بادشاہ (اللہ تعالے) کی حمایت کے ساتھ محفوظ ہے۔ پس بہترین کفیل اور بہترین وکیل ہے۔

(۱۲۷) هُمُ الْجِبَالُ فَسَلْ عَنْهُمْ مُّصَادِمَهُمْ
مَا ذَا رَاٰی مِنْهُمْ فِیْ کُلِّ مُصْطَدَمِ

کوہ ہا بودند ازاں کو درنبرد آمد بہ پرس
تا بگویند انچہ دیدستند از ایشاں در صدم

تھے وہ مثل کوہ پوچھو دشمنوں سے ان کا حال
کچھ اگر دیکھا ہے ان کو شامل جنگ و صدم

ترجمہ: وہ (لشکر ثبات و وقار میں) پہاڑ ہیں۔ ان سے ٹکرانے والوں کا حال کافروں سے پوچھ کہ انھوں نے مسلمانوں سے ٹکرا کر ہر معرکہ میں ان سے کیا دیکھا۔

لفظی تشریح

هم الجبال یہ تشبیہ بلیغ کی قسم میں سے ہے۔ جیسے زید الاسد میں ہے۔ اس میں وجہ شبہ ثابت قدمی، (بغیر کسی قرار کے فرار ہونا)، صلابت عظمت، معدفی ہیبہ،

مصادمت و مقارعت ہے۔ مصطدم یہ مصدر ہے یا اسم مکان یا زمان ہے۔ ماذا رأدا بدل ہے۔

معنوی تشریح

شعر میں منھم بالاشباع پڑھا جائے گا۔ فسل میں فاء شرط محذوف کا جواب ہے۔ اس کی تقدیر یوں ہے: ان لم تصدقنی فاسئل عنھم۔ اگر تو میری تصدیق نہیں کرتا تو ان سے پوچھ لے ان کا گرنا۔ کیونکہ پہاڑ سے گرنے والا ٹکرانے والا ٹوٹ جاتا ہے اور ہلاک ہو جاتا ہے یا پیچھے رہ جاتا ہے تو فوراً شکست کھا جاتا ہے۔ ان (کفار) سے پوچھو کہ انھوں نے کیسے مردوں کو دیکھا؟ یعنی شدت و صبر میں، محنت و شکر میں ہر حرکت اور حرکت کے زمانہ میں وہ جیالے نوجوان ہیں۔

ایک نسخہ میں مَصادم میم کے فتحہ کے ساتھ اور ماذا رأی بصیغہ مفرد ہے، تو اس صورت میں مصادم معنی مواضع حرب (جنگ کی جگہیں) ہے۔ اور رأی بصیغہ مفرد کا معنی ہوگا ان میں سے ہر ایک نے اپنی اپنی جگہوں کو دیکھ لیا۔ اور یہی زیادہ مناسب ہے۔ اگلا شعر عطف تفسیری کے طریقہ پر ہے۔ یا وہ از قبیل عطف الخاص علی العام ہے۔

(۱۲۸) فَسَلْ حُنَيْنًا وَّسَلْ بَدْرًا وَّسَلْ اُحُدًا
فُصُوْلَ حَتْفٍ لَّهُمْ اَدْهٰى مِنَ الْوَخَمِ

از حنین و بدر دیگر از احد میکن سوال
تا بخوانند فصلہائے مرگِ ادہٰی از وخم

پوچھ تُو بدر و حنین و احد سے بھی ان کا حال
موت کے اقسام ہرگز تھے وبا سے کچھ نہ کم

ترجمہ: غزوہ حنین، غزوہ بدر اور غزوہ احد کے مقامات سے (ان کا) حال پوچھ (جبکہ) کافروں کے لیے موت کی ایسی فصلیں موجود تھیں۔ جو ان کے لیے وبا سے بھی زیادہ اذیت ناک تھیں۔

لفظی تشریح

حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ بدر مکہ اور مدینہ کے درمیان [illegible] ہے۔ اُحُد مدینہ منورہ کے قریب ایک پہاڑ ہے۔ فصول بدل ہے یا خبر مبتدا محذوف کی ہے۔

معنوی تشریح

[illegible] جگہوں کے متعلق ان لوگوں سے پوچھو۔ جو اس زمانہ کے واقعات پر مطلع ہوئے، کیونکہ ان زمانوں میں دشمنوں کو مختلف قسم کی ہلاکتیں اور مصیبتیں جو کہ وبا سے بھی زیادہ سخت تھیں، پائی گئیں۔

ان غزوات کی تفصیل سیر کی کتابوں میں مسطور ہے اور بعض تفسیر کی کتابوں میں بھی مذکور ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ احد کا ذکر نامناسب ہے، کیونکہ اس میں شکست بھی مذکور ہے، تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ بہادری تو شکست کے وقت ثابت قدمی اور تحفظ کی وجہ سے معلوم ہوتی ہے۔ اور مسلمانوں کا حال کفار کے حال سے زیادہ قوی ہے، کیونکہ بعض ہزیمت (میں مسلمان)، ثابت قدم رہے۔ یہاں تک کہ کفار خائب و خاسر اپنے شہر

کولوٹ گئے۔ اور وہ

اللہ تعالیٰ کی مدد سے قادر نہ ہوتے۔ اور یہ بہتر ہے کہ یوں کہا جاتے۔ اگرچہ وہ مسلمان ابتدا میں غالب آگئے تھے۔ پھر وہ اپنے غنائم میں متفرق ہو گئے۔ اور مسلمانوں نے مراکز اور قرار کی جگہوں کو چھوڑ دیا، تو کفار نے فرار کے بعد داؤ حیلہ کیا۔ اور وہ پیچھے سے داخل ہو گئے تو قتال واقع ہوا سو ہوا۔

اس کے باوجود حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو تحفظ کے ساتھ ثابت قدم رکھا۔ اور ان کے استیصال سے خلاصی دی، تو اس طرح غلبہ اولاً آخراً، ظاہراً و باطناً مسلمانوں ہی کا ہے۔ الحمد للہ علےٰ ذالک۔

(۱۲۹) اَلْمُصْدِرِی الْبِیْضِ حُمْرًا بَعْدَ مَا وَرَدَتْ
مِنَ الْعِدٰی کُلَّ مُسْوَدٍّ مِّنَ اللِّمَمِ

سرخ کردندے بخونِ دشمناں شمشیر را
چوں فرو شد در سیاہی ہر سرِ مُو از لمم

یوں سپیدی سُرخ روئی سے بدل جاتی تھی سب
زخم کھا کر جب ہوا کرتے تھے ان کے سر قلم

ترجمہ: وہ نوجوان مسلمان چمکدار سفید تلواروں کو (دشمنوں کے خون کے گھاٹ میں) ان کے خون سے سرخ کرنے والے تھے۔ وہ دشمن جن کی کنپٹیاں سیاہ تھیں یعنی وہ جوان تھے۔

لفظی تشریح

اصدر گھاٹ سے نکالنا۔ اورد داخل کرنا۔ ورد داخل ہونا۔ ما مصدریہ ہے۔ مصدری بیض کی طرف مضاف ہے۔ اس وجہ سے اس کا نون ساقط ہوگیا۔ (اصل میں جمع مذکر سالم اسم فاعل کا صیغہ تھا)۔ اور وہ بتقدیر مدح منصوب ہے۔ البیض صیقل شدہ تلواریں۔ اس کو نصب پڑھنا بھی جائز ہے جیسے پڑھا گیا۔ والمقیمی الصلوٰۃ نون کو برائے تخفیف حذف کیا گیا۔ حمر ا۔ یہ بیض سے حال واقع ہو رہا ہے۔ یعنی خون کے ساتھ آلودہ ہیں من العدی یہ ومن البیض سے حال ہے۔ اور یہ وردت کا مفعول ہے۔ ومن اللمم یہ مسود کا بیان ہے۔ لمم جمع لمّۃ کی ہے۔ وہ بال جو کندھے تک لٹکے ہوتے ہیں اور مراد ان کے اگنے کی جگہ ہے۔

معنوی تشریح

اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کفار میں سے جو مقتول ہیں۔ ان میں سے اکثر نوجوان ہیں۔

(۱۳۰) وَالْکَاتِبِیْنَ بِسُمْرِ الْخَطِّ مَا تَرَکَتْ
اَقْلَامُھُمْ حَرْفَ جِسْمٍ غَیْرَ مُنْعَجِمِ

می نوشتندے بہ نیزہ خطّ سرخی بر بدن
حرف جسمے بے نقط نہ نوشتہ بودے از قلم
دشمنوں کے جسم کو بے زخم چھوڑا ہی نہیں
کارفرما اس طرح تھے ان کے نیزوں کے قلم

ترجمہ: وہ مسلمان گندم گوں رنگ کے نیزوں کے ساتھ لکھنے والے تھے اور ان کے قلموں نے جسم کا کوئی حصہ بغیر کسی نشان کے نہیں چھوڑا۔

لفظی تشریح

الکاتبین المصدری پر عطف ہے۔ یعنی گندم گوں نیزوں کے ساتھ سرکش کرنے والے۔ وہ نیزے ہیں۔ سمی جمع ہے اسمر کی۔ سمر اس کا ایک درخت ہے۔ بعض نے کہا کہ سمر بیامر میں ایک جگہ کا نام ہے۔ جہاں ہند سے سامان ضرورت سے جایا جاتا ہے۔ وما ترکت اقلامھم اقلام سے مراد ان کے تیر اور نیزے ہیں۔ حرف جسم کفار کے جسم کا ایک حصہ۔ غیر منجم بغیر کسی نشان کے۔ غیر بطور حرف کی صفت کے منصوب ہے۔ اور غیر مجرور ہونے کی صورت میں جسمٍ کی صفت ہے۔ جملہ منفیہ (ما ترکت ..... معجم) اقلامھا کی روایت کے مطابق سمر الخطّ سے حال ہے اور اس بات کا بھی احتمال ہے کہ یہ نیا جملہ ہو اور ما موصولہ بمع اپنے صلہ الکاتبین کا مفعول ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے۔

معنوی تشریح

ان دونوں شعروں میں عبارت و اشارت کے لطائف و ظرائف مخفی نہیں ہیں۔ ان کا معنی یہ ہے کہ اہل عقل و دانش صحابہ کرام اپنی سفید تلواریں دشمنوں کے سروں پر مارتے ہیں اور ان کے خون سے سرخ رنگ دے کر ان تلواروں کو نکال لیتے ہیں۔ اور نہ ٹوٹنے والے نیزوں کے قلموں سے ان کے چہروں کے اوراق پر ان کی نامرادی ان ہی کے سرخ خون سے رقم کرتے ہیں۔ اور ان قلموں کی تحریر سے کوئی جسم اور بال اگنے کی جگہ محفوظ نہیں رہ جاتی۔

(۱۳۱) شَاكِي السِّلَاحِ لَهُمْ سِيمَا تُمَيِّزُهُمْ
وَالْوَرْدُ يَمْتَازُ بِالسِّيمَا مِنَ السَّلَمِ

آں کماں سنجاں کہ سیما شاں بریں ممتاز بود
گل برنگ و مُوئے خود ممتاز گردد از سلم

گو مسلح تھے مگر رکھتے تھے سجدے کے نشان
تھے صحابہؓ مثلِ گل کفّار مانندِ سلم

ترجمہ : مسلمان ہتھیاروں سے لیس ایسی امتیازی شان کے مالک تھے جیسے گلاب ببول کے درخت سے ممتاز ہوتا ہے۔

لفظی تشریح : المُصْدِی الْبِیْضِ موصوف اور شاکی السلاح صفت ہے، یا اول الذکر مبدل منہ اور مؤخر الذکر بدل ہے، یا اول الذکر ذو الحال اور مؤخر الذکر حال ہے، یہ الشوکۃ سے قلب کرکے اسم فاعل بنایا گیا ہے۔ اَلسِّیْمَا علامت۔ اَلسَّلَمُ ببول جو کہ گلاب کے مشابہ ہوتا ہے۔ لیکن گلاب کا حسن منظر اور خوشبو اسے ببول سے ممتاز کر دیتی ہے۔

معنوی تشریح

مسلح، طاقتور اور بہادر اور نیک سیرت مسلمان کفار کے مقابلے میں بڑے سخت لیکن آپس میں ایثار پیشہ، متواضع، کریم اور رحمدل ہوتے ہیں۔ ان کے احباب ان کی عمدہ نشانیوں سے انھیں اعدار سے ممتاز کر لیتے ہیں جیسے گلاب ببول سے ممتاز ہوتا ہے۔

خداوند قدوس فرماتا ہے:

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود (ان کی نشانی ان کے چہروں میں سجدوں کے اثرات ہیں۔

(۱۳۲) تُهْدِی اِلَیْكَ رِیَاحُ النَّصْرِ نَشْرَهُمْ
فَتَحْسَبُ الزَّهْرَ فِی الْاَكْمَامِ كُلَّ كَمِی

میرساند باد نصرت بر تو بوے سعی شاں
چوں بہار اندر سر غنچہ بود ثابت قدم

بوئے نصرت جب صبا لائے تو یہ سمجھے گا تو!
مثل غنچوں کے غلافوں میں تھے وہ عالی ہمم!

ترجمہ: فتح ونصرت کی ہوائیں ان کی خوشبو تجھ تک اس انداز میں پہنچاتی ہیں کہ تو ان میں سے ہر زرہ پوش بہادر کو غلافوں میں شگوفہ گمان کرنے لگتا ہے۔

لفظی تشریح

نَشْرُهُمْ کے میم کے ضمّے کو بالاشباع پڑھا گیا ہے۔ تَحْسِبُ اور تَحْسَبُ دونوں درست ہے۔ اَلْاِهْدَاءُ ہدیہ ارسال کرنا ہے۔ رِیَاحُ النَّشْرِ سے مراد اس کی برکات اور ثمرات ہیں بعض اوقات ریاح سے مراد مصائب بھی ہوتے ہیں شاعر کہتا ہے۔

أَذَا هَبَّتْ رِيَاحُكَ فَاغْتَنِمْهَا
فَعُقْبَىٰ كُلِّ عَاصِفَةٍ سُكُوْنُ

جب تجھ پر مصائب آئیں تو انھیں غنیمت جان کیونکہ ہر آندھی کا انجام سکون ہوتا ہے۔

اور نشرھُم سے مراد ان کی عمدہ خبریں ہیں۔ اَکْمَامُ جمع کِمٌّ کی ہے یعنی غلاف۔ کَمِیٌّ شجاع۔ اس کو کم ضرورت شعری کی وجہ سے کر دیا گیا ہے۔ فتحسب الزهر تشبیہ مقلوب ہے یعنی تو ہر ایک ذرہ پوش بہادر کو غلاف کے اندر پھول گمان کرے گا۔

معنوی تشریح

اس شعر میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے جب بھی تجھے ہوا میں خوشبو محسوس ہو تو جان لے کہ یہ ان کی طرف سے آنے والی ہوا ہے۔ کل کمی کو تحسب کا مفعول اول اور ما قبل کو مفعول ثانی بھی کہا گیا ہے وہ پھول جو غلاف کے اندر ہو وہ بہت حسین اور اس کی خوشبو بہت عمدہ ہوتی ہے۔

(۱۳۳) کَاَنَّهُمْ فِیْ ظُهُوْرِ الْخَیْلِ نَبْتُ رُبًا
مِنْ شِدَّةِ الْحَزْمِ لَا مِنْ شِدَّةِ الْحُزُمِ

گوئیا بر پشتِ اسپاں چوں درخت پشتہ کوہ
ز استواری بود در دین نہ ز کثرت در نسم

تھے وہ گھوڑوں پر سوار ایسے کہ ٹیلوں پر درخت
زین کی پروا نہ تھی ان شہسواروں کو بھم

ترجمہ: مسلمان شہسوار گھوڑوں پر ایسے جم کر بیٹھتے ہیں جیسے ٹیلے پر گھاس۔ اس کی وجہ ان کا فن شہسواری میں طاق ہونا ہے نہ کہ تنگ کا خوب کسے ہوتے ہونا ہے۔

لفظی تشریح

اَلرُّبَا۔ دَبْوَۃِ کی جمع ہے یعنی ٹیلہ۔ شِدَّۃُ الحَزْمِ۔ شدت احتیاط اور قوت ثبات۔ الحُزُمِ۔ حِزَامٌ کی جمع ہے جس سے زین وغیرہ باندھی جاتی ہے یعنی تنگ۔

معنوی تشریح

ٹیلے کی گھاس کی جڑیں پانی تک گہری ہوتی ہیں اس لیے وہ گھاس ٹیلے پر بڑی مضبوطی سے قائم رہتی ہے۔ ناظم نے مجاہدین اسلام کے گھوڑوں پر جم کر بیٹھنے کو ٹیلے کی گھاس سے تشبیہ دی ہے۔ اور اس غلط فہمی کا ازالہ بھی کر دیا کہ ایسا تنگ کے خوب کسے ہوتے ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ فن شہسواری میں ان کی مہارت ہے۔

(۱۳۴) طَارَتْ قُلُوْبُ الْعِدٰی مِنْ بَاْسِهِمْ فَرَقًا
فَمَا تُفَرِّقُ بَیْنَ الْبَهْمِ وَالْبُهَمِ

لرزہ بر دلہائے کفار اوفتاد از ترس شاں
چارپائے و آدمی نشناختند از ترس و غم

ہوش غائب تھے عدو کے سختیوں سے جنگ کی
فرق کر سکتے نہیں تھے سورما ہے یا غنم

ترجمہ: دشمنوں کے دل مسلمانوں کی بہادری کی وجہ سے نہایت خوفزدہ ہوتے۔ پس وہ (دل) انسان اور چارپائے کے درمیان کوئی فرق نہیں کر پاتے تھے۔

لفظی تشریح

فَرَقًا بفتحتین۔ از روئے خوف اور گھبراہٹ کے۔ طیران کی جو نسبت قلوب کی طرف ہے۔ یہ کلمہ اس کی تمیز ہے۔ اَلْبَہْمُ با پر زبر اور ھا پر جزم۔ یہ بَہْمَۃٌ کی جمع ہے۔ وہ بکری کے بچے کو کہتے ہیں۔ مراد چوپائے۔ اَلْبُہَمُ با پر پیش پر ھا پر زبر۔ جمع بُہْمَۃٌ کی ضمہ اور سکون کے ساتھ یعنی بہادر۔

معنوی تشریح

دشمنوں کے دل مضطرب ہو گئے۔ اور جنگ میں مسلمانوں کی بہادری (سختی) کی وجہ سے خالی ہو گئے۔ یہاں تک کہ مذکورین کے درمیان کوئی تمیز نہیں کی جا سکتی۔ اور نہ ہی مسطورین کے درمیان کوئی فرق کیا جا سکتا ہے، کیونکہ ان کی نظر صرف ظاہر پر

محصور ہے۔ وہ (ظاہری) گندگی اور طہارت کو جانتے ہیں۔ البتہ مسلمانوں کی نظر بڑی باریک بین ہے جو مناسب معنی کے ساتھ مقرون ہے۔ وہ حق و باطل میں فرق کرتے ہیں، اور حق پرست اور باطل پرست کے درمیان تمیز کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دو سمندر آپس میں برابر نہیں ہیں اگرچہ وہ دونوں حیوان کی نظر میں ظاہر ہے کہ وہ دونوں مساوی ہیں۔ یہ فرات کا پانی میٹھا ہے اور دوسرا سخت نمکین ہے پس جس نے چکھا نہیں وہ جانتا نہیں۔ اور جو جانتا نہیں وہ اعتراف کس طرح کرے۔

(۱۳۵) وَمَنْ تَكُنْ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ نُصْرَتُهُ
اِنْ تَلْقَهُ الْاُسْدُ فِيْ اٰجَامِهَا تَجِمِ

ہر کہ او را از رسول اللہ نصرت آمدہ
شیر اگر بروے رسد از ترسِ او آید بہم

ہو مدد جس کو رسولِ سیدِ لولاک کی!
شیر بھی ان کو ملے جنگل میں گر مارے نہ دم

ترجمہ: جس کے ساتھ رسول اللہ کی مدد شامل ہو، اگر اس کو شیر اپنی کچھاروں میں ملیں تو اطاعت کریں۔

لفظی تشریح

النصرۃ مصدر مبنی للمفعول ہے۔ اُلْاُسْدُ ہمزہ پر پیش اور سین ساکن۔ جمع اسد کی۔ الاجام جمع اجمۃ۔ وہ جگہ جہاں سرکنڈے بہت زیادہ ہوں۔ تجم۔ تا پر فتحہ اور جیم پر

کسرہ۔ یہ وجم سے مشتق ہے بمعنی خاموش ہونا جب بھی شکست کھاتے۔ دوسری شرط اور اس کا جواب مل کر دونوں پہلی شرط کا جواب ہے۔ یہ توالی شرطین والا مشہور مسئلہ نہیں ہے کیونکہ ان میں دوسری شرط پہلی کا حال ہے اور جواب اسی کا ہے۔ جیسے ان جِئْتَنِیْ ان تادبت اکرمت تو اصل میں ہے : ان جئتنی متأدبا اکرمتك۔ یعنے اگر تم میرے پاس مؤدب ہو کر آئے تو میں تمہاری عزت کروں گا۔ اور تادب کا، آنے سے مقدم ہونا ضروری ہے۔ تاکہ آمد کے ساتھ اس کی مقارنت متحقق ہو جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: میری نصیحت تمھیں کوئی فائدہ نہیں دے گی اگر میں تمھیں نصیحت کر دوں جب کہ اللہ تعالیٰ تمھیں گمراہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

معنوی تشریح

جس کو دشمنوں کے ساتھ جنگ میں نصرت، اعانت، اور قوت سید الاحباء (اہل محبت کے سردار یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم) کی وساطت سے حاصل ہو، تو اگر ایسے انسان کو تمام شیر اپنی جولان گاہ جس کو کچھار کہتے ہیں۔ اور شیر ویسے بھی بہادری اور ہیبت ناکی میں مشہور ہیں، مل جائیں، حالانکہ وہ شیر اپنی اپنی کچھاروں میں بڑے جری ہوتے ہیں۔ لیکن جب وہ ایسے فرد کو ملتے ہیں جس کو رسول اللہ کی تائید اور نصرت حاصل ہو، تو وہ اپنے حال پر پُرسکون ہو جاتے ہیں اور انجام کے خوف سے حرکت بھی نہیں کرتے۔

اس شعر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے جو محی السنۃ نے شرح السنۃ میں حضرت ابن المنکدر رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کی: "حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ روم کی سرزمین میں لشکر سے (اتفاقاً) جدا ہو گئے یا قید کر لئے گئے تھے تو لشکر کو تلاش کرتے ہوتے بھاگ نکلے تو اچانک راستے میں ایک شیر ملا۔ (شیر حملہ کیا ہی چاہتا تھا کہ) حضرت

سفینہ بولے، اے ابوالحارث! (شیر کی کنیت ہے) میں رسول اللہ کا غلام ہوں، اور میرا یہ یہ معاملہ ہے، تو شیر (خادمانہ انداز میں) آگے آیا اور ان کے پہلو میں کھڑا ہو گیا اور جب بھی کوئی آواز سنتا تو اس طرف جھپٹتا۔ پھر واپس آیا اور ان کے پہلو بہ پہلو چلنے لگا، یہاں تک کہ آپ لشکر تک پہنچ گئے۔ پھر شیر واپس آ گیا۔

صاحبِ مشکوٰۃ نے اس حدیث کو باب الکرامات میں ذکر کیا۔

(۱۳۷) وَلَنْ تَرٰی مِنْ وَّلِیٍّ غَیْرَ مُنْتَصِرٍ
بِہٖ وَلَا مِنْ عَدُوٍّ غَیْرَ مُنْقَصِمٖ

دوستانش را نہ بینی غیر منصور و عزیز
ہم نہ بینی دشمنش جز خار بگستہ بہم

دوست ان کا ہو نہیں سکتا ہے محروم مدد
اور ذلیل و خوار ہوگا دشمنِ شاہِ اُمم

ترجمہ: تو ہرگز حضور کے کسی ساتھی کو غیر منصور نہیں دیکھے گا۔ اور نہ آپ کا کوئی دشمن ایسا دیکھے گا جو عاجز نہ ہوا ہو۔

لفظی تشریح

من دونوں جگہوں میں زائد ہے۔ بہ کی ضمیر رسول اللہ کی طرف ہے الانقصام قاف کے ساتھ ایک روایت میں ہے، بمعنی انکساری و عاجزی ہے جو انفصام سے بڑھ کر ہے۔ یعنی انکساری بمع جدائی۔ اور غیر دونوں جگہوں میں مجرور بطور صفت کے ہے

اور منصوب بطور ترٰی کا مفعول ثانی ہونے کے ہے۔ اس طرح کہ رویت سے رویت قلبی مراد ہو۔ اور مرفوع اس صورت میں غیر خبر مبتدا محذوف کی واقع ہو جو کہ ھو ہے۔

معنوی تشریح

تجھے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کوئی ساتھی بھی ہرگز ایسا نظر نہیں آئے گا جو غیر منصور ہو۔ اور کوئی ایسا دشمن تمھیں نظر نہیں آئے وہ جو حالت دشمنی میں عاجز اور مقہور نہ ہو۔ بلکہ حضور کا ہر دوست غالب اور آپ کا ہر دشمن عاجز ہے۔

(۱۳۸) اَحَلَّ اُمَّتَهٗ فِیْ حِرْزِ مِلَّتِهٖ
كَاللَّيْثِ حَلَّ مَعَ الْاَشْبَالِ فِیْ اَجَمِ

امت خود را نشانده در حصار ملتش
ہمچوں شیرے کو بود با بچگاں اندر اجم

اپنی ملت سے کیا محفوظ اُمّت کو تمام
جس طرح جنگل میں رکھے شیر بچوں کو بہم

ترجمہ: آپ نے اپنی امت کو اپنی ملت کے قلعہ میں اتارا۔ جیسے شیر اپنے بچوں کو لے کر نیستان میں اترے۔

لفظی تشریح

الاحلال اتارنا۔ اشبال جمع شبل کی شیر کا بچہ۔ الاجم شیروں کے غائب ہونے کی جگہوں کے لیے جنس ہے۔ اس کا واحد اجمۃ ہے۔

معنوی تشریح

حضور سرورِ کائنات نے اپنی امتِ مرحومہ کو ملت معصومہ کے قلعہ میں اتارا۔ جیسے کہ شیر اپنی اولاد سمیت محفوظ کچھار میں اتر پڑتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے۔ کہ ملت امت کے لیے قلعے کی مانند ہے جس نے اس کو ملجا بنایا وہ آفات سے بچ گیا۔ اور اس سے منقطع ہو گیا اس نے مصیبتوں کو چھیڑا جیسے کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: لا الٰہ الا اللہ میرا قلعہ ہے۔ جو میرے قلعے میں داخل ہو گیا۔ وہ میرے عذاب سے مامون ہو گیا۔

دوسرے مصراع میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم اپنی کمال شفقت، رحمت، تادیب اور تعلیم کے باعث اپنی امت کے لیے بمنزلہ ان کے باپ کے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا: النبی اولی ... الخ نبی مسلمانوں کی جانوں سے بھی ان کے زیادہ قریب (یا بلند مرتبہ) ہے ان کی ازواج مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ ایک شاذ قرأت میں ھواب لہم۔ (وہ مسلمانوں کے باپ ہیں)۔

(۱۳۹) کَمْ جَدَّلَتْ کَلِمَاتُ اللّٰہِ مِنْ جَدِلٍ
فِیْہِ وَکَمْ خَصَمَ الْبُرْھَانُ مِنْ خَصِمِ

ہر کہ با قرآں بہ جنگ آمد بیفگندش بخاک
گفتگوئے منکر از برہانِ او گشتست کم
بارہا قرآن نے دشمن کو نیچا کر دیا
اور دلیلوں نے بھی سر کو کر دیا دشمن کے خم

ترجمہ: کلمات الٰہیہ نے آپ کی شان میں بہت جھگڑا کرنے والے سے جنگ کی اور کثیر مرتبہ خصم کے ساتھ خصومت کرنے میں غالب آتے۔

لفظی تشریح

کم خبریہ ہے۔ جدّلت تشدید کے ساتھ۔ جدال پر واقع کرنا۔ فیہ کی ھا کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اور یہ ضمیر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ خَصَّمَ خصومت میں غالب آنا۔ یہ خَاصَمْتُ زیداً فخصمتہٗ (میں نے زید سے مخاصمت کی اور غالب ہا) سے مشتق ہے۔ الجدل اور الخصم عین کلمہ کے کسرہ کے ساتھ مبالغہ کا صیغہ مبالغہ کا اور یہ دونوں مفعول ہیں۔ ان پر من زائدہ ہے۔

معنوی تشریح

کثیر مرتبہ اللہ تعالے کی آیات بینات کے کلمات نے (مخالف کے دلائل کو) قطع کیا اور غالب آئے اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اظہار نبوت اور اشعار رسالت کے لیے معارضہ کرنے میں وہ آیات یا کلمات مجادلہ اور مجاہدہ کرنے میں پیش پیش ہیں۔ کتنی ایسی کرامات ہیں جنھوں نے واضح دلائل اور ظاہر معجزات کو لازم کیا۔ جو معالجات میں شدید خصومت کرتے ہیں۔

(۱۴۰) كَفَاكَ بِالْعِلْمِ فِي الْأُمِّيِّ مُعْجِزَةً
فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَالتَّأْدِيْبِ فِي الْيُتُمِ

ایں قدر از معجزہ کافی کہ بیش از وحی او
امیّ ہر علم بود و پر ہنر اندر یتم

ہو کے امی تھے وہ عالم ہے یہ کافی معجزہ
جاہلیت اور یتیمی میں ادیب ذی حکم

ترجمہ: تجھ کو بطور معجزہ یہی بات کافی ہے کہ زمانہ جاہلیت میں امی کے پاس علم ہے اور یتیمی کی حالت میں اس کے پاس ادب ہے۔

لفظی تشریح

بَا زائدہ ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے قول وکفی باللہ شہیدًا میں ہے۔ العلم پر الف لام جنس کے لیے ہے۔ اس سے مراد فرد کامل ہے۔ اَلْاُمِّیُّ۔ اُمٌّ (ماں) کی طرف منسوب ہے۔ وہ ایسا آدمی جس نے باپ کی تربیت نہ پائی ہو یا اس لیے کہ وہ اسی صفت پر موجود ہے جس پر وہ اپنی ماں کے پیٹ سے خارج ہوا یا لکھنا پڑھنا نہ سیکھنے کو اُمّی کہتے ہیں یا اس لیے اُمّی کہتے ہیں کہ اس کو ام العرب کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ وہ ایسی قوم ہے جن پر حساب و کتاب کی عدم معرفت غالب ہے۔

التادیب یہ مجہول کا مصدر ہے اور العلم پر معطوف ہے۔ الیتم مصدر ہے اور وہ بمعنی یتیم ہے۔ جیسے عدل بمعنی عادل۔ (جیسا کہ فی الامی کے بعد معجزہ کا کلمہ کہا گیا ہے۔ ایسے ہی فی الیتیم کے بعد بھی اس کا ذکر کیا جانا چاہیے تھا)، مگر دوسری جگہ یتم کے بعد معجزہ کا کلمہ ترک کر دیا گیا، کیونکہ وہ امر جو خارق عادت ہو

معجزہ سے مراد محض وہ امر جو خارق عادت ہو۔ اگرچہ علماء نے اس کے ساتھ چیلنج کے اقتران کا بھی اعتبار کیا ہے تحدّی ایسے دعوی رسالت کو کہتے ہیں کہ جن میں رسول کو بھیجا گیا ہے ان کے معارضہ نہ ہو۔

معنوی تشریح

بے شک حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات بہت زیادہ ہیں شمار نہیں کئے جا سکتے۔ اور آپکے خوارق عادات مشہور ہیں جو کہ مخفی نہیں۔ لے مخاطب اگر تو بصرت اور ہدایت حاصل کرنے والی آنکھ سے دیکھے اور اپنی آنکھ کو نورِ توفیق کا سرمہ لگائے تو تم حضور کی ذاتِ شریفہ کو اعلےٰ صفات کے ساتھ خارق عادت ربانیہ کا محل اور معجزات سبحانیہ کا مظہر دیکھے گا۔ لے طالب! تجھیں حضور کے معجزات سے یہی کافی ہے۔ اور حضور کی خرقِ عادات سے جو آپ کی کمالِ کرامات پر دلالت کرتا ہے یہی بہت ہے کہ آپ کے پاس ایسا علم ہے جو اصول و فروع پر مشتمل ہے اور جو معقول و مسموع کو محیط ہے۔ (یہ علم ایسے آدمی کے پاس ہے) جس نے علماء سے علم سیکھا نہیں۔ اور بیوقوفوں اور جاہلوں کی کثرت کے زمانہ میں ادیبوں کے ساتھ لکھا نہیں جب کہ اس زمانہ میں سابق شرع کی تحریف ہوگئی۔ اور لاحق ہونے والی وحی بدل گئی۔

یوں ہی حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہترین عادات سے مؤدب ہونا اور اس کو کمال طور پر اپنے یتیمی، بچپن اولین تخلیق اور فطرت کی حالت میں، محنت کے ساتھ حاصل نہ کرنے کے باوجود تجھے کافی ہیں۔ بلکہ یہ سخاوتِ الٰہیہ کا فیضان ہے کہ بتوں سے آپ میں عداوت پیدا کر دی گئی۔ معصیت سے آپ کو متنفّر کر دیا گیا اور ایمان کو ان کا محبوب بنایا۔ عرفان ان کے سپرد کیا گیا۔ اور آپ مقام احسان تک پہنچ گئے۔

یہی معنی ہے حضور کے اس قول کا کہ حضور نے فرمایا: میرے رب نے مجھے ادب و علم سکھایا اور میری بہترین کارکردگی ظاہر ہوئی۔ بعض نے کہا کہ اصل عبارت یوں ہے: میرا رب میرے ہر ایک پالنے والے سے کافی ہے۔

(۱۴۱) خَدَمْتُهُ بِمَدِيْحٍ اَسْتَقِيْلُ بِهٖ ذُنُوْبَ عُمْرٍ مَّضٰى فِي الشِّعْرِ وَالْخِدَمِ

خدمتش کردم بمدحے تا نہ بخشندم گناہ
زاں کہ عمر صرف شد در گفتن شعر و خدم

نعت گوئی کی کہ اپنا خاتمہ بالخیر ہو
یوں تو ساری عمر دنیا کی خوشامد کی نہ کم

ترجمہ: میں نے قصیدہ کہہ کر آپ کی خدمت کی تاکہ میں اس کے وسیلہ سے معافی طلب کروں ساری عمر کے گناہوں کی جو عمر شعر گوئی اور ارباب دنیا کی خدمت میں گزری۔

لفظی تشریح

المدیح قصیدہ جس کے ساتھ مدح کی جائے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ مصدر ہے۔
الاستقالۃ عفو طلب کرنا۔ ناظم نے یہاں شعر سے اس کا مصدری معنی مراد لیا ہے۔ یعنی ایسی کلام لانا جو موزوں اور مقفی ہو اور اکثر ایسے کلام پر شعر کا اطلاق ہوتا ہے۔ ممکن ہے کہ یہاں پر مضاف کو مقدر مانا جائے۔ جو کہ استعمال یا تالیف ہوگا یعنی شعر کے استعمال کرنے یا تالیف کرنے میں۔

الخدم۔ بکسر الخاء۔ جمع خدمۃ کی۔ اس سے مراد مخلوق کی خدمت ہے۔ جیسا کہ

(مطلق) شعر سے شعر مذموم مراد ہوتا ہے۔ استقبل کا جملہ مدیح کی صفت واقع ہو رہا ہے یا خدمتہ کے فاعل سے حال واقع ہو رہا ہے۔

معنوی تشریح

میں (ناظم) مدح کی مدد سے حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ والہ وسلم کی خدمت کرنے سے مشرف ہوا ہوں۔ اور اسی کے سبب اپنی زندگی کی مدت میں (ساری زندگی میں) کیے گئے گناہوں کی معافی اللہ تعالے سے مانگتا ہوں جو زندگی شعر کے ساتھ لوگوں کی مدح اور خدمت کرنے میں گزری اور ان کی صحبت میں اغراض فاسدہ کے لیے ارباب دنیا کی خدمات میں ضائع ہو گئی۔

(۱۴۲) اِذْ قَلَّدَانِیْ مَا تُخْشٰی عَوَاقِبُہٗ
كَاَنَّنِیْ بِهِمَا هَدْیٌ مِّنَ النَّعَمِ

کردہ اند در گردنم عصیان و می ترسم ازاں
گوئیا با شعر و خدمت مثل ہدیم از نعم

ہے یہ ڈر دونوں نے ڈالا طوق گردن میں مری
ہوں میں گویا اونٹ قربانی کا از قسمِ نعم

ترجمہ: ان دونوں باتوں (شعر اور خدمت) نے میرے گلے میں ایسا پٹہ ڈالا جس کے عواقب سے ڈر ہے۔ گویا کہ میں ان دو باتوں کے سبب چوپایوں میں سے قربانی کا جانور ہوں۔

لفظی تشریح

اذ ۔ تعلیلیہ ہے ۔ التقلید ۔ گردن کو باندھنا ۔ اور بمعنی الزام بھی آتا ہے ۔ اور شعر کو قلدانی پر زبر کے ساتھ پڑھا جائے گا ۔ قلدانی اور بھما (دونوں جگہ) میں ضمیر شعر اور خدمۃ کی طرف راجع ہے ۔ جن کا ارادہ کیا گیا ہے ۔ الھدی جو جانور حرم میں ذبح کے لیے اونٹ گائے اور بکری جیسے جانوروں میں سے ھدی کے طور پر دیا جاتا ہے جس کی شان یہ ہے کہ اس (ہدی کے) جانور کے گلے میں کوئی چیز لٹکا کر قلادہ پہنچا دیا جاتا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی کا جانور ہے، تو کوئی شئ اس کے ساتھ تعرض نہ کرے ۔ پھر اس کو (منزلِ مقصود) پر قربان کر دیا جاتا ہے ۔ من بیانیہ ہے ۔

معنوی تشریح

فضول شعروں اور دنیا کی خدمت کے حصول نے (دونوں نے) میری گردن میں گناہوں کا بوجھ لٹکا دیا ۔ جن کے انجام میں قیامت کے روز مختلف قسموں کی سزاؤں کا ڈر ہے ۔ اور ان کے سبب ہلاک ہونا بھی ممکن ہے ۔ کیونکہ ان دونوں نے مجھے دار البوار کی ہلاکتوں میں گرا دیا ۔

(۱۴۳) اَطَعْتُ غَیَّ الصِّبَا فِی الْحَالَتَیْنِ وَمَا
حَصَلْتُ اِلَّا عَلَی الْاٰثَامِ وَالنَّدَمِ

بُردہ ام فرمانِ غیّ کودکی در ہر دو حال
ہیچ ازاں حاصل نہ دارم جز گناہان و ندم

ہر دو حالت میں شکارِ گمرہِ طفلی ہوا
کچھ نہ حاصل ہو سکا مجھ کو بجز جرم و ندم

ترجمہ: میں نے دونوں حالتوں (شعر و خدمت) میں لڑکپن کی اطاعت کی۔ (لیکن) مجھے سوائے ندامت اور گناہوں کے کچھ حاصل نہ ہوا۔

لفظی تشریح

میں نے بچپن کی گمراہی اور ابتدائی جوانی کی جہالت کی اطاعت کی۔ جو کہ استعمال شعر اور اشتغالِ خدمت کی دونوں حالتوں میں ان دونوں میں وقت خرچ کرنا وقت کا ضائع کرنا ہے۔ حالانکہ میں نے ان دونوں کی طرف سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا ماسوائے اس کے کہ میں معاصی میں واقع ہوا۔ اور (اس کے نتیجے میں) ممنوعہ باتوں (مناہی) میں واقع ہونے پر ندامت، حسرت اور دکھ حاصل ہوا۔

ندم سے مراد وہ شئے جس پر ندامت مترتب ہو ورنہ نفسِ ندم سے مراد توبہ ہوتی ہے۔ اور وہ نجات کا سبب اور بلندئ درجات کا وسیلہ ہوتی ہے۔ پس وہ شکایت کے تحت داخل نہیں ہوتا۔ حصلت تخفیف کے ساتھ بھی مروی ہے۔

معنوی تشریح

میں اغراض باطلہ اور مقاصد فاسدہ میں سے کسی شئ کو حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوا مگر یہ کہ میں معاصی اور ندامت میں گر پڑا۔

ممکن ہے کہ اس شعر میں لف و نشر مرتب ہو، تو بناءً علی ہٰذا فاسقوں کی مدح پر گناہ مرتب ہوتے۔ اور جاہلوں کی خدمت پر ندامت حاصل ہوئی۔

(۱۴۴) فَيَا خَسَارَةَ نَفْسِي فِي تِجَارَتِهَا
لَمْ تَشْتَرِ الدِّيْنَ بِالدُّنْيَا وَلَمْ تَسُمِ

پس زیاں ہائے کہ نفس اندر تجارت یافتہ
کاں بہ دنیا دیں نہ بخرید و بگفتہ میخرم

حیف میرے نفس نے سودا کیا نقصان سے
یعنی دنیا کو خریدا کر کے عقبیٰ کا عدم

ترجمہ: ہائے افسوس! میرے نفس کو اپنی تجارت میں بہت خسارہ ہوا کہ اس نے دین کو دنیا کے عوض نہ خریدا اور نہ ہی ویسے خریدنے کا قصد کیا۔

معنوی تشریح

بعض نسخوں میں عبارت یوں ہے: فیاخسارۃ نفس ہے۔ یعنی کلمہ نفس کو بجائے یائے متکلم کی طرف مضاف کرکے استعمال کرنے کے نکرہ ذکر کیا گیا۔ یہاں حرفِ ندا کے بعد منادیٰ محذوف ہے۔ اصل میں تھا: یاقوم! اعتبروا خسارۃ نفسی اور منادی (ندا دینے والا) خسارہ ہے یعنی خسارہ ندا کرتا ہے تاکہ وہ قوم تم سے اور میرے معاملے میں عبرت حاصل کرے۔

غیر ذوی العقول کا ندا کرنا عرب کلام میں عام ہے۔ حضرت جلال الدین محلی نے کہا ہے کہ اس میں تعجب کے معنی بھی ہیں یعنی یہ نفس کتنے خسارے والا ہے۔ اشتراء سے مراد استبدال ہے۔ (تبدیل کرنا۔ یہاں دنیا بمنزلہ قیمت (ثمن) ہے۔ اسی وجہ سے ناظم نے

ناظم نے اس پہ بار داخل کی ہے۔ السوم خریداری طلب کرنا۔ السوم باب نصر ینصر سے
مشتق ہے۔

معنوی تشریح

اے میرے ساتھیو! غور کرو اور میرے دوستو! میرے فاسد نفس کے خسارہ سے
عبرت حاصل کرو جو اس کے کھوٹے معاملے سے متعلق ہے۔ وہ معاملہ یہ ہے کہ اس نفس نے
باوجود باقی رہنے والے عقبیٰ کے معارضہ کے، دین قوم پر دنیائے فانی کو ترجیح دی۔ وہ
دین ایسا تھا جو نعیم و مقیم تک پہنچانے والا تھا۔ جب کہ اس نے ثمن فانی سے ملک باقی کو
نہیں خریدا۔ دنیا کو ترک کر کے دین کو حاصل کرنے کا قصد حسن نیت صفا ر قلب کے ساتھ
کیا جاتا ہے۔

اس شعر میں ایسا مبالغہ ہے جو کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اور اس بات کی طرف اشارہ
بھی ہے کہ دین اور دنیا کا جمع کرنا ممکن ہے۔ اور بعض اہل اشارہ نے کہا ہے کہ اس نے
دین کو دنیا کے ساتھ تبدیل نہیں کیا باوجودیکہ دین ادنیٰ سی تبدیلی کے ساتھ حاصل ہو جاتا ہے
اور وہ اس طرح کہ لفظ دُنیاَ سے الف کو گرا دیں جو کہ پانچ مانوس باتوں پر دلالت کرتا ہے۔
اور یہ سبب عطیہ کے مقدم ہونے کے اور ہمت کو پختہ کرنے کے لیے نفس کے نون پر برکت
کی یاء کو مقدم کریں وہ نفس جو زیب و زینت کا میلان رکھنے والا ہے۔

(۱۴۵) وَمَنْ يَّبِعْ اٰجِلًا مِّنْهُ بِعَاجِلِهٖ
يَبِنْ لَّهُ الْغَبْنُ فِيْ بَيْعٍ وَّفِيْ سَلَمِ

ہر کہ عقبیٰ را بہ دنیا می فروشد خاسر است
غبن او روشن شود البتہ در بیع وسلم

آخرت کو جس نے بیچا صرف دنیا کے لیے
ہے بڑا نقصان اس کے حق میں یہ بیع وسلم

ترجمہ: جو آخرت کو دنیا کے بدلے بیچے گا۔ اس کو نقد و ادھار دونوں صورتوں میں نقصان ظاہر ہوگا۔

لفظی تشریح

الآجل مد کے ساتھ۔ وہ شئے جو کچھ مدت کے بعد آنے والی ہو۔ اس سے مراد عقبیٰ ہے۔ العاجل جو جلدی پہنچانے والا ہو۔ اس سے مراد دنیا ہے۔" لفظ منہ اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ اس کی ضمیر من کی طرف راجع ہے۔ ایسے عاجلہ کی ضمیر بھی مَنْ کی طرف راجع ہے۔ ایک روایت میں عاجلۃ واحد مؤنث کا صیغہ ہے۔ بعض نے کہا کہ منہ کی ضمیر دین کی طرف لوٹتی ہے۔ جس کلمہ پہ بار (حرف جار) داخل ہے۔ وہ ثمن ماخوذ ہے۔

اور یَبِنْ فعل مضارع مجزوم بان۔ یَبِیْنُ سے مشتق مثل باع یبیع کے ہے۔ بمعنی ظہر۔ ظاہر ہونا۔ بیع کی مختلف قسمیں ہیں:

(۱) بیع العین بالعین: ایک شئ کی بیع دوسری شئے کے ساتھ۔ یہ بیع مقایضت ہے یعنے باہمی قبضہ لینا ہوتا ہے۔

(۲) بیع الدین بالعین: قرض کی بیع کسی شئے کے ساتھ۔ یہ بیع سَلَم ہے۔

(۳) بیع العین بالدین : کسی شے کی بیع قرض کیساتھ یہ مداینت ہے۔ قرض لینا ہے۔

(۴) بیع الثمن بالثمن : ثمن (قیمت) کی ثمن کے ساتھ بیع۔ یہ بیع صرف ہے۔

جس میں ہم گفتگو کر رہے ہیں وہ بیع سلم سے متعلق ہے۔ اسی وجہ سے ہم اس کو بیع ماتحت درج کرنے کے ساتھ ساتھ پیش کر رہے ہیں۔

اس شعر میں ملحدین کے قول کا رد بھی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ دنیا نقد ہے اور آخرت اُدھار ہے۔ اور ادھار کے بدلے نقد دینا امر غیر معقول ہے، کیونکہ بیع سلم میں ادھار لینے کے لیے کچھ مدت کے بعد بیع کو وصول کرنا، نقد عطا کرنا ہوتا ہے۔ اور ماہر قسم کے تاجر ہیں جنھوں نے ایسی بیع کو قبول کیا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے کفار کی مذمت کی ہے۔ فرمایا:

کلا بل تحبون العاجلۃ الخ ایسی بات ہرگز نہیں بلکہ وہ تو عجلت سے حاصل ہونے والی شئی کو پسند کرتے ہیں اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہیں۔ پھر فرمایا: من کان یرید العاجلۃ .... الخ (جو عجلت والی چیز کا خواہش تھا۔ ہم نے اس چیز میں سے اس کے جتنا چاہا عجلت کے ساتھ بھیج دیا) یہ نہیں فرمایا کہ جس نے جتنا چاہا ہم نے بھیج دیا اور نہ ہی یہ فرمایا : جس نے بھی چاہا ہر ایک کی خواہش کے مطابق بھیج دیا۔ (اللہ تعالےٰ کے قول کا مفہوم یہ ہے کہ ہمارا عطا کرنا مانگنے والے کی خواہش پر منحصر نہیں بلکہ یہ ہماری اپنی مرضی پر موقوف ہے کہ جس کو چاہیں اور جتنا چاہیں عطا کریں۔)

پھر فرمایا، ثم جعلنا لہ جھنم.... الخ پھر ہم نے اس (عجلت پسند) کے لیے جہنم کی سزا مقرر کر دی کہ وہ مذموم اور مطرود حالت میں جہنم کا عذاب برداشت کرے گا۔ اور جس نے آخرت کو چاہا اور اس کے حصول کی تگ و دو کی۔ اس حال میں کہ وہ مومن بھی ہو

تو ایسے لوگوں کی سعی مشکور ہے ہم ہر ایک مہلت دیتے ہیں۔ (اے پیارے نبی) یہ باتیں تمھارے رب کی عنایات میں سے ہیں اور تمھارے رب کی عطا کو کوئی رکاوٹ نہیں۔

معنوی تشریح

جس نے عاجل (دنیا) کو لے لیا اور آجل (آخرت) کو چھوڑ دیا، تو اس کی تجارت میں مکمل خسارہ اور اس کے معاملے میں غبن فاحش اس پر عیاں ہو جائے گا۔

قرابی نے فرمایا: اگر ایک طرف فنا ہونے والا سونا ہو۔ اور دوسری طرف باقی رہنے والا دکھ اور غم ہو تو میں فانی سونے کی بجائے باقی رہنے والے غم کو اختیار کروں گا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اللہ تعالٰے نے فرمایا: جو آخرت کی کھیتی حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں۔ (یعنی اس کو دنیا بھی ساتھ دے دیتے ہیں) اور جو دنیا کی کھیتی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ہم اس کو اس میں سے کچھ عطا کر دیتے ہیں۔ اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔

(۱۴۶) اِنْ اٰتِ ذَنْبًا فَمَا عَهْدِیْ بِمُنْتَقِضٍ
مِنَ النَّبِیِّ وَلَا حَبْلِیْ بِمُنْصَرِمٖ

گر گنہ کردم لیے من عہد را نشکستہ ام
با ہمیں بر حبلِ دینِ مصطفٰے نبریدہ ام

ہوں تو عاصی پر نہیں ٹوٹا ہے پیماں آپ سے
دین کی رسی نہ ہو گی منقطع شاہِ امم

ترجمہ: اگرچہ میں نے گناہ کئے ہیں لیکن پھر بھی میرا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدہ اور تعلق ٹوٹنے والا نہیں۔

لفظی تشریح

عہدی کی جگہ عقدی بھی روایت کیا گیا ہے۔ اور معنی یوں ہے۔ اگر میں گناہ کروں ان أتــ ذنبا کہا۔ ان اذ نبت نہیں کہا جو کہ قول ظاہر ہے، تو اس سے عدول کرنے کی وجہ یا تو استحضار ہے یا استمرار کا ارادہ ہے۔ عہدی نبی پر ایمان لانا۔ اور ان سے امان حاصل کرنا۔ حبل بمعنی تعلق

معنوی تشریح

اگر میں گناہ کروں تو میرا عہد ٹوٹنے والا نہیں، کیونکہ ارتکاب معصیت سے توبہ ٹوٹتی ہے۔ عہد ایمان اور عقد امان نہیں ٹوٹتا۔ اور نہ ہی میرا تعلق جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے دامن محبت اور آپ کی شفاعت کی امید کے ساتھ ہے منقطع ہونے والا ہے۔ یہ انقطاع نہ تو میری جانب سے ہے اور حضور کی طرف سے۔

کہا گیا ہے کہ عہد سے مراد وہ مفہوم ہے۔ جو حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے نکلتا ہے: من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ۔ کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا، جنت میں داخل ہوا۔ اور حبل سے مراد وہ بات ہے جو اللہ تعالےٰ عز و جل کے اس قول سے معلوم ہوتی ہے۔ جس نے شیطان کی نافرمانی کی اور اللہ تعالےٰ پر ایمان لایا، تو اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا۔ جس میں ٹوٹنا ہے ہی نہیں۔

۔۔۔

(۱۴۷) فَاِنَّ لِیْ ذِمَّۃً مِّنْہُ بِتَسْمِیَتِیْ
مُحَمَّدًا وَّھُوَ اَوْفَی الْخَلْقِ بِالذِّمَمِ

عہد او دارم کہ نام من محمّد کردہ اند
کس وفا چوں او نہ کردہ در ہمہ عہد و ذمم

ہے شفاعت کی مجھے امید میرے نام سے
ہے محمّد اس میں اور ہیں آپ مشفق محترم

ترجمہ: میرا آپ کے ساتھ یہی عہد (نسبت) ہے کہ میرا نام بھی محمد ہے، اور آپ اپنی ذمہ داریوں کو تمام مخلوق سے زیادہ وفا کرنے والے ہیں۔

لفظی تشریح

منہ کو اشباع ضمیر کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ جو کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے۔ تسمیہ مصدر ہے جو کہ اپنے مفعول اول کی طرف مضاف ہے۔ اس کا دوسرا مفعول محمدًا ہے۔ الذمم اول میں زیر کے ساتھ۔ یہ ذمہ کی جمع ہے وہ ذمہ عہد، امان، اسلام اور ایمان ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں ذمہ سے مراد حضورؐ کا وعدۂ شفاعت ہے۔ ایک روائت کے مطابق حضور نے فرمایا: جس کا نام محمّد یا احمد ہو گا تو میں اس کی شفاعت کروں گا۔ اس بیت کا حاصل سابق شعر میں حکم کی تعلیل ہے۔

معنوی تشریح

چونکہ میرا نام محمّد ہے اور وہ احمد (حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت پر دلالت

کرتا ہے۔ اور اسم، مسمی کی مخالفت سے متغیر نہیں ہوتا۔ اور حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اپنی ذمہ داریوں کی رعائت کرنے میں سب سے زیادہ پورا کرنے والے ہیں۔ پس حضور قیامت کے روز ذمہ داریوں کے احاطہ کے ساتھ مستحقین شفاعت کی شفاعت کے لیے کھڑے ہوں گے۔

(۱۴۸) اِنْ لَّمْ یَکُنْ فِیْ مَعَادِیْ اٰخِذًا بِیَدِیْ
فَضْلًا وَّ اِلَّا فَقُلْ یَا زَلَّۃَ الْقَدَمِ

گر ز فضلم در قیامت دستگیر و خرمم
ورنہ گیر د وائے بر من چوں بہ لغزانم قدم

حشر میں گر دستگیری کی نہ میری آپ نے
پھر تو میری شومیٔ تقدیر سے پھسلے قدم

ترجمہ: اگر بروز قیامت آپ نے اپنے فضل وکرم سے میری دستگیری نہ فرمائی تو اے مخاطب! تم مجھے کہو: قدم کی لغزش والے۔

لفظی تشریح

المعاد۔ یہ اسم مصدر یا اسم مکان یا زمان ہے۔ اس سے مراد روحوں کا بدنوں کی طرف لوٹنا، ہاتھ پکڑنا معاونت کرنے سے کنایہ ہے۔ فضلاً۔ تمیز واقع ہو رہی ہے۔ اِلّاً۔ ہمزہ مکسور اور لام مشدد ہے۔ اور تنوین کے ساتھ (اِلًّا) بھی روائت کیا گیا ہے اس صورت میں اس کا معنی ذمہ دار عہد ہوگا۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے فرمایا: لا یرقبون فی

مومن اِلاًّ ولا ذمة۔ ترجمہ: وہ مومن کے بارے میں کسی عہد یا ذمہ داری کا انتظار نہیں کرتے۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے یعنی اگرچہ میرا کوئی معاون نہیں جو مجھ پر فضل یعنی وعدہ پر احسان زائد کرے یا عدل یعنی ذمہ اور عہد کو پورا کرے۔

یہاں واؤ بمعنی او ہے۔ اور اِلاَّ بغیر تنوین کے بھی مروی ہے۔ اس صورت میں یہ مرکب ہے۔ اِنْ شرطیہ اور لا نافیہ سے۔ اس وقت اس کا معنی ہوگا۔ (اگر ایسا نہ ہو تو) اس کا ظاہر تو مفسد معنی ہے۔ جیسا کہ مخفی نہیں ہے۔ پس یہ معنی شرط اول اور اس کی تاکید کے ہے۔ اور جواب شرط ہے۔ فقل خطابا لمن جردہ من نفسہ۔ تو تم اس آدمی کو مخاطب ہوتے ہوتے کہو جس نے اس شرط کو اپنے سے مجرد (الگ) کر دیا ہے یعنی کہو: اے قدم کی لغزش! اب حاضر ہو، کیونکہ اب تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے۔ قدم کی لغزش ہلاکتوں میں واقع ہونے سے عبارت ہے۔ اور ممکن ہے کہ اس کو قدم کی پھسلاہٹ یا پل صراط سے پھسل کر آگ (دوزخ) میں گرنے پر محمول کیا جائے۔

ممکن ہے کہ کہا جائے یہ خطاب عام ہے یعنی اے مخاطب! تم مجھے کہو: اے فلاں آدمی اپنے قدم کی لغزش سے بچ۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ اس شعر کی تقدیر (اصل میں) یوں ہے۔ پہلا مصراع ہے: ان لم یکن عہد۔ اور دوسرے میں سے فضل ہے۔ تو اس میں یہ قباحت ہے کہ اس طرح شرط اول بغیر جزا کے پائی جائے گی۔ ہاں ایک صورت بچ نکلنے کی ہے۔ وہ یہ کہا جائے۔ دوسری جزا اس پر دلالت کرتی ہے۔

یہ جو کہا گیا ہے کہ معنی اس کا یوں ہے۔ اگر فضل نہ ہو اس وجہ سے کہ عدل ہے۔ تو یہ معنی غیر صحیح ہے اس میں وہی خرابی ہے جو اوپر گزر چکی ہے۔ کیونکہ اس روز (قیامت کے دن)

عدل کی نسبت سوائے اللہ تعالےٰ کے کسی طرف بھی نہیں ہوگی اور یہ بات بھی ہے کہ کلام کا مرجع اس طرف ہوگا کہ اگر اس نے عدل کے طور پر میرا ہاتھ پکڑا۔ تو یہ بات بھی نامناسب ہے۔ جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

(۱۴۹) حَاشَاهُ اَنْ يُّحْرِمَ الرَّاجِیْ مَكَارِمَهٗ
اَوْ يَرْجِعُ الْجَارُ مِنْهُ غَيْرَ مُحْتَرَمِ

دُور باد اگر کند نومید ہر امیدوار
یا کہ از وے باز گردد جارِ غیرِ محترم

ہے بعید از شان گر محروم مجھ کو کر دیا
اور لَوٹوں آپ کی شفقت سے غیرِ محترم

ترجمہ: حاشا للہ! کہ آپ کی بخششوں کا امیدوار محروم رہے۔ یا آپ کا پڑوسی (یا آپ کی پناہ لینے والا)، مایوس واپس آ جائے۔

لفظی تشریح

حاشاہ اس کی برأت بیان کرنے کے لیے۔ یا اس کا معنی ہے، اس سے الگ رہو۔

یحرم یہ فعل مضارع حرم یحرم بروزن ضرب یضرب سے مشتق ہے یا احرم (باب افعال) سے مشتق ہے بمعنی روکنا۔ یہ فعل متعدی بدو مفعول ہے۔ یہ فعل مبنی علی المفعول (مجہول) ہے اور بعض نے کہا، مبنی علی الفاعل (معروف) ہے۔ (اگر اس فعل کو معروف کہیں تو (الراجی) مفعول ہوگا۔ اور اس کو نصب پڑھا جانا چاہیئے۔) مگر الراجی کے آخر میں سکون ضرورت

شعر کی وجہ سے ہے۔ الجار (پڑوسی) مرفوع ہے۔ اس صورت میں فعل یرجع فعل لازم بمعنی یصیر یا یعود ہوگا۔ یا (الجار) منصوب ہے اس صورت میں یرجع بمعنی یُرَدُّ یا یُعِیدُ متعدی ہوگا اور الجار بمعنی پڑوسی نہیں بلکہ جار بمعنی مستجیر ہوگا۔ (پڑوس میں عہد و امان میں داخل ہونے والا) منہ کی ضمیر بالاشباع پڑھی جائے گی۔ راجع لبوتے نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ محترم صیغہ اسم مفعول کا ہے۔ غیر، جار سے حال واقع ہونے کی وجہ سے حالت نصب میں ہے۔

معنوی تشریح

بے شک حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے منزہ ہیں کہ لطف و کرم کے امیدوار کو بخشش سے محروم رکھیں۔ یا پناہ لینے والے کو بغیر احترام کے واپس لوٹا دیں، کیونکہ آپ تو کرامات کی معدن اور احترامات کا منبع ہیں۔

(۱۵۰) وَمُنْذُ اَلْزَمْتُ اَفْكَارِىْ مَدَائِحَهٗ
وَجَدْتُّهٗ لِخَلَاصِىْ خَيْرَ مُلْتَزِمٖ

زاں کہ من مشغول کردم فکرِ خود در مدحِ او
بر خلاص خود و را خوش یافتم من ملتزم

وقف جب سے ہو گیا ہوں مدح میں سرکار کی
پالیا اپنی رہائی کا مددگارِ نعم!

ترجمہ: اور جب سے میں نے اپنے افکار کو حضور کی مدح کے ساتھ لازم کیا

تو میں نے آپ کو اپنی خلاصی کے لیے بہترین کفیل پایا ہے۔

لفظی تشریح

منذ بمعنی اول مدت کے آتا ہے۔ یہ مفعول فیہ ہے۔ لخلاصی یہ ملتزم کے متعلق ہے۔ اور لام تقویتِ عمل کے واسطے ہے، جیسے کہا جاتا ہے: الذمته للشئ فالتزمه میں نے اس کو کسی شئ کا کفیل بنایا، تو اس نے اس کی کفالت قبول کر لی۔ اور اس کو اپنے آپ پر واجب کر لیا۔ اظہر بات یہ ہے کہ لام علت بیان کرنے کے لیے ہے اور وَجَدْتُّ کے متعلق ہے۔

معنوی تشریح

حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اچھے مکارم اور عمدہ اخلاق میں سے یہ بات ہے کہ میں نے جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف توجہ کی اور خلوص نیت اور صفائی ضمیر (قلب) کے ساتھ حضورؐ کی مدح و توصیف کرنے میں اپنے افکار کو حضور کی جناب میں پھیرا تو حضور نے میری کفالت قبول کر لی اور مجھے ہر تکلیف اور مصیبت سے خلاصی دینے کی غرض سے کمر بستہ ہو گئے۔

(۱۵۱) وَلَنْ يَّفُوْتَ الْغِنٰى مِنْهُ يَدًا تَرِبَتْ
اِنَّ الْحَيَا يُنْبِتُ الْاَزْهَارَ فِى الْاَكَمِ

دستِ درویش از غنا ہا نعمتش خالی نشد
زاں کہ از باراں بروید گل ببالائے اکم

آپ کی بخشش نہ چھوڑے گی کسی محتاج کو
جس طرح گلزار ٹیلوں کو کرے ابرِ کرم

ترجمہ: حضور کی سخاوت سے کوئی مفلس ہرگز محروم نہ رہے گا۔ بے شک بارش ٹیلوں پر بھی پھول اگاتی ہے۔

لفظی تشریح

الغناء کسرہ کے ساتھ۔ اگر اس کو اسم مقصور پڑھا جائے تو بمعنی آسانی اور فراخی ہے اور اسم ممدود پڑھا جائے تو بمعنی گانا بجانا ہے۔ الغناء فتح کے ساتھ۔ اگر مقصور پڑھا جائے تو بمعنی اقامت (قیام کرنا) ہے۔ اگر ممدود ہو تو بمعنی کفایت ہو گا۔ ان چاروں کو اکٹھا کیا ہے جس نے یہ کہا ہے: من یکون ذا غنیً یمل فی غنائً فی دور غنیً اھل الغناء۔ جو صاحبِ فراخی (مالدار) ہو گا وہ دور اقامت میں میرے گانے بجانے سے اہل کفائت کو اکتا دے گا۔

منہ کی ضمیر کو اشباع کے ساتھ پڑھا جائے گا۔ یہ غنیً کی صفت ہے یعنی ایسا غنیً جو اس کی جانب سے ہے۔ یداً ہاتھ سے۔ ترِبَ محتاج ہونا۔ یہاں ہاتھ سے مراد محتاجوں کے ہاتھ ہیں۔ سیاق نفی میں نکرہ کا استعمال عموم کا فائدہ دیتا ہے اور جائز ہے کہ یہاں غنی سے مراد مال لیا جائے۔ اس بات کی تائید وہ نسخہ کرتا ہے جس میں غنی کے لفظ کی بجائے ندی مذکور ہے۔ نَدٰی۔ ندی نون پر زبر بمعنی عطا۔ الحیاء اسم مقصورہ ہے۔ بارش۔ الازھار جمع ہے زھرۃ کی۔ الاکم جمع اکمۃ۔ اونچی جگہ، ٹیلہ۔

معنوی تشریح: اس شعر سے مقصود، آپ کی سخاوت کو عموم نفع کی، جبہ

سے، عام سخاوت بخشش کے ساتھ تشبیہ دینا ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اس سخاوت کا محل عطا کا اہل ہے یا منع کا مستحق ہے۔ اور اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ یا یہ کہ آپ باعمل علماً کے لیے ظاہری اور باطنی غنی کا سبب ہیں۔

سابقہ شعر، حضور کی جناب میں التجا پیش کرنے والے سے تکلیف دور کرنے کو مفید تھا۔ اور یہ شعر حضور کی بارگاہ میں سے طامع (لالچی) کے لیے حصول نفع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

پھر چونکہ یہ شعر اس بات کا وہم دلاتا تھا کہ ناظم قصیدہ نے اُخروی فائدہ کی بجائے دنیاوی نفع کا ارادہ کیا ہے، تو اس وہم کو خیال سے دور کرنے کے لیے فرمایا:

(۱۵۲) وَلَمْ اُرِدْ زَهْرَةَ الدُّنْيَا الَّتِي اقْتَطَفَتْ
يَدَا زُهَيْرٍ بِمَا اَثْنٰى عَلٰى هَرِمِ

من نمی خواہم متاعِ مال و دنیا چوں زہیر
کو نہ چیدہ دستِ او چوں گفت او مدحِ ہرم

مجھ کو دولت کی نہیں خواہش کبھی مثل زہیر
جس نے حاصل کی تھی دولت بن کے مدّاحِ ہرم

ترجمہ: میں دنیا کا پھول (زیب و زینت) نہیں چاہتا جس کو زہیر کے ہاتھوں نے ہرم کی تعریف کر کے چن لیا۔

لفظی تشریح

اکثر نسخوں میں اقتطفت ہے پھلوں کو چننا۔

معنوی تشریح

اس شعر میں اس بات کا اشعار ہے کہ مذموم تو صرف یہ بات ہے کہ جب امر فانی کو وصول کرنے کی طلب اور اس کو حاصل کرنے کا تکلف کیا جاتے۔ البتہ اگر فانی کا قصد کئے بغیر وہ مقصود باقی کی تبع میں واقع ہو تو کوئی نقصان نہیں دیتی۔ جیسے ہدایت کے لیے محبت کی موافقت کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

زہرۃ الدنیا سے مُراد دنیا کی خواہشات اور لذّتیں ہیں۔ جن کو ان کی رونق اور زینت اور بہت جلدی زوال پذیر ہونے کی وجہ سے پھول کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

زھیر اسم تصغیر ہے۔ وہ سُلمی کا بیٹا ہے۔ اور وہ ان سات مشاعروں میں سے ایک ہے جن کے قصیدے کعبہ کے دروازے پر لٹکے ہوئے تھے۔ جب اللہ تعالےٰ کا یہ قول یا ارض ابلعی ماءک ... الخ (اے زمین! اپنا پانی نگل جا) نازل ہوا تو وہ گر پڑے۔

اس کے باقی خاندان میں سے اس کا باپ ایک بہن ایک بیٹا ایک بیٹی اور ایک پوتا تھا۔ (سبط) کا عموماً نواسے پر اطلاق ہوتا ہے۔

ھَرِم۔ ھا پر زبر اور را پر زیر۔ یہ قبیلہ غطفان کا سردار تھا۔ اور ملوک عرب میں سے باعزت تھا۔ زہیر نے اس کے متعلق بہت سے تعریفی اشعار مدحیہ قصائد لکھے ہیں اور اس سے فوق العادت انعامات اور سواریوں سمیت عطیات پائے۔

کہا جاتا ہے کہ چار شاعر جب اپنی مخصوص کیفیت میں ہوں تو خوب شعر کہتے ہیں؛

(۱) امر القیس جب سوار ہو۔

(۲) نابغہ جب خوفزدہ ہو۔

(۳) زہیر جب راغب ہو۔

(۴) اور اعشیٰ جب خوش ہو۔

بما میں بار سببیہ ہے۔ اور 'ما' مصدریہ ہے۔ یا موصولہ ہے۔

(چونکہ صلہ میں ایک ضمیر ہوتی ہے جو اسم موصول کی راجع ہوتی ہے جس کو عائد کہتے ہیں، تو یہاں پر ما موصولہ ہونے کی صورت میں) عائد محذوف ہے۔

(۱۵۴) يَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِىْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمِ

اے گرامی تر ز خلقاں من نہ دارم ملجا
جز تو چوں آید قیامت یا بود مرگ اتم

اے مکرم تر جہاں سے جز ترے میرا ہے کون
حادثاتِ عام میں جب گھیر لیں رنج و الم

ترجمہ: اے تمام مخلوق سے بزرگتر! آپ کے سوا میرے لیے کوئی نہیں کہ حادثۂ عام (قیامت) میں جس سے پناہ حاصل کروں۔

لفظی تشریح

الخلق بمعنی مخلوق۔ اس پر الف لام جنس یا استغراق کا ہے۔ ایک نسخہ میں رسل (جمع رسول) کے سین پر جزم ہے۔ (یعنی یا اکرم الخلق کی بجائے یا اکرم الرسل ہے)

تواس طرح تو بطریق اولیٰ یہ بات لازم آتی ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہوں، پہلی صورت میں معتزلہ کا رد ہے کہ وہ تفضیل ملائکہ کے قائل ہیں۔ ما نفی کے لیے ہے یا استفہام انکاری کے لیے۔ اَلعَوذُ التجا کرنا۔ پناہ حاصل کرنا الحلول واقع ہونا۔ نازل ہونا۔ الحادث مفرد ہے حادثات کی بمعنی آفات و بلیّات۔ العَمِیم عین مفتوح اور پہلا میم مکسور ہے۔ العَمَم عین اور پہلی میم دونوں مفتوح۔ یہ دونوں کلمات عم سے مسموع ہیں جو کہ خص۔ (خاص ہونا) کی ضد ہے۔

معنوی تشریح

حادثہ سے مراد وہ شے ہے جو کہ یا تو موت کو شامل ہو اور وہ قیامت صغریٰ ہے۔ اور یا ساعۃ (قیامت) کو شامل ہو اور وہ قیامت کبریٰ ہے۔ یہاں مقصود اور مراد شفاعت عظمیٰ ہے۔

جان لو کہ جب ناظم قصیدہ نے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مقدسہ کی نعت اور آپ کی صفات کے کمالات کو بیان کر لیا۔ تو اب وہ غیب سے مقام حضور (خطاب) کی طرف منتقل ہوئے۔ اور نہایت اچھے آداب کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے ندا کی جیسا کہ قرآن مجید کے شروع میں ایاک نعبد کے متعلق کہا گیا ہے۔)

(۱۵۴) وَلَنْ یَّضِیقَ رَسُوْلَ اللّٰہِ جَاھُکَ بِیْ
اِذَا الْکَرِیْمُ تَجَلّٰی بِاسْمِ مُنْتَقِمٖ

یا رسول اللہ جاہت تنگ می ناید بہ من
چوں کریم انتقام آرد بہ ارباب نقم

کم نہ ہوگا آپؐ کا رتبہ شفاعت سے مری
جلوہ گر جب ہو بہ اسمِ منتقم وہ ذی کرم

ترجمہ: یارسول اللہ! میری وجہ سے آپ کی وجاہت میں اس روز ہرگز تنگی واقع نہیں ہوگی جب کہ کریم رب اپنے اسم منتقم سے جلونما ہوگا۔

لفظی تشریح

رسول اللہ منادی ہے حرف ندار کو حذف کر دیا گیا ہے۔ الجاہ یہ وجاہت سے مشتق ہے یعنی درجہ کی بلندی اور مرتبہ کی وسعت۔ بی یہ جار مجرور بیضیق کے متعلق ہے یعنی بہ سبب میری شفاعت فرماتے کے اذا برائے ظرفیت ہے۔ تجلّٰی ایک نسخہ میں تحلّٰی ہے۔

معنوی تشریح

تحلّٰی حاء کے ساتھ ہو تو اس کا معنی متصف ہونا۔ تجلّٰی جیم کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے منکشف ہونا۔ پہلا از روئے روایت کے زیادہ صحیح ہے۔ اور دوسرا از روئے درایت کے زیادہ واضح ہے، کیونکہ (اللہ تعالٰے کا صفات سے) متصف ہونا ازلی ہے۔ اور (ان صفات کا) منکشف ہونا زمانی ہے۔ الکریم اللہ تعالٰے کی ذات مقدس ہے۔ ناظم قصیدہ نے اس صفت (الکریم) کو جو کہ صفات جمالیہ میں سے ہے، صفت انتقام کے مقام میں جو کہ صفات جلالیہ میں سے ہے، اس لیے ذکر کیا تاکہ اعتدال حاصل ہو جائے۔ اور لوگوں کے دل منقطع نہ ہوں، تو یہ بڑا لطیف امتزاج ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالٰے کا قول ہے، ما غرك بربك الكريم۔ (تجھ کو اپنے رب کریم کے ساتھ کس شئے نے مغرور بنا دیا) یہ بندے کی تعلیم کی خاطر فرمایا تاکہ بندہ کہے، اے اللہ! مجھے تیرے کرم نے ہی مغرور بنایا۔

یا ان دونوں صفات کو جمع کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے۔ جو یہ ضرب المثل کے طور پر کہا گیا ہے: نعوذ باللہ من غضب الحلیم۔ ہم بردبار آدمی کے غضب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ پہلا شعر (قیامت کے روز) عام تکلیف کے وقت شفاعت کبریٰ کی طرف اشارہ کرتا ہو۔ جب کہ ساری مخلوق حتیٰ کہ انبیاء بھی نفسی نفسی پکار رہے ہوں گے۔ اور دوسرا شعر اس امت کے لیے قیامت کی مختلف جگہوں میں متعدد شفاعتوں کا شعور دلاتا ہے اور یہ باتیں اللہ تعالےٰ کے نزدیک حضور کی وجاہت کے باعث ہوں گی۔ اور جاہ ایک ایسا مرتبہ اور مقام ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کوئی مقام و مرتبہ نہیں ہے۔

(۱۵۵) فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَضَرَّتَهَا
وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

تتمہ از جودِ تو دنیا بود با آخرت
و ز علومت در دو عالم علم لوح است و قلم

کیوں کہ دنیا اور عقبیٰ آپ کی بخشش سے ہیں
اور علومِ باطنی سے آپ کے لوح و قلم

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ کی سخاوت اور بخشش میں سے دنیا اور آخرت ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا کچھ حصہ ہے۔

لفظی تشریح: من تبعیضیہ ہے۔ ضرتھا منصوب ہے اور دنیا

پر معطوف بالاسمیت (اسم ہونے کی وجہ سے) ہے۔ لغوی معنی سوکن ہے۔ ضرۃ بمعنی آخرت۔ آخرت کو سوکن کے ساتھ اس لیے تشبیہ دی کہ آخرت اور دنیا کو جمع کرنا اسی طرح مشکل ہے جیسے دو عورتوں کو۔ جیسے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے اپنی آخرت کو پسند کیا اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا۔ اور جس نے اپنی دنیا کو پسند کیا اس نے اپنی آخرت کو نقصان پہنچایا۔ پس تم فانی کی بجائے باقی پر چھیٹو۔ (اختیار کرو۔)

بعض اقوال میں سے ایک لطیف بات (جو دنیا کے متعلق) کہی گئی ہے۔

اشعار کا ترجمہ

(۱) میں دنیا پر عالم کے مؤخر اور جاہل کے مقدم کرنے کی وجہ سے ناراض ہوا تو دنیا نے کہا۔ عذر قبول کرو۔

(۲) جاہل لوگ میری اولاد ہیں اس لیے میں نے ان کو نچا مقام دیا اور عقل مند لوگ میری دوسری سوکن کی اولاد میں سے ہیں۔

علم اللوح منصوب ہے۔ اور بعض نے کہا کہ مرفوع ہے۔ دونوں (رفع ونصب) کی وجہ ظاہر ہے۔ والجود صفت ہے۔ ایسی عطا جو مانگی جائے اور وہ عطا کسی شئی کے عوض یا کسی لالچ کی وجہ سے نہ ہو۔

معنوی تشریح

یارسول اللہ! اپنی امت میں سے ایک آدمی پر سخاوت کر دینے سے آپ کی دنیا ہست میں ہرگز کمی نہیں ہوگی، کیونکہ آپ کی سخاوت اور احسان تمام مخلوق کے ساتھ ہے۔ دنیا میں ہدایت اور عقبیٰ میں شفاعت سب سے بہتر ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ کونین کا وجود آپ کی سخاوت اور عطا کی وجہ سے ہے۔ اور یہ کہ آپ تمام ماہیات پر وجود کے فیضان اور تمام موجودات پہ سخاوت کے جاری ہونے میں واسطہ ہیں۔ اس شعر میں اس حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کی طرف تلمیح ہے۔

شارحین کرام دوسرے مصراع کی شرح میں مضطرب ہوتے۔ بعض نے کہا: مصدر ہے اور یہ فاعل کی طرف مضاف ہے۔ تو معنی ہوا: لوح اور قلم کو جو اشیاء کا علم ہے تو اس صورت میں یہ کہنے کی بھی ضرورت پڑی کہ لوح اور قلم میں ادراک اور شعور کی قوت ہے بسبب اس بات کے جو ان دونوں کی طرف منسوب کی گئی ہے۔

بعض نے کہا کہ لفظ "علم" اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔ اس صورت میں معنی ہوا۔ لوگوں کو لوح وقلم کا جو علم حاصل ہے۔ تو پھر یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ اس بات میں کئی اقوال ہیں:

(۱) بعض نے کہا کہ قلم نے لوح محفوظ پر جو کچھ لکھا۔ اللہ تعالےٰ نے حضور کو اس پر مطلع کر دیا۔

(۲) بعض نے کہا کہ اس سے مراد اولین اور آخرین کا علم ہے۔ اور یہی بات اظہر ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ علم لوح سے مراد وہ نقوش قدسیہ اور صور غیبیہ ہیں جو اس میں نقش کئے گئے ہیں۔ اور علم قلم سے مراد وہ ہے جو قلم کے ساتھ لوح میں نقش کیا گیا ہے جیسے اللہ تعالےٰ نے چاہا۔

یا یہ اضافت معمولی سی ملابست کی وجہ سے ہے۔

لوح وقلم کا علم حضور کے علم میں سے ہونا، حضور کا علم کلیات وجزیات، حقائق لوح و

عوارف و معارف، معلق بالذات و معلق بالصفات کی طرف تقسیم ہوتا ہے۔ اور یہ کہ لوح وقلم کا علم حضور کے علم کی سطروں میں سے ایک سطر اور آپ کے علم کے سمندروں میں سے ایک نہر ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ (لوح وقلم کا علم) حضور کے وجود کی برکت سے ہے۔ جیسا کہ منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: اول ما خلق اللہ نوری سب سے پہلے اللہ تعالٰے نے میرا نور پیدا کیا۔ یعنی پھر اس نور کی طرف اللہ تعالٰے نے ہیبت کی نظر سے دیکھا۔ تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ نصف نصف ایک نصف ٹکڑے سے کونین کو پیدا کیا۔ اور قلم سے یہی مراد ہے۔ اسی وجہ سے (یہ بھی وارد ہوا) کہ سب سے پہلے اللہ تعالٰے نے قلم کو پیدا کیا۔ تو اب دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض باقی نہ رہا۔

حاصل کلام یہ ہوا کہ یارسول اللہ! دنیا اور آخرت آپ کے وجودِ باوجود کے آثار میں سے ہیں۔ اور لوح پر قلم سے جو کچھ ظاہر ہوا وہ آپ کے معارف کے اسرار اور آپ کے علوم کے انوار کا کچھ حصہ ہے۔

اس شعر میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ حقیقی جاہ و منزلت اللہ تعالٰے کا علم حاصل کرنے میں اور مخلوقِ خدا پر سخاوت کرنے میں ہے۔ جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ کمال ایمان میں سے یہ بات ہے کہ اللہ تعالٰے کے حکم کی تعظیم اور مخلوق خدا پر شفقت کی جائے۔

(۱۵۶) يَا نَفْسُ لَا تَقْنَطِي مِنْ زَلَّةٍ عَظُمَتْ
إِنَّ الْكَبَائِرَ فِي الْغُفْرَانِ كَاللَّمَمِ

اے دل از رحمت مشو نومید با جرمِ بزرگ
چوں کبائر نزدِ غفرانِ خدا شد چوں لمم

یوں تو عصیاں ہیں بہت اے نفس مت مایوس ہو
سامنے بخشش کے بے شک ہیں یہ ادنیٰ اور کم

ترجمہ: اے نفس! تو کسی عظیم خطا، لغزش کے باعث ناامید نہ ہو۔ بے شک بڑے بڑے گناہ بخشش (کے سمندر) میں صغیرہ ہوتے ہیں۔

لفظی تشریح

نفس۔ سین پر پیش کے ساتھ مروی ہے۔ اس طور پر کہ وہ منادی مفرد معرفہ ہے اور سین کے نیچے کسرہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔ اس طور پر کہ وہ منادیٰ یائے متکلم کی طرف مضاف ہے۔

خطاب کرنے کے لیے نفس کو مخصوص کرنے میں اور اس پر جو عتاب مترتب ہوتا ہے اس کو بیان کرنے کا مقصد اس بات کا شعور دلانا ہے کہ ناامیدی صرف نفس کی طرف سے پیدا ہوتی ہے۔ ورنہ عقل تو جائز قرار دے سکتی ہے۔ اور نقل اس کی تصحیح کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دیتا ہے۔

اس شعر میں معتزلہ اور خارجیوں کا رد ہے جو کہ ورطہ عقل اور احاطہ نقل سے بالکل خارج ہیں اور نفس کی پستی میں داخل ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید اور اس کے فضل سے بالکل مایوس ہیں۔ اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا: بے شک اللہ کی رحمت سے سوائے کافر

قوم کے اور کوئی بھی مایوس نہیں ہوتا۔

اس میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ ناامیدی کامل کفر ہی ہے۔ گناہ ہائے کبیرہ نہیں۔ تقنطی۔ میں نون پر فتحہ بھی ہے اور کسرہ بھی۔ ان الکبائر۔ نیا جملہ ہے۔ اس میں تعلیل کا معنی پایا جاتا ہے۔

معنوی تشریح

اے نفس! تو لغزش کے بخشے جانے سے یا کسی معصیت کے ارتکاب کی وجہ سے جو کیفیت میں بڑی اور کمیّت میں زیادہ ہو۔ مایوس نہ ہو، کیونکہ بڑے بڑے گناہ، گناہوں کے بخشنے والے کی بخشش کے پہلو میں چھوٹے چھوٹے عیبوں کی طرح ہیں، کیونکہ یہ دونوں قدرت کے ماتحت اور مشیت ایزدی کے ضمن میں ہونے کی وجہ سے برابر ہیں۔ جیسے کہ آیت مبارکہ اس طرف اشارہ کرتی ہے۔

اور تحقیق خبر میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے مخلص اور کامل بندوں کے متعلق یہ آیت اتری: الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش الا اللمم۔

توحضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے بے ساختہ یہ شعر ارشاد فرمایا:

ترجمہ: اے اللہ! اگر تو نے بخشنا ہے تو سب کو بخش دے جو کوئی بھی ہے وہ تیرا بندہ ہے۔

علامہ قشیری نے اللہ تعالیٰ کی اس آیت (یا عبادی الذین اسرفوا.....الخ)

(اے میرے وہ بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔) کے متعلق فرمایا، یا عبادی کے

کے ساتھ پکارنا مدح ہے۔ اور اسرفوا کے ساتھ ان کا وصف بیان کرنا ان کی مذمت ہے۔ جب اللہ تعالے نے خطاب فرمایا تو فرماں برداروں نے چاہا کہ اس خطاب کا مقصود اور عتاب کا مطلوب ہم ہی ہوں تو انھوں نے اپنے سروں کو اونچا کر لیا۔ اور گناہگاروں نے اپنی گردنوں کو جھکا لیا۔ اور کہا: (اے اللہ!) ہم کون ہیں جو تم ہم سے اس طرح خطاب کرے۔ پھر اللہ تعالے نے اسرفوا فرمایا تو حال پھر گیا اور امیدیں (انجام) بدل گئیں تو جن لوگوں نے سر کو جھکا لیا تھا وہ کبیدگی کے بعد خوش ہو گئے اور سروں کو اٹھا لیا۔ ان کی ذلت زائل ہو گئی۔

جنھوں نے پہلے سر کو اٹھایا تھا انھوں نے سر چھپا لیا۔ اور ان کی آواز بلند ہو گئی! اور ان کو علی انفسھم کہہ کر ان کو سلامتی کا مژدہ سنایا۔ پھر لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ (اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو) کی آیت ان پر پڑھی۔ (ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا بے شک اللہ تعالے سب کے سب گناہ بخش دے گا۔) پھر اللہ تعالے نے الذنوب کو جس پر الف لام استغراقی ہے جمیعا کہہ کر موکد کر دیا۔ گویا کہ اللہ تعالے نے فرمایا: میں سب گناہ بخش دوں گا۔

اگر تمھاری جنایت (گناہ کا ارتکاب) عام ہے تو میری عنایت (بخشش) بھی قدیم ہے۔ اللہ تعالے نے فرمایا میری رحمت ہر شے سے وسیع ہے۔

(۱۵۷) لَعَلَّ رَحْمَةَ رَبِّي حِينَ يَقْسِمُهَا
تَأْتِي عَلَى حَسَبِ الْعِصْيَانِ فِي الْقِسَمِ

رحمتِ رحمٰن مگر آں دم کہ قسمت میکنند
برمن آید در خورِ جرم و گناہ اندر قسم

رحمتِ حق ہو گی جب تقسیم مجھ کو ہے امید
میرے عصیاں سے سوا ہو گا مرے ربّ کا کرم

ترجمہ: امید ہے کہ جب میرا رب اپنی رحمت تقسیم کرے گا. تو رحمت گناہوں کی مقدار کے مطابق ہر ایک کے حصہ میں آئے گی۔

لفظی تشریح

القسم قاف پر زیر. قسمۃ کی جمع ہے۔

معنوی تشریح

میں اپنے دل کے حسن ظن سے امید کرتا ہوں کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالےٰ نفسِ لوامہ رکھنے والے لوگوں پر اپنی رحمت کو ظاہر اور تقسیم کرے گا۔ تو رحمت ان کے گناہوں کے مطابق ان کے حصہ میں آئے گی نہ کہ ان کی نامرادی کے مطابق۔ ورنہ اس کی رحمت تو ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ وسیع اور اس کا فضل ہمارے عیبوں کی نسبت زیادہ شامل ہے۔

اور نبی نوع انسان سے صادر ہونے والے گناہوں کے مراتب کے مطابق رحمت تقسیم ہو گی۔ وہ اس طرح کہ چھوٹی رحمت چھوٹی نیت کے مطابق اور بڑی رحمت نیت کے مطابق ہو گی۔ ایسے ہی رحمت کا تھوڑا یا زیادہ ہونے کا دارومدار نیت پر منحصر ہے۔

اسی وجہ سے کامل عارفوں میں سے کسی ظریف الطبع نے کہا قیامت میں

اللہ تعالےٰ کے ظہور رحمت کے کمال میں سے یہ بات ہوگی کہ گناہ گار لوگ دنیا میں اپنی معصیت کی کمی پر نادم ہوں گے۔ اس چیز پر مغنی (کتاب کا نام) کی روایت دلالت کرتی ہے (وہ یہ ہے) کہ اللہ تعالےٰ کسی بندے کے صغیرہ گناہوں کو ظاہر کرے گا۔ اور ان کو بخش دے گا۔ اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالےٰ اس کو بہت زیادہ اجر عطا فرمائے گا، تو وہ بندہ کہے گا: (اے اللہ!) میرے تو بڑے بڑے گناہ بھی تھے۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خوب مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دندانہائے مبارک نمودار ہو گئے۔

پس یہ حدیث امید کی وسعت پر دلالت کرتی ہے، تو دعا مانگنے اور پناہ حاصل کرنے کو لازم پکڑنا ہر ایک واجب ہے۔

(۱۵۸) يَا رَبِّ فَاجْعَلْ رَجَائِيْ غَيْرَ مُنْعَكِسٍ
لَدَيْكَ وَاجْعَلْ حِسَابِيْ غَيْرَ مُنْخَرِمِ

یا ربّ امیدم بر آور زاں مگرداں باژگوں
در قیامت نزدِ تو آں کہ حساب آساں کنم

میرے رب امید کو میری نہ رَد فرمایئے
تیری رحمت پر بھروسہ ہے نہ کر تو کالعدم

ترجمہ: یا رب! میری امید کو سیدھا رکھ (پورا کر) اور میرے گمان کو منقطع نہ کر۔

لفظی تشریح: ربّ۔ اس کی یا محذوف ہے (یعنی رب یائے متکلم کی طرف

مضاف تھا، تو اس کو حذف کرکے) کسرہ پر اکتفاء کیا۔ ایک نسخہ میں واجعل کی واو کی بجائے فاجعل یعنی فاء ہے۔ الانخرام۔ خاء کے ساتھ بمعنی منقطع ہونا۔

معنوی تشریح

اے اللہ! میرے عیبوں اور گناہوں کو مٹا کر مجھ پر رحم فرما۔ اور اپنی جناب میں میری امید کو الٹا نہ کر، کیونکہ بخشش کی جگہ رسوائی اور رحمت کی جگہ سزا نہیں ہوسکتی اور اے اللہ! تیرے متعلق میرا جو گمان ہے۔ اس کو اپنے فضل سے منقطع نہ کر، کیونکہ تو نے حدیث قدسی میں فرمایا: میں اپنے بندے کے ظن کے مطابق ہوں جو اس کو میرے ساتھ ہے۔

(۱۵۹) وَالْطُفْ بِعَبْدِكَ فِي الدَّارَيْنِ إِنَّ لَهُ
صَبْرًا مَّتٰى تَدْعُهُ الْأَهْوَالُ يَنْهَزِمِ

لطف کن با بندۂ خود ہم بہ دنیا ہم بہ دیں
زاں کہ صبرش نزدِ سختی ہا گریزد از سام

لطف فرما دو جہاں میں اپنے بندہ پر کریم
سختیوں میں ہے بہت بے صبر با رنج و الم

ترجمہ: اے اللہ! اپنے بندے پر دونوں جہانوں میں مہربانی فرما۔ بے شک اس کے پاس ایسا صبر ہے کہ جب مصیبتیں اس کے صبر کو پکاریں تو وہ بھاگ جاتا ہے۔

لفظی تشریح

اللطف. پوشیدہ طور پر احسان کرنا۔ یا وہ احسان جس کا کوئی ظاہری سبب نہ ہو۔

معنوی تشریح

اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ یہ بھی مہربانی کی ہے کہ اس کے انجام کو مبہم رکھا، کیونکہ اگر انسان کو اپنی نیک بختی معلوم ہو جائے تو اس کا عمل کم ہو جاتے اور وہ اسی پر بھروسہ کر کے بیٹھ جاتے۔ اور اگر اس کو اپنی بدبختی کا علم ہو جائے تو وہ مایوس ہو جائے۔ اور اللہ تعالےٰ کے حضور عجز و انکساری کرنا چھوڑ دے۔

بعض نے کہا کہ بندے پر اللہ تعالےٰ کے لطف میں ایک یہ ہے کہ اس نے بندہ کی اجل (موت) کو چھپا دیا ہے تاکہ وہ گھبرا نہ جائے۔ اگر ہم اس کی اجل کو معلوم کر دیتے تو وہ بندہ، جب کوئی امید لمبی ہو جاتی تو اس کو پورا نہ کر سکتا۔ اور عمل کرنے میں تاخیر کرتا۔

ایک نسخہ میں تدعہ کی جگہ تلقہ ہے مصیبتوں اور گھبراہٹوں سے انسان بھاگ جاتا ہے اور سردوں میں سے کوئی بھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔ پھر حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اتباع اور پابندی کے ساتھ درود پاک پڑھنے سے زیادہ قوی پناہ گاہ اور کوئی نہیں ہے۔ اور آپ صلے اللہ علیہ وسلم سراپا شرف اور کرم ہیں۔ اور جب ناظم قصیدہ نے یوں فرمایا؛

ــــہ

۱۶۰ وَائْذَنْ لِسُحْبِ صَلٰوۃٍ مِّنْكَ دَائِمَۃٍ

عَلَى النَّبِيِّ بِمُنْهَلٍّ وَّمُنْسَجِمِ

پس درُودِ بے کراں باراں ابرِ رحمت
تا شود ریزاں و پاشاں از نعیم و از نعم

اَبر رحمت کو ترے دے حکم تا برسائے وہ
تا اَبد اپنے نبیؐ پر رحمت و فضل و کرم

ترجمہ: یارب! تو ان بادلوں کو حکم دے جو تیری طرف سے ہمیشہ نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہیں تاکہ وہ لگاتار اور کثرت سے صلوٰۃ و سلام کی بارش برسائیں۔

لفظی تشریح

ائذن ۔ بمعنی امر باب علم لعلیم سے ہے۔ سحب ۔ سین اور حار پر پیش کے ساتھ۔ لیکن برائے تخفیف اس کی حار کو ساکن رکھا گیا ہے۔ الصلوٰۃ ۔ (درود پاک پڑھنا) اس سے مراد مزید شرافت اور کرامت ہے۔ منك یہ صلوٰۃ کی صفت ہے یعنی جو تیری طرف سے واقع ہو۔ اور دائمۃ ۔ صفت کے بعد صفت ہے ۔ علی النبی یہ صلوٰۃ کے متعلق ہے یا دائمۃ کے متعلق ہے۔ بمنھل یہ ایذن کے متعلق ہے۔ منسجم صحیح یہ ہے کہ یہ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور منھل پر اس کا عطف ہے۔

معنوی تشریح

یا اللہ! تو ان بادلوں کو حکم دے کہ یہ سرداروں میں سب سے زیادہ حسین اور سرداروں کے سردار پر نہایت بلیغ انداز میں صلوٰۃ وسلام کی موسلا دھار نہ ختم ہونے والی بارش برسائیں، کیونکہ ناظم نے اپنے شعر میں مندرجہ ذیل باتیں جمع کی ہیں ۔ جو اس

کے کلام سے مستفاد ہیں۔ بعض دلالت کے ساتھ سمجھی گئی ہیں۔ اور بعض اشارہ کے ساتھ۔

۱ ۔ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پاک کا پڑھنا۔

۲ ۔ اس کا دوام

۳ ۔ اس کا نزول۔

۴ ۔ نزول کا مبدا۔

۵ ۔ نزول کا منتہیٰ

۶ ۔ انصباب (ٹپکنا) کے ضمن میں اس کی کثرت

۷ ۔ روانی کے ضمن میں اس کا عام ہونا

۸ ۔ اس کا محل و موقع

۹ ۔ اس کو بارش کے ساتھ تشبیہ دینا

۱۰ ۔ اور اس کے لیے بادلوں کو ثابت کرنا۔

لفظ اِئْذَنْ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ صلوٰۃ وسلام کے بادل حاضر کھڑے ہیں اور اللہ تعالےٰ کے اذن کے منتظر ہیں۔ اور اذن متحقق ہے، کیونکہ اللہ تعالےٰ سبحانہ ملاء اعلیٰ سمیت آپ پر درود بھیجتے ہیں۔ اس نے تو اپنے مطیع بندوں کو بھی آپ کی تعظیم و تشریف اور ہیبت و تکریم کے لیے صلوا علیہ وسلموا تسلیماً کے ساتھ حکم دیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مطہرہ پر درود وسلام بھیجو۔

(۱۶۳) مَا رَنَّحَتْ عَذَبَاتِ الْبَانِ رِيْحُ صَبَا
وَاَطْرَبَ الْعِيْسَ حَادِى الْعِيْسِ بِالنَّغَمِ

تا بہ جنباند صبا اندر چمن شاخِ درخت
او براند اشتراں را بندگانش در نغم !

جب تلک بادِ صَبا چلتی رہے گلزار میں !
اور اونٹوں کو طرب میں سَاربانِ پر نغم !

ترجمہ : (وہ بادل بارش برساتے رہیں) جب تک بادِ صبا درخت بان کی ٹہنیوں کو جھولاتی رہے، اور جب تک حُدی خواں نغموں کے ساتھ اونٹوں کو خوش کرتے رہیں،

لفظی تشریح

رنحت نون مفتوح پر تشدید اور حاء پر بھی فتحہ ہے بمعنی جھولانا، جھومنا۔ ما مصدریہ ظرفیہ ائذن کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا کہ نحویوں کی اصطلاح کے مطابق اس کو دوامیہ کہتے ہیں، کیونکہ اس سے دوام مراد ہوتا ہے۔ اور ما مدت بھی کہتے ہیں، کیونکہ یہ لمبی مدت پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ باد صبا کا چلنا اور بان کی ٹہنیوں کو ہلانا اگرچہ علی الدوام نہیں پایا جاسکتا۔ لیکن یہ امتدادِ زماں اور وقت کی دوری کے (ساتھ) مطابق دیر پا ہوسکتا ہے ۔

معنوی تشریح

حاصل کلام یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے، جب تک دنیا باقی ہے۔ جن چیزوں سے وہ دونوں خالی نہیں ہوسکتے۔ اسی وجہ سے بعض شارحین نے فرمایا ہے کہ یہ ہمیشہ رہنے سے کنایہ ہے۔

عَذَبَاتٌ (بحرکات کے ساتھ) بان کی ٹہنیاں، بان ایک ایسا درخت ہے جس کی

ٹہنیاں نہایت نازک ہوتی ہیں۔ عذبۃ اصل میں کسی شئی کے لطیف حصے کو کہا جاتا ہے۔
اَلصَّبَا ایسی ہوا ہے جو سورج کے طلوع ہونے کی جگہ سے اس وقت چلتی ہے۔ جب رات اور دن برابر ہو جائیں۔ (یعنی صبح صادق کے بعد طلوع شمس سے پہلے)۔ اور باب کعبہ کے مقابل ہو کر گزرتی ہے گویا کہ وہ اس پر شیدا ہے۔ اور اس سے میلان رکھتی ہے۔ کبھی اس کو قبول بھی کہا جاتا ہے۔ اور وہ ہوا جو کعبہ کے پیچھے سے چلتی ہے اس کو دبور کہتے ہیں۔

حدیث پاک میں آیا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: بادِ صبا کے ساتھ میری مدد کی گئی اور قومِ عاد کو دبور کے ساتھ ہلاک کیا گیا۔

کہا گیا ہے کہ بادِ صبا گرم مرطوب ہونے کی وجہ سے درختوں اور ٹہنیوں میں اثر کرتی ہے۔ اور ان کو نرم کرتی ہے۔ زمین کے اندر قوائے نامیہ میں ہیجان (جوش) پیدا کرتی ہے۔ اور ٹہنیوں کو گوناگوں کلیوں اور رنگارنگ پھولوں سے زینت بخشتی ہے۔

شعراء اپنے اشعار میں اس کا ذکر کرکے برکت حاصل کرتے ہیں۔ (متبرک بناتے ہیں) جیسے کسی نے کہا ؎

الا یا صبا نجد متی ھجت من نجد

فقد زادنی سراک وجدا علی وجد

ترجمہ: اے نجد کی بادِ صبا! جب تو نجد میں سے گزرتی ہے تو تیرا یہ چلنا میرے غم میں اضافہ کر دیتا ہے۔

ریح کو الصبا اضافت کے استعمال کرنا از قبیل اضافۃ العام الی الخاص ہے۔ عذبات مفعول ہے۔ اکثر شارحین نے ایسے ہی ذکر کیا ہے۔ اور یہی بات جمہور کی زبان پر مشہور ہے۔ لیکن علامہ مولانا عصام الدین نے ذکر کیا ہے کہ اس میں کئی اشکال ہیں۔

وہ یہ ہے کہ لفظ رُنِّحَ لغت میں مبنی بر مجہول ہے۔ جیسا کہ التاج اور صحاح اس پر دلالت کرتی ہیں۔ پس مناسب ہے کہ اس کو مجہول ہی پڑھا جائے۔ اور ریح صبا کو فعل محذوف کا فاعل بنایا جائے۔ یعنی امالتہ ریح صبا۔ (بادِ صبا کا حرکت دینا) تاکہ جملہ یسبح لہ فیھا بالغد والآصال رجالٌ کی قسم میں سے ہو جائے۔

پھر میں نے قاموس کو دیکھا۔ وہ صحاح کے موافق تھی۔ اس نے لکھا: ترنح مدہوشی کے عالم میں جھومنا۔ یا رُنِّحَ علیہ ترنیحًا (بالضّم)

ترنیحا بالغم۔ غشی طاری ہونا۔ یا کسی کی ہڈیوں میں کمزوری پیدا ہونے کی وجہ سے لڑکھڑانا۔

لیکن مجھے معلوم ہوا ہے کہ مبنی بر مجہول ہونا مخصوص حالت میں ہے جب کہ فعل علیٰ کے ساتھ متعدی ہو۔ اور خصوصی معنی اسی پر دلالت کرتا ہے۔ نیز اس لیے کہ فعل ترنح موافق ہے۔ (مطاوع) اس کے لیے فعل متعدی کا ہونا بھی ضروری ہے، تو جس طرح یہ فعل معروف ہے۔ وہ بھی معروف ہی ہوگا۔ تو اس طرح جہالت (مجہول ہونا) اٹھ گئی۔

یہ جو حدیث آئی ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی ہے۔ صحیح ہے۔ پھر میں نے دیکھا۔ ابن الغازی نے کہا: یقال رنحت الریح الغصون۔ کہا جاتا ہے کہ ہوا نے ٹہنیوں کو ہلایا۔ پھر وہی ذکر کیا جو صحاح میں ہے۔

الطوب ہلکا پن جو خوشی کا سبب بنتا ہے۔ اور حرکت سے حاصل ہو۔ یہ طوب یطوب باب حفظ یحفظ سے مشتق ہے۔ اور ہمزہ کے ساتھ (باب افعال) اس کو متعدی بنایا جاتا ہے۔ العیس یہ مفعول ہونے کے باعث منصوب ہے۔ یہ جمع ہے اور اس کا واحد اَعْیَسُ ہے۔ ایسے اونٹ جو مٹیالے رنگ کے (سرخی مائل سفید) ہوں۔ یہ

نہایت عمدہ اونٹ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض احادیث میں افضل من حمر النعم وسوق الابل کے الفاظ ملتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے۔

النغم نون اور غین پر زبر کے ساتھ۔ اچھی آواز۔

اور قاموس میں ہے۔ النَغَم حرکات کے ساتھ۔ اور سکون کے ساتھ النغْم بمعنی آہستہ کلام۔

نغم فی الغنا۔ اچھی آواز سے گانا۔ یہ باب ضرب یضرب، نصر ینصر اور سمع یسمع سے ہے۔ انتہی۔

ابن تازی نے ابن المرزوق سے جو کچھ نقل کیا

قصیدہ کے شعر میں کسرہ نون کے ساتھ (نِغَم) وہ نقل صریح اور دلیل صحیح کا محتاج ہے

ٹہنیوں کا جھومنا اور جوش پیدا ہونے کو اکٹھا کرنا اور انگلیوں کے پوروں اور حیوانات کی جماعت کو جوڑنا، ان کے جمال کے ظہور اور کمال کے حصول کی طرف اشارہ ہے۔

اس شعر میں اس بات کا بھی اشعار ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر درود پاک پڑھنا، پڑھنے والے کے کمال کا سبب ہے۔ اور اس کا کمال۔ اس کے حال کی خوبی اور انجام کی بہتری کا مقتضی ہے۔

اللہ تعالےٰ صلوٰۃ وسلام نازل کرے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اور آپ کی آل پر اور آپ کے تمام انبیاء ومرسلین بھائیوں پر۔ والحمد للہ رب العالمین۔

شارح مرحوم ومغفور جب اس مقام پر پہنچا، تو فرمایا: وہ (شارح) ماہ صفر میں فارغ ہوا۔ اور سید البشر رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ سے ہجرت کے ۱۰۰۶ھ سال میں کامیابی اور خیریت کے ساتھ ختم کیا۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْقَصِیْدَۃُ الْمُحَمَّدِیَّۃُ لِلْاِمَامِ الْبُوْصِیْرِیْ رحمۃ اللہ علیہ

مُحَمَّدٌ اَشْرَفُ الْاَعْرَابِ وَالْعَجَمِ
مُحَمَّدٌ خَیْرُ مَنْ یَّمْشِیْ عَلٰی قَدَمِ

محمد عرب اور عجم سب میں بزرگ تر ہیں — محمدؐ تمام انسانوں میں افضل ہیں

مُحَمَّدٌ بَاسِطُ الْمَعْرُوْفِ جَامِعُہٗ
مُحَمَّدٌ صَاحِبُ الْاِحْسَانِ وَالْکَرَمِ

محمدؐ نیکیوں کو پھیلانے والے اور اسکے جامع ہیں — محمدؐ احسان اور بخشش کرنے والے ہیں

مُحَمَّدٌ تَاجُ رُسْلِ اللّٰہِ قَاطِبَۃً
مُحَمَّدٌ صَادِقُ الْاَقْوَالِ وَالْکَلِمِ

محمدؐ کُل انبیا کے سرتاج ہیں — محمدؐ قول اور کلام کے سچے ہیں

مُحَمَّدٌ ثَابِتُ الْمِیْثَاقِ حَافِظُہٗ
مُحَمَّدٌ طَیِّبُ الْاَخْلَاقِ وَالشِّیَمِ

محمدؐ وعدے کے پکے اور اس کے محافظ ہیں — محمدؐ خوش خلق اور نیک سیرت ہیں

مُحَمَّدٌ جُبِلَتْ بِالنُّوْرِ طِیْنَتُہٗ
مُحَمَّدٌ لَمْ یَزَلْ نُوْرًا مِّنَ الْقِدَمِ

محمدؐ نورِ مجسم ہیں — محمدؐ کا نور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے

مُحَمَّدٌ حَاكِمٌ بِالْعَدْلِ ذُوْشَرَفٍ
مُحَمَّدٌ مَّعْدِنُ الْاِنْعَامِ وَالْحِكَمِ

محمدؐ انصاف والے حاکم محترم ہیں — محمدؐ نعمتوں اور حکمتوں کے مخزن ہیں

مُحَمَّدٌ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ مِنْ مُّضَرٍ
مُحَمَّدٌ خَيْرُ رُسْلِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

محمدؐ اللہ کے بہترین مخلوق قبیلہ مضر سے ہیں — محمدؐ اللہ کے تمام انبیاءؑ میں افضل و اعلیٰ ہیں

مُحَمَّدٌ دِيْنُهٗ حَقٌّ النَّذِيْرُ بِهٖ
مُحَمَّدٌ مُّجْمَلٌ حَقًّا عَلٰى عَلَمٍ

محمدؐ کا دین سچا اور خوفِ خدا دلانے والا ہے — محمدؐ مجسم سچائی ہیں اور اس کے علمبردار ہیں

مُحَمَّدٌ ذِكْرُهٗ رُوْحٌ لِّاَنْفُسِنَا
مُحَمَّدٌ شُكْرُهٗ فَرْضٌ عَلَى الْاُمَمِ

محمدؐ کا ذکر مبارک ہماری جانوں کی روح ہے — محمدؐ کا شکر ادا کرنا تمام قوموں پر فرض ہے

مُحَمَّدٌ زِيْنَةُ الدُّنْيَا وَبَهْجَتُهَا
مُحَمَّدٌ كَاشِفُ الْغُمَّاتِ وَالظُّلَمِ

محمدؐ دُنیا کا حُسن اور رونق ہیں — محمدؐ اندھیروں اور مشکلات کو رفع کرنیوالے ہیں

مُحَمَّدٌ سَيِّدٌ طَابَتْ مَنَاقِبُهٗ
مُحَمَّدٌ صَاغَهُ الرَّحْمٰنُ بِالنِّعَمِ

محمدؐ کے پند اور نصائح ہمیشہ قائم رہنے والے ہیں — محمدؐ کو اللہ پاک نے ایک بہترین نعمت بنایا ہے

مُحَمَّدٌ صَفْوَةُ الْبَارِیْ وَخِیْرَتُہٗ
مُحَمَّدٌ طَاهِرٌ وَسَاتِرُ التُّهَمِ

محمدؐ اللہ کے چنے ہوئے اور برگزیدہ ہیں محمدؐ پردہ ڈالنے والے ہیں خطاؤں پر

مُحَمَّدٌ ضَاحِكٌ لِّلضَّيْفِ مُكْرِمَةً
مُحَمَّدٌ جَارُهٗ وَاللّٰهِ لَمْ يُضَمِ

محمدؐ مہمانوں کو خوش آمدید کہنے والے ہیں محمدؐ کی قربت والا بخدا۔ ستایا نہیں جائے گا

مُحَمَّدٌ طَابَتِ الدُّنْيَا بِبَعْثَتِهٖ
مُحَمَّدٌ جَاءَ بِالْاٰيَاتِ وَالْحِكَمِ

محمدؐ دنیا کے لئے رحمت بن کر بھیجے گئے ہیں محمدؐ معجزوں اور حکمتوں کے لانیوالے ہیں

مُحَمَّدٌ يَوْمَ بَعْثِ النَّاسِ شَافِعُنَا
مُحَمَّدٌ نُوْرُهُ الْهَادِیْ مِنَ الظُّلَمِ

محمدؐ روزِ قیامت انسانوں کی شفاعت کرنیوالے ہیں محمدؐ اپنے نور سے اندھیروں میں رہبری کرنیوالے ہیں

مُحَمَّدٌ قَائِمٌ لِّلّٰهِ ذُوْ هِمَمٍ
مُحَمَّدٌ خَاتِمٌ لِّلرُّسْلِ كُلِّهِمِ

محمدؐ اللہ کی طرف سے باہمت اور مستعد ہیں محمدؐ خاتم النبیین ہیں

QAMAR-UL-ULOOM
QAMAR SIALVI ROAD
GUJRAT PAKISTAN
TEL. PH. 522555

